ماهنامہ

حنا

جنوری 2019



سالگرہ نمبر

ہر گھر کیلئے

ماھنامہ

حنا

جلد: 41 شمارہ: 1
جنوری 2018
قیمت -/70 روپے

بانی: سردار محمودؒ
مدیر اعلیٰ: سردار طاہر محمود
مدیرہ: تسنیم طاہر
نائب مدیران: ارم طارق
تحریم محمود
مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق
قانونی مشیر: سردار طارق محمود (ایڈوکیٹ)
آرٹ ایڈیٹر: کاشف گوریجہ
اشتہارات: خالدہ جیلانی
افواز علی نازش





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



حمد — تنویر پھول — 7

نعت — محمد زبیر — 7

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8



دل گزیدہ — ام مریم — 18

پربت کے اس پار کہیں — نایاب جیلانی — 170



انشاء نامہ

جنوری کی سرد راتیں — ابن انشاء — 11

افسانے

سال نو کی نوید — عائشہ رانا — 165

ہائے وہ میرے خواب — حمیرا نوشین — 159

ہیپی نیوائیر — ثنا کنول — 199

ہمسفر — رمشا احمد — 205

نئے راستے — سویرا فلک — 215

انٹرویو

سال نو سروے — فوزیہ شفیق — 13



مکمل ناول

یقین کامل — خدیجہ الحق — 36

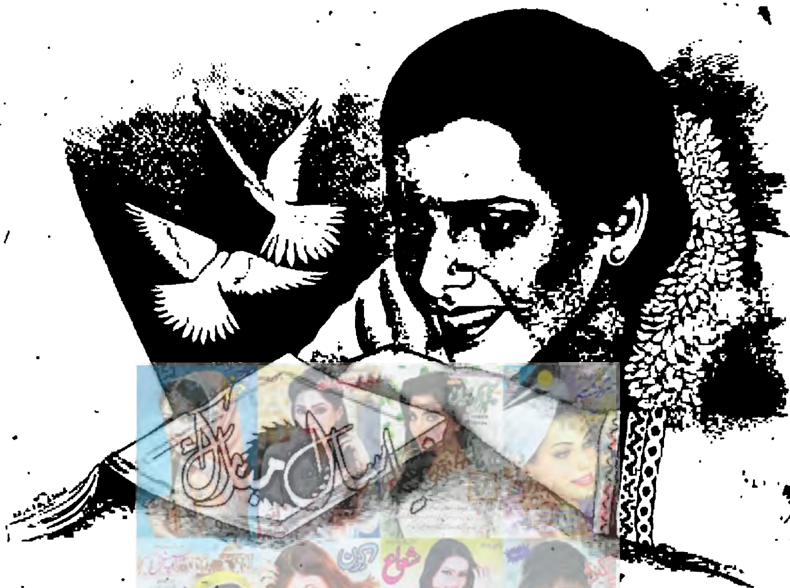
تم میرے پاس رہو — دُرِ ثمن بلال — 68

ناولٹ

شہر دل کا راستہ — تحسین اختر — 104

میں رقصم — بشریٰ سیال — 122

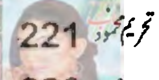
محبت ہار ہوتی ہے — ندا علی عباس — 142

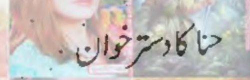
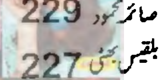


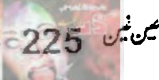








اصل مطالعہ — تحریم محمود 221

یری ڈائری سے — صائمہ محمود 229

نگ حنا — بلقیس بخشی 227

نا کی محفل — عین غین 225

بیاض — تسنیم طاہر 223

حنا کا دسترخوان — افراح طارق 231

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 234

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! سال 2019ء کا پہلا شمارہ بطور سالگرہ نمبر پیش خدمت ہے۔

اس شمارے کے ساتھ حنا اپنی عمر کے اکتالیسویں سال میں داخل ہو گیا ہے۔ اکتالیس سال کے اس طویل سفر میں کئی لوگ اس قافلے میں شامل ہوئے اور کئی اس سے بچھڑ کر وقت کی دھول کی گرد میں گم ہو گئے۔ ہمارے ان ساتھیوں کی یاد آج بھی ہمارے دلوں میں تازہ ہے۔ ہم ان بچھڑنے والوں کے لئے دعا گو ہیں اور اپنے ہم سفر ساتھیوں کے شکر گزار ہیں کہ ان کی سرپرستی اور محبت سے ہمارا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ گزشتہ سال جولائی میں نئی حکومت کے آنے سے سب کو امید تھی کہ وہ ملک کی بگڑتی معاشی حالت کو سنبھالے گی اور مہنگائی کی چکی میں پستے ہوئے عوام کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کوئی قدم اٹھائے گی۔ مگر اب حکومت نے آتے ہی سابقہ حکومت کی کرپشن اور معاشی بدعنوانیوں کو کوستے ہوئے منی بجٹ کے ذریعے غریب عوام پر مزید بوجھ ڈال دیا اور اسے اصلاح احوال کے لئے ضروری قرار دیا۔ اب شنید ہے کہ دوسرا منی بجٹ لایا جا رہا ہے۔ جس میں ٹیکس بڑھانے کی تجویز ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ ختم کرنے کی حکومتی پالیسی نے عوام کا بھرکس نکال دیا ہے۔ کاروباری طبقے سے لے کر مزدور تک سب پریشان ہیں کہ ایسا مندہ کبھی دیکھا نہیں تھا۔ مارکیٹوں میں ہو کا عالم ہے۔ ہر شخص پریشان ہے۔ غریب عوام نے اس حکومت کو سابقہ حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں سے تنگ آ کر مینڈیٹ دیا تھا۔ حکومت اب تک عوامی امنگوں پر پورا نہیں اتر سکی، عوام کو خوش آئند مستقبل کے خواب دکھائے جا رہے ہیں مگر عملی کارکردگی صفر ہے۔ ہمیں حکومت سے ارباب و اختیار سے کہنا ہے کہ عوام کو [illegible] کی بجائے عملی قدم اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔

ابن انشاء:۔ انشاء جی آج ہمارے درمیان نہیں مگر ان کی یادیں چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں 11 جنوری کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں:۔ طواف آرزو کرتے سال نو کا سروے، خدیجہ اسحاق اور درشن بلال کے مکمل ناول، ندا عباس، بشریٰ سیال اور تحسین اختر کے ناولٹ، عائشہ رانا، رمشا احمد، ثناء کنول اور حمیرا نوشین کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار طاہر محمود



ب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
دل میں آیا، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

ہ کا بوجھ ہے سر پر گراہوں سجدے میں
وہ بار مرے سر پہ کہ میں اٹھا نہ سکا

میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

ے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
برگ و غنچہ یا موز و نگیں بنا نہ سکا

کو تو نے نوازا، یہ فضل ہے تیرا
ن منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

پھول سجدے میں، حالت سے اس کی تو واقف
ئے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

تنویر پھول



مہکتے چمن ہو، رسول امیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

بحر سخا بھی ہو، ابر کرم بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست و حکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہیں ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو، دل کے قریں ہو

رسول خدا ہیں، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجدے میں گر کر قیامت کے دن بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

محمد زبیر

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

اللہ کی محبت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے کر، پھر جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے دشمنی رکھتا ہے جو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو تو پھر وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے، تم بھی اس کو دشمن رکھو، وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔" (یعنی زمین میں بھی اللہ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں، وہ اس کے دشمن رہتے ہیں۔) (مسلم)۔

بھائی چارہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مومن (دوسرے) مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے (اسی طرح ایک مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کا مددگار رہے۔)۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مومنوں کی مثال ان کی دوستی، اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی۔ (یعنی سب مومن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس (تکلیف) میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی اور بخار آ جاتا ہے۔" (اسی طرح ایک مومن پر آفت آئے خصوصاً وہ آفت جو کافروں کی طرف سے پہنچے تو سب مومنوں کو بے چین ہونا چاہیے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔) (مسلم)۔

پردہ پوشی کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس

عیب چھپائے گا۔'' (مسلم)

نرمی کے بارے میں

سیدنا جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ بھلائی سے محروم ہے۔''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی میں نرمی ہو تو اس کی زینت ہو جاتی ہے اور جب نرمی نکل جائے تو عیب ہو جاتا ہے۔'' (مسلم)

تکبر کرنے والے کے بارے میں

سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عزت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے اور برائی اس کی چادر ہے (یعنی یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں) پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جو کوئی یہ دونوں صفتیں اختیار کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کو دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔'' (مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے والے کے متعلق

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

''ایک شخص بولا کہ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔''

''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا، میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیے۔'' (مسلم شریف)

برے شخص کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کو اجازت دو یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے۔''

جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔'' (مسلم شریف)

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔''
(مسلم شریف)

غصہ کے وقت پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گالی گلوچ کی، ایک کی آنکھیں لال ہو گئیں اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ شخص اس کو کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے، وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔'' (مسلم شریف)

راستہ صاف کرنے کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ایک شخص نے راہ میں کانٹوں کی ڈالی دیکھی تو کہا کہ اللہ کی قسم میں اس کو مسلمانوں کے آنے جانے کی راہ سے ہٹا دوں گا تاکہ ان کو تکلیف نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کیا۔''

سیدنا ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ''یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔''
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے۔''

مومن کی مصیبت کا بیان

اسود کہتے ہیں کہ قریش کے چند جوان لوگ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور وہ منیٰ میں تھیں وہ لوگ ہنس رہے تھے۔
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔
''تم کیوں ہنستے ہو؟''
انہوں نے کہا کہ ''فلاں شخص خیمہ کی طناب پر گرا اور اس کی گردن یا آنکھ جاتے جاتے بچی۔''
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ''مت ہنسو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسلمان کو ایک کانٹا لگے یا اس سے زیادہ کوئی دکھ پہنچے تو اس کے لئے ایک درجہ بڑھے گا اور ایک گناہ اس کا مٹ جائے گا۔'' (مسلم شریف)

سلام میں پہل

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کسی مسلمان کو یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ تک (بولنا) چھوڑ دے، اس طرح کے وہ دونوں ملیں اور ایک اپنا منہ ادھر اور دوسرا اپنا منہ ادھر پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ گا جو سلام میں پہل کرے گا۔''



جنوری کی سرد راتیں

ابن انشاء

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل دیکھتا ہوں آ کے اکثر ہوش میں

جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل کوئی ظالم ہے میری آغوش میں

ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں

گاہے گاہے ہے کھینچتا ہوں سرد آہ پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں

کس طرح اب دل کی رہ پر لاؤں میں پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں

کس بہانے سے اسے بہلاؤں میں اس دفعہ پہچان لیتا ہوں تمہیں

سب کو محو خواب راحت چھوڑ کے بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم

نیند آتی ہے شبستاں میں مرے چھوڑ دیتے ہو رہین رنج و غم

مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی مجھ کو تم سے عشق تھا مدت ہوئی

میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی ان دنوں تم کو بھی الفت مجھ سے تھی

کم نگاہی اقتضائے سال و سن

دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو ذرا

کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن

جس میں اتر تھا ہمارا کارواں

بند اپنا آنا جانا ہو گیا

اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں

اور اس پہ ایک زمانہ ہو گیا

آج تک دیتے رہے دل کو فریب



تم غلط سمجھے، ہوا میں بدگماں

اب نہیں ممکن ذرا تاب شکیب

بات چھوٹی تھی مگر پہنچی کہاں

آؤ میرے دیدۂ تر میں رہو

جلد ہی میں تو پشیماں ہو گیا

آؤ اس اجڑے ہوئے گھر میں رہو

تم کو بھی احساس کچھ ایسا ہوا

حوصلے سے میں پہل کرتا تو ہوں

نشۂ پندار میں لیکن تھے مست

دل میں اتنا سوچ کر ڈرتا بھی ہوں

تھی گراں دونوں پہ تسلیم شکست

تم نہ ٹھکرا دو میری دعوت کہیں

ہجر کے صحرا کو طے کرنا پڑا

میں یہ سمجھوں گا اگر کہہ دو "نہیں"

مل گیا تھا رہنما امید سا

گردش ایام کو اونا

ہے میری جرأت کی اصل اب بھی یہی

میں نے جو کچھ کھو دیا تھا پا لیا

سال نو سروے

ادارہ

ہم طلوعِ آرزو کریں

فوزیہ شفیق

دن مہینوں میں، مہینے سال میں تبدیل ہوتے ہوئے اور روز و شب کے محور پر گھومتے وقت نے اور سال مکمل کرلیا۔

یہ آتے جاتے سال جہاں ہم سے بہت کچھ لیتے ہیں، وہیں ہمیں بہت کچھ دے کر بھی جاتے [illegible] دکھ، سکھ، خوشی، غم آتے جاتے موسم ہیں، زندگی کی تصویر ان سارے رنگوں سے مل کر مکمل ہوتی ہے۔

نئے سال کو خوش آمدید کہتے ہوئے ہم نے اپنی مصنفین اور قارئین سے، گزرنے سال کے بارے [illegible] یہ سوال کیے ہیں۔

سوالات یہ ہیں۔

- گیا سال کیا دے گیا؟ کوئی خوشی، کوئی خوبصورت احساس یا آگہی؟
- 2018ء میں آپ نے خود سے کئی عہد و پیماں کیے ہوں گے، ان میں سے کتنے پایہ تکمیل تک پہنچے کتنے ادھورے رہے؟
- مجموعی طور پہ یہ سال کیسا رہا؟ اس سال کی کوئی خوش کن یاد جو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ بھر دیتی [illegible]؟
- [illegible] نیوز چینل، سیاست، کھیل، شوبز اور تحریر و تخلیق کے میدان میں مختلف شخصیات نمایاں [illegible]
- [illegible] شخصیت نے متاثر کیا یا اچھی لگی اور کیوں؟
- اس سال آپ کے مشاغل اور مصروفیات کیا رہیں، کوئی نیا احساس، سوچ اور فکر ملی؟

آیئے دیکھتے ہیں کہ مصنفین نے ان سوالوں کے کیا دلچسپ جواب دیے ہیں۔

[illegible]تبسم سحری............ مغل پورہ لاہور

[illegible] سب سے پہلے تو سب ہی پڑھنے والوں کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو اور [illegible] کوئی غم یا اداسی کسی کے پاس آئے [illegible] یہ نیا سال سب کو راس آئے (آمین) گیا دے کر کچھ نہیں گیا البتہ بہت کچھ لے کر ضرور گیا ہو، کوئی خوشی یا [illegible] خوبصورت احساس دیا ہو یا نہ دیا پر آگہی کے کئی در وا ہوئے ظاہر بہت اپنے نظر آنے والے بہت ہی غیر خود غرض اور کسی حد تک مطلبی نکلے یہ آگہی ہوئی پتا چلا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا ساتھی نہیں ہے سب مطلب کے ساتھی ہیں، خیر وقت وقت کی بات ہے سب کا ایک وقت آتا ہے۔

۲۔ کبھی میں بھی لمبی لمبی پلاننگ کیا کرتی تھی پر اب نہ کوئی پلاننگ کرتی ہوں، نہ انہیں تکمیل تک پہنچانے کے لیے جان ہلکان کرتی ہوں سب

پچھ اللہ پر چھوڑ دیا ہے وہ سب بہتر کرتا ہے انشاء اللہ۔

۳۔ سال تھا، بس گزر گیا، کبھی خوشی آئی کبھی غم آیا اور یہی تو زندگی ہے دھوپ چھاؤں سی، جہاں تک مسکراہٹ کی بات ہے تو میں ہر دم مسکراتی ہوں حالات جیسے بھی ہوں میری مسکراہٹ میرے ساتھ ہوتی ہے۔

۴۔ شوبز وغیرہ سے تو مجھے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے اس لئے پتا نہیں کون نیا آیا کون پرانا ہے، جہاں تک تحریر کی بات ہے تو مجھے "مروش شیخ" کی تحریر حنا میں اچھی لگی نئے لکھنے والوں کو ضرور موقع ملنا چاہیے اور حنا نے تو نئے لکھنے والوں کو ہمیشہ موقع دیا ہے۔

۵۔ اس پورے سال میں میرا مشاغل و مصروفیات صرف ناولز پڑھنے تک رہی جہاں تک سوچ و فکر کی بات ہے تو روز نئی سوچ اور روز نئی فکر تو ملتی رہتی ہے ہر وقت فکر ہی رہتی ہے۔

ریحانہ آفتاب .... کراچی

زندگی کا فلسفہ ہے کہ یہ کبھی رکتی نہیں، ہر گزرتا دن لپک کر ہفتوں، مہینوں اور کب سالوں سے جا ملتا ہے خبر ہی نہیں ہوتی، گزشتہ سال بھی یوں ہی دبے پاؤں گزر گیا بے خبری سی طاری رہی، جب نگاہ منزل اور قدم سفر پر گامزن ہوں تو لمحوں مہینوں کا حساب کتاب یاد نہیں رہتا، بس سفر جاری رہتا ہے۔ حنا کی روح رواں منتظمین فوزیہ جی اور تمام قارئین کو نئے سال اور سالگرہ کی بہت سی مبارک باد بہت سی دعائیں۔

اب آتے ہیں ان سوالات کی طرف جو حنا کے منتظمین نے ہمارے لئے محبت سے ترتیب دیئے ہیں۔

۱۔ گیا سال مزید تجربہ دان کر گیا، کامیابی کا سال بھی ثابت ہوا، سال کے آغاز میں سلسلے وار ناولوں کی اشاعت کی خوشی ملی جب کہ اس سے پہلے بھی ایک سلسلے وار ناول دوسرے رسالے میں چل رہا تھا، ایک ساتھ دو سلسلے وار ناول لکھنا اور دیگر رسالوں میں بھی نظر آنا کافی مشکل تھا، لکھنا اب جنون بنتا جا رہا ہے، دو سلسلے وار ناولوں کے علاوہ سترہ اٹھارہ تحریریں متفرق ماہناموں کی زینت بنیں، بنیادی طور پر گزشتہ سال لکھنے کے حوالے سے بہت مصروف رہا، آگے بھی اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ لکھنے کی خواہش ہے۔

۲۔ محنت، محنت اور محنت، پچھلے سال بھی یہی عہد و پیمان تھے اور آنے والے سال میں بھی یہی عہد ہے۔

۳۔ یادیں تو ساری ہی خوشیاں کی رہیں کہ برے حوالے اور لوگوں کو اتنی اہمیت ہی نہیں دیتی کہ ان کی وجہ سے دو دن بھی رنجیدہ رہوں، عرشیان ولی کی سالگرہ کی تقریب بڑی اچھی رہی تھی جب تصاویر دیکھتی ہوں لبوں پہ مسکراہٹ بکھر جاتی ہے۔

۴۔ صرف اور صرف عمران خان، الیکشن کے حوالے سے یہ سال اور الیکشن سب سے یادگار رہے گا، خان کی پارٹی میں نہ ہونے کے باوجود فیس بک والوں نے یہ خوب مہم چلائی یہاں تک کہ مجھ پہ الزام لگتے کہ خان پیسے دیتا ہے مدح سرائی کے اور میں اس کے جلسوں میں جاتی ہوں، ساری باتوں سے قطع نظر حق سچ کو سراہنے کی قائل ہوں۔ چند باتوں سے

اسٹاف اپنی جگہ مگر بندے کی نیت صاف ہے اور مجھے پاکستان سے محبت ہے، جو ملک کے لئے اچھے اقدامات کریگا وہی پسندیدگی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا، چور ڈاکوؤں کی اندھی تقلید کی میں قائل نہیں، اس بار الیکشن کے لئے جتنی دیوانگی رہی نہ پوچھیں، بارہ بجے جب رزلٹ کافی حد تک واضح ہو گئے تو میں نے پیکنگ بھی کر لی تھی نئے پاکستان میں جانے کے لئے۔
بچوں کے لئے کچھ نئے پلان کیے ہیں، ان کے بہتر مستقبل کے لئے، جو انشاء اللہ بہتر ثابت ہوں گے مشاغل میں یہ سوچا ہے کہ اب سے تھوڑا وقت اپنے لئے نکالنا ہے، پچھ شارٹ کورسز پلان کیے اور ایڈمیشن بھی لیا ہے، دوڑتی بھاگتی زندگی میں آج گھر بچوں اور مستقبل کی تگ و دو میں خود کو فراموش کر چکے ہیں، اتنا کہ خود سے ملنے کی بھی فرصت نہیں، میرا سب کے لئے میسج ہے کہ تھوڑا وقت اپنے لئے بھی نکالیں کیونکہ گھر کی عورت قنوطیت کا شکار، بے زار رہنے لگے گی تو اس سے جڑا ہر فرد متاثر ہو کر نہ خوش رہے گا۔
وقت کبھی کسی کا نہیں ہوا ہم سب نے وقت مقررہ پر اس زندگی کو الوداع کہہ کر کوچ کر جانا ہے، کوشش کریں کہ دین و دنیا کو ساتھ لے کر اس خوش اسلوبی سے چلیں کہ پھر کوئی خلش باقی نہ رہے۔
آخر میں ان تمام قارئین کا شکریہ جو مجھے پڑھتے ہیں اور سراہتے ہیں، آپ سب کی محبت کے طفیل ہی ممکن ہے جو میں لکھ پائی ہوں، بہت سی محبت آپ سب کے نام دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

درثمن بلال..........................سرگودھا

ا۔ سب سے پہلے تو آپ سب قارئین اور حنا ڈائجسٹ کے تمام اسٹاف کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال اور حنا کی سالگرہ مبارک ہو، اللہ پاک سے دعا ہے کہ آنے والا سال ہم سب کے لئے اور ہمارے پیارے ملک پاکستان کے لئے خوشیوں راحتوں اور سکون کا باعث بنے اور ہمارے پیارے حنا ڈائجسٹ کو مزید کامیابیاں و کامرانیاں عطا کرے آمین۔

۲۔ الحمدللہ 2018ء میرے ادبی کیریئر کے حوالے سے بہت شاندار رہا، گزشتہ برس میری دو کتابیں مارکیٹ میں آئیں اور ان کا بہت اچھا رسپانس ملا، اس کے علاوہ میری کہانی ''تم پاس رہو میرے'' حنا کی محفل میں بھی یہ احساسات میرے لئے نہایت خوش کن تھے، میں اس خوشی کو لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، جس دن میری پیاری دوست بشریٰ سیال اور کنول ریاض کی بکس میرے ہاتھ میں آئیں اس خوش کن احساس کو بیان نہیں کر سکتی گزشتہ دو برس میں نے خود سے کیا عہد و پیماں کئے؟
فوزیہ ڈیئر ہم ہر روز نا جانے خود سے کتنے ہی عہد لیتے ہیں اور روز خود ہی انہیں کئی بار توڑ بھی دیتے ہیں، کبھی کسی مجبوری کے تحت اور کبھی کسی مصلحت کے تحت، گزشتہ برس اپنی ذہنی نفسیت میں عجیب سا ٹھہراؤ محسوس کیا، وہ کہتے ہیں نا، پھر ایک وقت آتا ہے کہ دل سے ہر خواہش آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ بس وہی ہو جو اللہ چاہتا ہے سو اللہ کی رضا نے بہت راضی کیا

مجھے، بیشک وہ ہمیں ہماری اوقات سے کہیں زیادہ نوازتا ہے ہم ہی ناشکرے ہیں، اس بابرکت ذات اور اس کی محبت نے مجھے وہ سکون عطا کیا جو مجھے دنیا کی کسی چیز کسی رشتے کسی محبت میں نہ ملا اور میرے لئے میرے اللہ کی یہ دولت دنیا کی ہر آسائش اور سکھ سے بڑی ہے الحمدللہ۔

۳۔ مجموعی طور پہ گزشتہ سال میرے لئے بہترین سال ثابت ہوا، جس دن میں نے اپنی کتابوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا وہ دن میرے لئے بہت یادگار تھا، خوشی کن یادیں تو بہت سی ہیں جن میں سرفہرست یہ ہے جب حنا میں قارئین بہنوں کے محبتوں سے لبریز خطوط، رائے اور قیمتی آراء پڑھتی ہوں تو یقین مانیں دل باغ باغ ہو جاتا ہے یہاں میں آپ قارئین کی بھی تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں آپ سب کی محبتیں مجھے مزید بہتر لکھنے پہ اکساتی ہیں اور دوسری خوشی یہ کہ لاہور میں ایکسپو کتاب میلے میں بہت بڑی رائٹرز کے ساتھ اپنی کتابوں کو دیکھنا تھا۔

۴۔ گزشتہ سال کیا مصروفیت رہی، تو ڈیئر فوزیہ وہی گھرداری، شوہر کا خیال رکھنا، دونوں بیٹیوں وانیہ اور ہانیہ کی ذمہ داریاں نبھاتے نبھاتے گزر گیا، کچھ نیا احساس نیا سبق کیا ملا؟ تو یار زندگی لوگ رشتے ہر روز ہی ہمیں کوئی نہ کوئی سبق ضرور دیتے ہیں جن سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور میں نے یہ سیکھا۔

دنیا کی خوبصورت حقیقتیں آنکھوں سے نہیں دل سے محسوس کی جاتی ہیں بس پھر جب میں نے دل سے خوبصورت حقیقت کو محسوس کرنا چاہا تو میں نے اپنے اللہ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہ پایا۔

۵۔ گزشتہ سال کس شخصیت نے متاثر کیا
فوزیہ تمہاری پرخلوص بااخلاق شخصیت نے ہمیشہ مجھے متاثر کیا، کنول ریاض تمہاری ظرفی اور بے ریا محبت کی میں ہمیشہ کے لئے مقروض ہو گئی، نادیہ جہانگیر تمہاری سادہ مخلص شخصیت نے مجھے بہت پہلے سے تمہارا گرویدہ بنا دیا تھا اور میری پیاری میری جان سے بڑھ کر سوئیٹ بشریٰ سیال تمہارا پیار جانے میری کس نیکی کا صلہ ہے؟ تمہاری محبت، خلوص اور دوستی نے مجھ ناچیز کو خود رشک کرنے پہ مجبور کر دیا، اللہ تم سب کو سلامت رکھے آمین۔

منڈی بہاؤالدین .... کنول ریاض

۱۔ گیا سال اس لئے باعث مسرت رہا کہ میری پہلی کتاب ''میرا عشق صوفیانہ'' اس سال شائع ہوئی۔

۲۔ ادبی نقطہ نگاہ سے ایک ہی عہد ہے، جو ہر سال کرتی ہوں اور وہ یہ کہ مجھے خوب لکھنا ہے لیکن افسوس کہ ہر بار کی تیرے اس عہد کی طرح...

تیرے وعدے پہ جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے گر اعتبار ہوتا
کی عملی مثال میں خود ہی ہوں

۳۔ اللہ پاک کا کرم ہے کہ مجموعی طور پر ایک بہترین سال تھا خاص طور پر میری کتاب کے حوالے سے دوستوں کے جذبات احساسات بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئے۔

۴۔ خاص طور پر اس سال کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جو ابھر کر سامنے آئی سب پرانے

چہرے ہیں جو برسوں سے ساتھ چل رہے ہے ہر شعبے میں جن کو میں پہلے سے جانتی ہوں۔

مشاغل ادبی حوالے سے یہی رہے کہ کچھ لکھ لوں (کہیں تم لکھ ہی نہ لو ڈیر کنول)

دو تین ناولز پہ کام کر رہی ہوں اب اللہ کرے جلد پایہ تکمیل کو پہنچیں اور جہاں تک بات ہے نئے احساس سوچ اور فکر تو وہ ہے کہ میں لکھنے کے معاملے میں انتہا کی سست واقع ہوئی ہوں کہ کوشش تو یہی ہے اس خامی پہ قابو پا لوں۔

[illegible]ین رائے .... خوبورہ

گیا سال مجھے بہت بڑی خوشی بہت خوب صورت احساس اور ایک انوکھی سرشار کر دینے والے آگہی دے گیا جس کا میں رب کائنات کے آگے جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے، گیا سال مجھے ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بننے کی خوشی، ممتا کا خوب صورت احساس اور ماں باپ کتنی بڑی نعمت ہے جیسی آگہی دے گیا۔

عہد و پیماں خود سے تو کوئی خاص نہیں کیے تھے اور بے حد مصروفیت کی وجہ سے نہ کر پائی ہاں البتہ فوزیہ جی سے ناول کا وعدہ کر رکھا ہوا ہے جو ابھی تک ادھورا ہی ہے اللہ کرے ... [illegible] کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔

[illegible] طور پر یہ سال میرے لیے کبھی خوشی کبھی غم جیسا رہا جہاں مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمت کے بعد نعمت عطا فرمائی یعنی پیاری بیٹی کے بعد بیٹا عطا کیا وہی 26 نومبر کو بہت خاص بہت پیارا رشتہ اپنے پاس بھی بلوا لیا میرے سسر اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اس دنیا سے رحلت فرما گئے ان کی کمی تا عمر محسوس ہو گی اور ان کے نہ ہونے کا غم ہمیشہ محسوس ہو گا بہت ہی بارعب لیکن خیال کرنے والی شخصیت تھے یہ بہت بھاری غم ہے جس میں سے ہم سب گزر رہے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ ٹھہراؤ اور صبر تو آ ہی جائے گا لیکن یہ ایک ایسا خلا ہے جو اب کبھی پر نہیں ہو سکتا۔

۴۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ مجموعی طور پر یہ سال بہت بڑی خوشی اور بہت بڑا غم لے کر آیا، میرے بیٹے مستجاب کا پہلے دن کا نرم لمس کی یاد میرے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہے اور ابو کا اتفاقاً بیمار ہو کر بے حد خاموشی سے چلے جانے کا احساس آنکھوں کو نم کر دیتا ہے۔

۵۔ ویسے تو ذاتی مصروفیت کی وجہ سے بہت کم میں نیوز وغیرہ دیکھ پائی، سیاست میں تو عمران خان ہی نمایاں نظر آئے ہاں البتہ سوشل میڈیا کے ساتھ میں کافی عرصے سے انیچ ہوں تو ان میں قاسم علی شاہ، بولتی کتابیں کے سکالر فیض سید جنہوں نے میرے لئے اسلام کو بے حد آسان کر دیا اور اپنے مذہب کو مزید اچھی سے سمجھنا اور فالو کرنا آسان کیا متاثر کیا ہاں کھیل کے میدان میں مجھے اس سال سے نہیں بلکہ پہلے سے اگر کسی شخصیت نے حیران اور متاثر کیا تو وہ پاکستانی باکسر [illegible]ین شاہ تھے اور اس کی وجہ ان کی حد سے زیادہ کی گئی محنت اور وہ خودی ہے کہ واقعی جس کے بعد خدا اپنے بندے سے خود پوچھتا ہے کہ تیری رضا کیا ہے۔

بقیہ صفحہ 238

دل گزیدہ

اُم مریم

نتالیسویں قسط کا خلاصہ

علی شیر کے لئے یہ اطلاع کہ قدر اپنی زندگی میں مگن ہے کسی بلاسٹ سے کم نہیں، وہ اس صورت یہ سکون درہم برہم کر دینا چاہتا ہے۔

حجاب کی زندگی میں آنے والا طوفان تباہی و بربادی چھوڑ گیا ہے، وہ کسی طور نہیں سنبھل پا رہی تھی۔

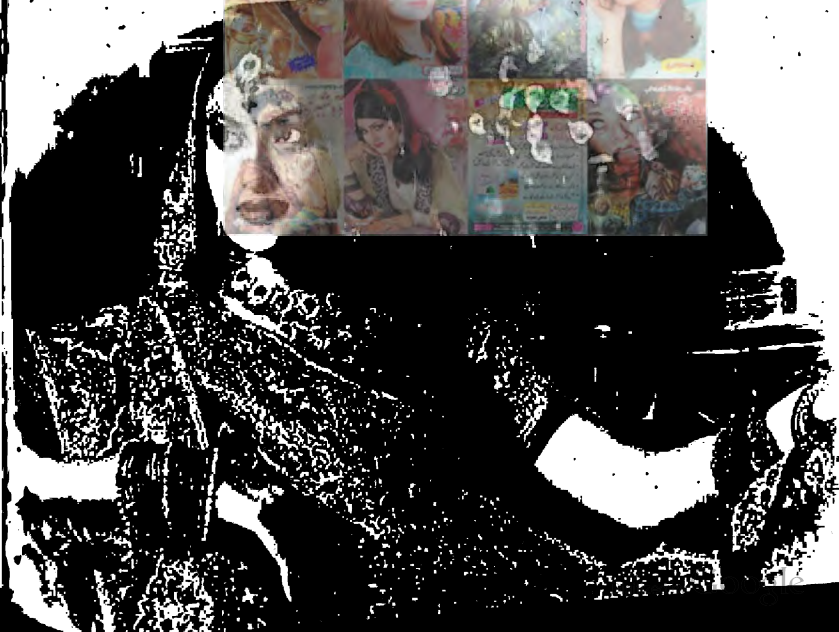
سلیمان منطقی فیصلے پہ پہنچتے ہیں اور روشنی کو طلاق دے دیتے ہیں، ان کے اس فیصلے سے آ مزید غمگین ہو چکی ہیں۔

حجاب کی زندگی میں آنے والا طوفان اپنا تلاطم ختم نہیں کر رہا، آثار باقی ہیں کہ ایک اور دھچکا لگتا ہے، اویس ولیمہ کی تقریب میں عمر کو کھلے عام فائرنگ کا نشانہ بناتا ہے۔

قدر کے اندر محبت کی تبدیلی اسے اضطراب بخش رہی ہے، حمدان کا مزاج دھوپ چھاؤں جیسا ہے وہ اسے سمجھ نہیں پا رہی، اس کے سامنے عیاں ہونے کے خیال سے ہی وہ حراساں ہے۔

بتالیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے




URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

''چلو اترو...... اور شوق پورا کرتی رہو باپ کے گھر رہنے کا۔'' گاڑی جھٹکے سے روک کر وہ نخوت زدہ انداز میں بولا تو قدر نے بے طرح چونک کر پہلے کھڑکی کے پار بابل کے دروازے کو دیکھا تھا پھر سہمی نظروں سے ناراض ساجن کو دیکھنے لگی۔

''اب کیا ہے، جا نہیں رہی؟'' حمدان کا ضبط جواب دینے لگا۔

''مجھے...... نہیں جانا۔'' وہ متامل تھی، منمنا کر بولی تو حمدان کا دماغ خراب ہونے لگا۔

''آر یو میڈ......؟'' وہ دھاڑا۔

''تم جانتی ہو میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں، اتر جاؤ۔'' وہ خود پہ بہت ضبط کر رہا تھا مگر غصہ پھر چھلکا جاتا تھا۔

''لینے کب آئیں گے؟'' قدر پھر منمنائی، حمدان نے گاڑی کا دروازہ آگے کی سمت جھکا کر کھولا اور اسے بے دریغ گھورا، قدر خائف سی اتر گئی تو وہ گاڑی لے اڑا تھا۔

بے حد اہم سوال کا بہت ضروری جواب گول ہو چکا تھا، قدر نم آنکھوں کے ساتھ وہیں کھڑی اڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆



درخت جاں پہ عذاب رت تھی
نہ برگ جاگے نہ پھل آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی
ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چھینی
اٹھا کے جھولی میں اپنے رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے
جواز آئے اصول آئے
وفا کی بستی لٹی تو اس کے
اثاثوں کا بھی حساب نکلا
کسی کے حصے میں زخم آئے
کسی کے حصے میں پھول آئے
اب ایسے قصے سے فائدہ کیا
کہ کون کتنا باوفا تھا
جب اس کی محفل سے اٹھ کے آئے
تو ساری باتیں ہی بھول آئے

انہوں نے اضمحلال بھرا گہرا سانس بھرا اور سگریٹ سلگا لی، دل پہ ایک بوجھ بھرا تھا مگر دماغ بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا جیسے، فیصلہ جتنا بھی مشکل تھا مگر وہ کر کے ریلیکس ضرور ہو گئے تھے، یوں گویا کسی ناگوار بوجھ سے نجات حاصل ہوئی ہو، سب سے پہلے اس فیصلے کی آگاہی آپا کو دی تھی۔

''میں اسے آزاد کر چکا ہوں آپا اور اس فیصلے سے ہرگز بھی ملول نہیں۔'' ان کا لہجہ متعدل تھا، آپا تو گنگ ہو گئیں۔

''کسے...... دوسری کو۔'' وہ بامشکل بول سکیں مگر آواز حلق میں پھنس رہی تھی جیسے۔

''آپ ٹھیک سمجھیں۔'' ان کا اطمینان قابل دید تھا۔

''مگر کیوں..... ایسا ہی کرنا تھا تو شادی کیوں کی؟'' وہ دکھی اور متاسف ہو گئیں، بھائی کی دوسری بار بربادی نے انہیں رنج سے شق کر ڈالا۔

''ہمارے مزاج نہیں ملتے تھے آپا، یہ ضروری تھا۔''

''تم نے خولہ کی بار بھی یہی کہا تھا۔'' وہ جیسے رو پڑیں، یہ نقصان تو بھولتا ہی نہ تھا۔

''نہیں تب میں نے کہا تھا وہ میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتی اور آپ جانتی ہیں زبردستی کا قائل نہیں رہا میں کبھی۔''

وہ بہت ذہین تھے من وعن برسوں پرانی بات دہرائی تھی آپا تب بھی داد دینے کی پوزیشن میں نہیں آئیں، الٹا آہیں بھرنے لگیں۔

''پاگل لڑکے تمہیں کیا پتہ وہ تو آج تک انجان میں سرزد ہو جانے والی اس غلطی پہ نادم ہے، دیوانی ہوئی پھرتی ہے۔'' ان کا انداز روہانسا تھا، سلیمان نے چپ سادھ لی، یہ معاملہ ایسا تھا کہ ان کا ایک یہی ردعمل دیکھنے میں آتا تھا، فون بند کرنے کے بعد انہوں نے طلاق نامے پہ بہت سکون کی کیفیت میں دستخط کیے تھے، روشنی انہیں بددعائیں دیتی روتی دھوتی وہاں سے نکلی، اس کے باوجود کہ اس نے ان کے گھر کی ہر قیمتی چیز سمیٹ لی تھی پھر بھی۔

''تمہاری بیٹی ایسے ہی برباد ہو سلیمان جیسے تم نے میرا گھر اجاڑ دیا، دل اجاڑ دیا۔'' وہ بے دریغ بددعائیں دے رہی تھیں، خود غلط ہوتے ہوئے بھی حالانکہ وہ بدکردار تھی، فحاشی کی عادی تھی، سلیمان کو کئی بار اس نے جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی، اس کی نظر ان کے منصب پہ تھی، وہ ان سے سب کچھ ہتھیا لینا چاہتی تھی، ان کا کام تک ان کی برسوں کی کمائی عزت تک، وہ اس کی نیچر جان گئے تھے، جان گئے تھے وہ اپنی فطرت کے مطابق جھوٹ اگلے گی اور ہر جگہ انہیں بدنام کرے گی، الزام تراشی کرے گی، مگر کیا ہو جائے گا، کہتے ہیں نا کہ کتے بھونکتے رہتے ہیں اور درویش خاموشی سے گزر جاتے ہیں، اس قصے کا انجام بھی ایسا ہی ہونے والا تھا، یہ دن کٹھن ضرور تھے مگر بالآخر گزر جانے تھے۔

''بہترین لوگ ہی بہترین فیصلے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس صالح فیصلے کے اثرات آپ کی زندگی پہ ہمیشہ اثر انداز ہوتے رہیں، گڈ لک۔''

وہ سوشل میڈیا پہ نہیں تھے، آن لائن نہ ہوتے تھے اس لئے ہر اہم موقع کی طرح یہاں بھی ان کے لئے خاص نمبر سے پیغام موجود تھا موبائل پہ، یعنی وہ اب بھی ان کے حالات سے باخبر تھی اور آگاہ تھی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور موبائل رکھ دیا، دل جانے کیوں اضمحلال سے بھرتا جا رہا تھا، یہ فیصلہ بھلے بہترین تھا مگر برسوں قبل عجلت و بدگمانی میں کیا گیا فیصلہ ناپائیدار تھا، غیر ضروری تھا، یہ بات اب وہ اچھی طرح سمجھ اور جان گئے تھے۔

☆☆☆

پکڑی جو نبض ہاتھ میں
اک لمحہ سوچ کر
کاغذ لیا اور عشق کا بیمار لکھ دیا
قربان کیوں نہ جاؤں میں ایسے طبیب کے
نسخے میں جس نے شربت دیدار لکھ دیا

محفل رنگ و بو اب اختتام کی جانب تھی جب وہ پہنچا، مہمان کھانے کی سمت متوجہ تھے، دلہا دلہن اسٹیج پہ موجود مگر غیر حاضر دماغ، وجہ وہ جانتا تھا، سب سے اچھی طرح وہ جانتا تھا، یہ آگ اسی کی تو لگائی ہوئی تھی، جس کی تپش میں دونوں جلتے تھے مگر بھسم نہ ہوتے تھے، سلگتے تھے اور تڑپتے تھے بس۔

یہی جانے نہ جھونکے کی رقابت ہم سے
ہوا سے کہو تیرے رخسار سے دور ہو کے گزرے

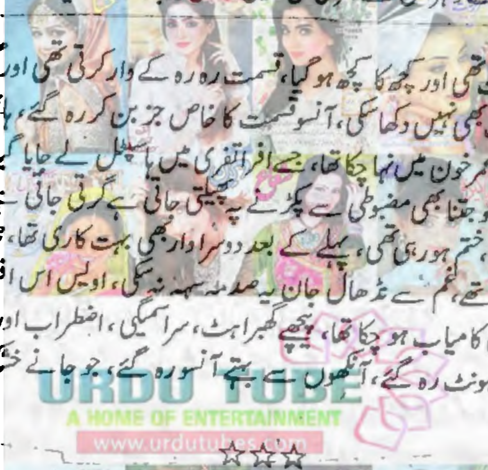
قدم بہ قدم اسٹیج کی طرف بڑھتا وہ حجاب کے چہرے پہ نگاہ جمائے مسکرایا تھا۔
(تم صرف میری ہو تو کسی اور کے پہلو میں کیونکر برداشت کرلوں؟) ان کی آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے، اس نے قیمتی سوٹ پہنا ہوا تھا، پیش قیمتی کلون میں مہکتا تھا، ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا، وہ ایک معزز مہمان کے روپ میں پھر لیٹرا بن کر آیا تھا، اب وہ بالکل اسٹیج کے سامنے آ گیا، یہاں رش اب نہ ہونے کے برابر تھا، زیادہ مہمان ڈائننگ ہال میں موجود تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔

"تم کچھ کھاؤ گی تو لا دوں یہیں؟"
عمر اس سے سوال کیا تھا، حجاب نے گردن نفی میں ہلا دی، یہ محفل رنگ و بو اس کے اعصاب کے لئے کڑی آزمائش تھی، وہ جلد یہاں سے نجات چاہتی تھی، عمر نے اسے اس تقریب کے لئے کتنی مشکل سے قائل کیا تھا یہ وہی جانتا تھا۔
"نہیں ...... یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی، اس سے پہلے کہ عمر جواب دیتا اس کی نگاہ اولیں پہ جا پڑی اب وہ اسٹیج کے پہلے زینے پہ کھڑا تھا، شیطان ایک بار پھر جیتنے کو آیا تھا اور خباثت سے مسکراتا تھا، حجاب کے رنگ میں ہلدی گھل گئی، آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں، یہ تو اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ دوبارہ بھی ایسا ہو سکتا ہے، وہ بھی یہاں، وہ اس کے دھڑلے پہ گنگ رہ گئی۔
"ہاں اب تو کچھ دیر ہے بس چلتے ہیں۔"
عمر اسے تسلی دیتا چونک گیا، حجاب کی کیفیت بے چین ضرور تھی مگر یہ پتھرایا ہوا انداز سے چونک گیا، اس نے الجھ کر اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن موڑی اور جیسے خود بھی سکتہ زدہ رہ گیا۔
"تم ......؟" معاً وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔
"محترم تم کیا سمجھے کہ میں دوبارہ نہیں آؤں گا، حالانکہ شراب کی جس بوتل کا ذائقہ ہم نے

چکھا وہ ایسا تو نہیں کہ دوبارہ طلب نہ ہو، آنا تھا یہیں، سر کے بل آنا تھا۔'' اس کی گھٹیا نظروں کا مرکز حجاب کا چہرا تھا، عمر طیش سے ابل پڑا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا ذلیل انسان۔'' وہ بپھر کر آگے بڑھا، مگر اگلا قدم نہیں اٹھا سکا، پھولوں کے گلدستے کے پیچھے چھپائے ریوالور نے یکے بعد دیگرے شعلے اگلے اور عمر خون میں نہاتا تیورا کر اسٹیج پہ آڑا ترچھا گرا تھا۔

''اب دیکھتے ہیں زندہ کون بچتا ہے اور اسے کون حاصل کرتا ہے۔'' وہ پتھرائی ہوئی حجاب پہ نگاہ ڈالتا پلٹ کر بھاگ گیا، حجاب کی چیخیں مہمانوں کے شور میں دب گئیں، خوشی کی دلفریب تقریب ایک دم افراتفری اور خوف و ہراس سے بھر گئی تھی، کوئی زندگی برباد کرنے آیا تھا اور کوئی زندگی ہارتا جا رہا تھا۔



ایک لمحے کی بات تھی اور کچھ کا کچھ ہو گیا، قسمت رہ رہ کے وار کرتی تھی اور گھاؤ لگاتی تھی، خوشی کی تو دوبارہ جھلک بھی نہیں دکھا سکی، آنسو قسمت کا خاص جز بن کر رہ گئے، ہاتھ پیر چھوڑے بے سدھ ہو جانے والا عمر خون میں نہا چکا تھا، جسے افراتفری میں ہاسپٹل لے جایا گیا، زندگی بند مٹھی میں دبی ریت بن گئی جو جتنا بھی مضبوطی سے پکڑنے پہ پھیلتی جاتی ہے گرتی جاتی ہے، زندگی بھی کھو رہی تھی، گھٹ رہی تھی، ختم ہو رہی تھی، پہلے کے بعد دوسرا وار بھی بہت کاری تھا، حجاب کے حواس سلامت نہیں رہ سکے تھے، غم سے نڈھال جان یہ صدمہ سہہ نہ سکی، اویس اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتا فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا، پیچھے گھبراہٹ، سراسیمگی، اضطراب اور وحشت رہ گئی، دعاؤں سے لرزتے ہونٹ رہ گئے، آنکھوں سے بہتے آنسو رہ گئے، جو جانے خشک ہونے تھے یا مزید بہنے تھے۔

☆☆☆

سنا ہے چاند نکلے گا۔
سنا ہے عید بھی ہوگی
ہمیں تو آسماں پہ دور تک
کچھ بھی نہیں دکھتا
کہاں وہ چاند نکلے گا
ہماری عید کب ہوگی

کمرے میں سکوت تھا اور ہلکا ہلکا اندھیرا بھی، ایسے کہ سامان آرائش کے خدوخال نمایاں تھے اور اس کی سانسوں کا ہلکا شور جس میں باہر برستی بارش کی آواز دب رہی تھی، پچھلے دنوں اس پہ استھمیا کا بہت شدید اٹیک ہوا تھا، اتنا کہ زندگی کی ڈوری ٹوٹتی ٹوٹتی پھر جڑ گئی اور وہ جو موت کی طلبگار تھی، موت کے لئے جتن کرتی تھی موت کے خوف سے پہلی بار سہم گئی، لرز گئی، حراساں ہوگئی۔

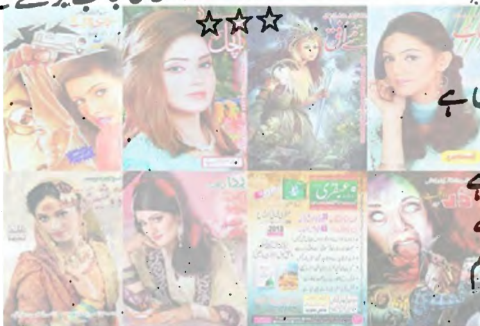
کیا وہ ایسے ہی مر جائے......؟
یار کی دید کے بغیر......
یار کی تصویر آنکھوں میں بسائے بغیر

اور پھر وہ نازک کلی، جسے اس نے چھوا تک نہ تھا، جس کے لمس کی چاہ اسے راتوں کو جگایا کرتی تھی، محبوب کے بعد اگر کسی کے وصال کی خواہش نے بے چین کیا تھا تو وہ قدر ہی تھی، محبوب کی محبت کی جیتی جاگتی نشانی اسے اپنی بیٹی سے ملے بغیر تو نہیں مرنا چاہیے تھا، بے قراری اتنی شدید تھی کہ اس نے محبوب سے رابطہ بحال کرلیا اور یہ خوش بختی کی انتہا تھی اس کے نزدیک، نیک شگون کہ پہلی کوشش ہی بار آور ثابت ہوئی، ورنہ وہاں اس کی دی ہر دستک کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا تو وجہ شاید اس کی مستقل مزاجی یا پھر اس کی بے بسی سے پہلو تہی تھی، دیکھا جاتا تو وہ لوگ اب اس کے لئے کسی تعاون کے قابل بھی نہ رہے تھے۔

"سلیمان! اگر یہ آپ ہیں تو خدارا فون بند نہ کریئے گا۔" وہ بے ساختہ سسکی، دوسری جانب خاموشی چھائی رہی، بس سانسوں کا ہلکا غبار تھا، جو کسی کی موجودگی کا ثبوت بن چکا تھا، اسے یک گو نہ سکون محسوس ہوا کہ بہرحال اسے سنا جا رہا ہے۔

"اگر آیا ماں آپ بھی ہیں تو فارگاڈ سیک صاحب تک پیغام پہنچا دیں، کہیں اب میں کچھ اور نہیں مانگتی، صاحب سے ان کی توجہ کی ذرا سی بھیک بھی نہیں، بس آخری خواہش سمجھ کر ایک التجاء پوری کر دیں، میری بیٹی سے ملا دیں مجھے، چاہے دور سے ایک جھلک سہی، انہیں کہنا اگنور نہ کریں، مر رہی ہوں اور پہلی بار ایسے مرنے سے ڈر لگ رہا ہے، آپ نے سنا میں نے کیا کہا......؟ ہیلو...... ہیلو" وہ بے تابی سے، بے صبری سے بولتی آخر میں وحشت بھرے انداز میں پکارتی چلی گئی، ادھر خاموشی تھی مزید خاموشی چھا گئی، سانسوں کا غبار تھم گیا، پھر رابطہ کٹنے کی ٹون سنائی دینے لگی، بے بسی اس کے اندر پنجے گاڑ گئی، وحشت اسے اپنے حصار میں جکڑنے لگی، سانس تیز ہوتی جاتی تھی، کھانسی کا حملہ پھر ہوا چاہتا تھا، وہ سینہ پکڑے، جھکی جا رہی تھی، ملگجا اندھیرا گہری تاریکی میں بدل رہا تھا، اس تاریکی میں موت کے سائے رقص کرتے تھے اور اس کی جانب بڑھتے تھے۔

☆☆☆



ابھی موسم نہیں بدلا
ابھی کلیوں میں سرخی ہے
ابھی تو آسمانوں پر
گھنے بادل کا پہرا ہے
ابھی ساون سنہرا ہے
گلابوں کا حسیں موسم
تمہارا نام لیتا ہے
ابھی سرسوں بھی پھولی ہے
ابھی مستی ہے لہروں میں
ابھی انجان رستوں میں
تمہارے نقش باقی ہیں
تمہارے عکس باقی ہیں

تمہارے رقص باقی ہیں
تو اس یوم محبت پر
خدارا لوٹ آ دَنا
ابھی موسم نہیں بدلا

وہ آ تو گئی تھی مگر دل یہاں بھی نہ لگتا تھا، جس سے لگا تھا وہ جانے کیوں ستمگر اور بے نیاز ہو چکا تھا، شاید ایسا ہی ہوتا ہے، محبت ہو اور پھر کٹھنائیاں نہ ہوں، ایسا کہاں ممکن ہے بھلا، علی شیر پھر اس سے رابطہ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی، وہ خائف ہوئی ڈر گئی اور اسی خوف کے باعث اپنا سیل فون آف کر ڈالا۔

جس وقت وہ یہاں آئی سب سے پہلا سامنا ہی آیا ماں سے ہوا تھا، اسے دیکھ کر پہلے تو انہیں اپنی بصارتوں پہ اعتبار نہ آیا، آنکھیں سکیڑ کر دیکھا، وہی تھی فریش تر و تازہ بنی سنوری، ایسے گویا ابھی دلہناپا ختم نہ ہوا ہو، وہ کیسے یقین کرتیں بھلا اس لڑکی نے تو ایسے ناکوں چنے چبوائے تھے کہ الاماں، شادی کے شروع دنوں میں سنگھار گوارا نہ کرتی تھی، کجا اب ایسا موہنا روپ، جبھی آنکھوں پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر اسے گھورنے لگیں تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے آیا ماں؟ یہ میری روح نہیں خود میں ہوں، آپ کا انداز تو مجھے بھی مشکوک کر رہا ہے خود اپنی طرف سے۔'' اس کے لہجے میں کھلکھلاہٹ تھی، تازگی تھی، آیا ماں مجال ہے ذرا سا بھی دبی ہوں بلکہ الٹا اسے مزید لتاڑنے لگیں۔

''اب مزاج ٹھکانے آ گئے تمہارے، لڑکی تمہاری کوئی کل سیدھی بھی ہے، اب آ گئی دانت نکالتی ہوئی، نہ مجھ بڈھی کھوسٹ کو منہ لگایا نہ ہاں اپنے سسرال میں نہ باپ کی ذرا لاج رکھی کہ وہ بھلا مانس تمہاری محبت میں خوار ہوتا تمہیں دیکھنے وہاں گیا ہے، ایسی آسمان پر چڑھی بیٹھی تھی کہ آنکھیں ماتھے پہ سجی تھیں اور آئی ہو منہ اٹھا کر تو اکیلی...... میاں کدھر ہے تیرا؟''

آیا ماں کی کلاس سخت تھی، الفاظ بھی کچھ کم نہ تھے، وہ اچھی خاصی ہرٹ ہو رہی تھی، جب اندرونی حصے سے نکل کر سلیمان اس سمت آتے دکھائی دیئے، قدر آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی، یہاں تک کہ انہوں نے خود بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ہماری شہزادی بیٹی کیسی ہے؟'' پیشانی چوم کر چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لیتے وہ مسکراتے ہوئے کتنا دلربا تاثر سمیٹ لائے تھے، کتنے روشن روشن لگتے تھے۔

''اور آیا ماں، بہت بری بات آپ نے آتے ہی قدر کو کیوں ڈانٹنا شروع کر دیا۔'' انہوں نے آیا ماں کو ٹوکا، اپنے کمرے کی کھڑکی سے وہ قدر کو آتے اور آیا ماں کی تلخ ترش سہتے دیکھ کر ہی عجلت میں یہاں آئے تھے، آیا ماں کا موڈ آج جلالی تھا، ان کی بات پہ بھی ذرا نہ پگھلا، یوں ہاتھ ہلایا گویا کہہ رہی ہوں تم سائیڈ نہ لو بیٹا صاحب۔

''آپ اتنے ویک کیوں ہو رہے ہیں پپا؟ طبیعت تو ٹھیک رہی اس دوران آپ کی؟'' ان کے بازو کے حلقے میں سمٹی وہ ان کے ہمراہ ان کے کمرے میں ہی آ گئی تھی، سلیمان نرمی سے رسان سے مسکرا دیئے۔

''بس اپنی بیٹی کی طرف سے فکر مند رہتا تھا، اب ریلیکس ہو جاؤں گا، بی کوز آپ مجھے تبدیل ہوئی نظر آرہی ہو، میرے فیصلے سے اختلاف یقیناً ختم ہوا ہے جو میری بیٹی باپ کو معاف کر کے ملنے چلی آئی۔'' ان کی مسکراہٹ بھلے گہری ہوئی تھی مگر قدر کی شرمندگی کا کوئی انت نہیں رہا۔

''رشتوں اور محبتوں کے معاملے میں میں بہت مفلس رہی ہوں پپا، جتنے تھے انہیں دل سے جان سے حفاظت کرتی رہی، آپ سے خفا ہو کر سکون تو مجھے بھی کبھی میسر نہ آسکا۔''

سلیمان نے کچھ کہے بغیر پھر اس کی پیشانی چومی، یہ بھی ڈھارس کا ایک انداز تھا، قدر کے اندر گویا جنموں کا سکون اتر گیا ہو۔

''وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، جسے ہم غلط سمجھ رہے ہوتے ہیں وقت اور حالات ثابت کر دیتے ہیں وہ غلط نہیں تھا، بہر حال اللہ سے ہمیشہ دعا کی ہے کہ تم خوش رہو۔'' انہوں نے اٹھ کر انٹر کام پہ ملازمہ سے پرتکلف ڈنر کے اہتمام کی تاکید کی تھی اور اس سے پوچھے بغیر چائے بھی بنوائی، جائے یہ بھی خصوصی اہتمام تھا یہاں بھی بیٹیوں کی آمد پہ میکے میں آؤ بھگت ہو خوشی کی لہر دوڑے تو باپ کا خون سیروں بڑھ جاتا ہے۔

''آپ کی دعا قبولیت کے راستے میں ہے پپا، میں خوش اور شاکر ہونے کی پوری کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز بھرا گئی، سلیمان نے محض اس کا سر تھپکا۔

''حمدان سے زیادہ اللہ کی ذات پہ بھروسہ کرتے میں نے یہ فیصلہ کیا تھا، غلط ثابت ہو ہی نہیں سکتا تھا۔'' وہ مسکرا کر جس یقین سے بولے قدر مسکرانے لگی تھی۔

''باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن وہ مجھ پہ رعب بہت جماتے ہیں پپا۔'' انہوں نے اسے اسنیکس کی پلیٹ تھمائی تو وہ بسور کر بولی تھی۔

''مینشن ناٹ، یہ تو سراسر محبت کی علامت ہے۔'' ان کا لہجہ و انداز خفیف سی شرارت سمیٹ لایا تو قدر جھینپ گئی تھی، چہرہ لو دینے لگا۔

''میری کوئی بات بھی نہیں مانتے، ہمیشہ اپنی منواتے ہیں۔'' ایک کے بعد دوسری شکایت اور گلہ، سلیمان سنتے رہے مسکراتے ہوئے تسلیوں سے نوازتے رہے۔

''آپ کو یقین نہیں آسکے گا، لیکن وہ مجھے ڈانٹتا بھی ہے۔'' اب کے قدر کا انداز مائنڈ کرنے والا تھا۔

''ہوں...... ہوں۔'' سلیمان خان نے آنکھیں پھیلا کر غیر یقینی و تحیر کا تاثر دیا۔

''یہ تو خیر بہت غلط حرکت ہے، آج آئے گا حمدان تو میں اسے سمجھاؤں گا ٹھیک؟'' انہوں نے اسے مطمئن کرنا چاہا جو کہ وہ نہیں ہوسکی۔

''مشکل لگتا ہے آج وہ آئیں، ویسے پپا اگر آپ نے کچھ کہا تو انہیں صاف سمجھ آئے گی میں نے آپ سے شکایت کی ہے۔''

وہ انہیں فکر مند لگی تو بڑی معصوم لگی، بامشکل مسکراہٹ کنٹرول کی جو مچل رہی تھی، اس کے آنے سے قبل تک وہ کتنے مضمحل تھے اب ایک دم طبیعت ہلکی پھلکی محسوس کرنے لگے تھے، اولاد بھی کیا عظیم نعمت ہے خدا کی دنیا کا ہر دکھ یہ سامنے ہو تو بھولتا محسوس ہونے لگتا ہے۔

''وہ تو لگائی ہیں کیا شک۔'' وہ شریر ہوئے تو قدر انہیں گھورنے لگی۔
''آپ اس کے پپا ہیں یا میرے؟'' اس نے صاف برا منایا۔
''آپ کے۔'' سلیمان خان نے بلا تامل جواب دیا۔
''تو پھر طرفداری اس کی کیوں کر رہے ہیں۔'' انہیں چتون تیکھے کیے۔
''نہیں بیٹے، میں نے تو سچ بولا۔'' وہ اب سنجیدہ ہو گئے تھے، پھر اسی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔
''کیا آپ حمدان سے ڈرتی ہو؟''
''نہیں۔'' اس نے فی الفور گردن ہلائی، پھر جیسے قدرے ملول ہو کر بولی تھی۔
''پہلے وہ مجھ سے ڈرتا تھا، میری کسی بھی بات کے مائنڈ کر جانے سے خائف، مگر اب حساب الٹا ہو گیا، وہ مجھے ڈرانے لگے ہیں۔'' وہ بسور کر کہہ رہی تھی، سلیمان اب کے خاموش رہے یہاں تک کہ قدر نے یہ خاموشی محسوس کر لی تھی۔
''پپا...... واٹ ہیپنڈ؟'' وہ فکر مند ہوئی۔
''قدر بیٹے اک بات بتاؤں، مرد بیوی سے جتنی مرضی محبت کیوں نہ کرتا ہو، اپنی اولاد کے معاملے میں وہ اتنا پوزسیو ہوتا ہے کہ اس عورت سے بھی جان چھڑانے کے درپے ہو جاتا ہے جس سے عشق کا دعویدار ہو اور جتنوں سے جسے حاصل کیا ہو اگر وہ اس کی اولاد کی قاتل ٹھہرے گی۔''
انہوں نے ذرا سا توقف کیا، قدر کا رنگ اس موضوع کے ساتھ ہی پھیکا پڑ گیا تھا، کیا شک تھی کہ حمدان کا رویہ اسی ایک سانحے کے بعد تبدیل ہوا تھا، بدلا تھا۔
''آپا ماں کہتی ہیں تم بے بی نہیں، چاہتی تھیں، اس مس کیرج میں بھی سراسر تمہاری کوتاہی شامل تھی، مگر میرا دل نہیں مانتا، میری بیٹی ایسی نہیں ہو سکتی، یعنی قاتل، وہ بھی اپنی اولاد اپنے خون اور اپنی نسل کی، وہ ضدی ضرور ہے تھوڑی سی مگر نہ تو سفاک ہے اور نہ ہی بے حس۔''
قدر کو لگا تھا اس کے اندر سے آنسوؤں کا سمندر پھوٹا ہے اور اس کی ذات کو بہا لے جانے پہ آمادہ ہے، یہ کیسا مان، سونپا تھا اسے اس کے باپ نے جو کوئی اور اسے نہیں دے سکا، سمجھنے کے دعویدار تو بہت تھے مگر یہ یقین تو کہیں سے بھی حصے میں نہیں آ سکا، وہ باپ تھا اسے اتنا جانتا تھا، پتا نہیں اسے خوشی زیادہ ہوئی یا اپنی ان سے برتی جانے والی لاتعلقی و بے حسی پہ ندامت، وہ ایکدم بے ساختہ و بے اختیار ہو کر رو پڑی تھی۔
''میں حمدان کو ایکسپٹ نہ کر سکی تھی پپا، اس کی اولاد کو کیسے کرتی، کیا شک کہ آغاز میں میں واقعی اس بچے سے خلاصی چاہتی تھی مگر جب میں نے یہ قدم اٹھانا چاہا مجھ پہ منکشف ہوا میں ایسا نہیں کر سکتی، مجھے اس بچہ سے لگاؤ اگر نہ بھی تھا تو میں اسے ختم کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکی۔''
''پھر یہ سب......؟'' سلیمان اس کے آنسو اپنی پوروں پہ چن رہے تھے، نرمی سے بات آگے بڑھائی۔
''آپ کو حمدان کی کزن یاد ہو گی، شانزے، وہ ہمیشہ طنزیہ انداز رکھتی تھی اور چبھتی باتیں کیا کرتی۔'' سلیمان نے جیسے ذہن پہ زور ڈالا پھر یونہی سر ہلایا تھا۔

"وہ حمدان کی خواہش مند تھی، بلکہ ان کی شادی طے ہو چکی تھی، کہ آپ نے حمدان سے یہ تقاضا کر ڈالا، یوں شادی شانزے کے بجائے مجھ سے ہو گئی، شانزے کی مجھ سے بہت زیادہ خار بنتی تھی، اس رات مجھے سیڑھیوں سے دھکا اسی نے دیا تھا۔"

انکشاف ایسا تھا کہ سلیمان خان تو سکتے میں آئے ہی اسے لینے کی خاطر آیا ہوا حمدان بھی اس کی زد میں آئے بغیر نہ رہ سکا، سلیمان خان کا چہرا متغیر ہوا اٹھا تھا، انہیں سب سے پہلے کسی کی حق تلفی کا احساس ہوا، دوسرے نمبر پہ انہیں بیٹی کے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی تھی۔

"اگر ایسی بات تھی تو حمدان کو مجھے بتانا چاہیے تھا، یہ بہرحال زبردستی کا سودا نہیں تھا۔" انہیں ناگواری بھی محسوس ہوئی، قدر کیا جواب دیتی خاموش رہی، حمدان ویسے ہی پلٹ گیا، اسے لگا تھا یہ موقع نہیں تھا کہ وہ اس وقت مداخلت کرتا، ویسے بھی شانزے کے حوالے سے ہونے والے انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"اتنی بڑی بات ہو گئی اور آپ نے کسی کو خبر تک نہیں ہونے دی، اگر وہ دوبارہ ایسی کوئی قبیح حرکت کرتی اور آپ کو مزید نقصان پہنچ جاتا تو۔"

[illegible] میں اس لیے بہت زیادہ ڈر گئی تھی پاپا، اسی خوف نے مجھے خاموش رہنے پہ اکسایا تھا۔" ان کے انداز میں واضح افسردگی اتر آئی، بچہ کھو دیا، ایک قیمتی خزانہ جو ہاتھ آنے سے قبل ہی چھن گیا، وہ [illegible] کتنا ملال تھا، حمدان نے تو کھل کر غم منا لیا تھا، وہ تو غم بھی نہ منا سکی تھی، رہ نہیں سکی تھی، [illegible] سفاک اور بے حس سمجھا جانے لگا، وہ ایسی کہاں تھی، مگر یہ بات [illegible] نے کتنی سیلن پیدا کی اسے [illegible] باپ کے علاوہ کوئی اور سمجھ [illegible]

[illegible] اب حمدان کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" [illegible] سوال میں تشویش بھی تھی اور تفکر بھی اور اضطراب بھی۔ [illegible]

[illegible] ٹھیک نہیں تو وہ پاپا [illegible] بھی نہیں کر سکتے کہ میں ان کی اتنا قدر قیمتی امانت کی حفاظت [illegible] سلیمان خان نے گہرا سانس بھرا، انہیں قدر [illegible] بہت بدلی ہوئی لگی [illegible] وہ نہیں چاہتے تھے قدر اپنی [illegible] شدہ زندگی میں [illegible] آئے مگر حمدان نے از خود کسی قسم کا کوئی رابطہ بحال نہیں کیا۔ [illegible] دو دن گزر گئے قدر [illegible]

☆☆☆

[illegible]

آج کیا بات ہے جو شام میں رونا آیا

منزل عشق [illegible]

[illegible]

جب ہوا ذکر دنیا میں محبت کا آکاش
مجھ کو اپنے دل ناکام پہ رونا آیا

اک خوف کا عالم تھا اک سراسیمگی، ریڑھ کی ہڈی سے سرد لہر اٹھتی اور پورے وجود کو خوف کی لپیٹ میں لے لیتی، ہوا تھم تھم کر چلتی تھی اور اسے کسی بری خبر کے آنے سے خائف کیے جاتی۔

عمر...... وہ شخص جس کو دیکھ کر اس کے دل نے دھڑکنا سیکھا، جس کی چاہ دل میں پھوٹی تو دعا کو پھیلے ہاتھوں میں آنسوؤں کے خزانے بھرنے لگتے، جس کی بے اعتنائی وبال جان تھی تو مسکراہٹ زندگی کی نوید کا جھونکا، جو امید بھی ناامیدی بھی، جس نے محبت کا دعویٰ نہ کر کے بھی محبت نبھا کر دکھا دی۔

جو ہر آزمائش سے گزر گیا مگر زبان سے حرف شکایت نہ نکالی، اس سارے قصے میں وہ بھی اسی کی طرح معصوم اور لاعلم تھا مگر حجاب ضرور اس سے مجرموں والا سلوک کرتی رہی۔

جبکہ کتنا ضبط اور تحمل تھا اس میں، سچ پوچھا جاتا تو وہ اسے سمجھ ہی اب سکی تھی، ہر دم شاکی رہنے والا عمر اندر سے کتنا سوفٹ اور پیارا دل رکھتا ہے، کیسا دردمند ہے، ورنہ ایسی عورت کے بچے کو کیونکر اپنے پاس رکھتا، جو ہر لحاظ سے کرپٹ ثابت ہوئی تھی۔

ایسی لڑکی کو کیونکر تسلی و دلاسے سے نوازتا دل جوئی کرتا جو اس کی بیوی تھی مگر جس کی عزت کو نیلام ہوتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ اعلیٰ ظرف بھی تھا اور ذمہ دار بھی، اپنی ذمہ داریوں سے نگاہ چرانے والے مرد بزدل ہوتے ہیں، وہ بزدل نہیں تھا، وہ اب ہی تو اس کی خوبیوں سے آگاہ ہو پائی تھی جب وہ اس سے ہاتھ چھڑانے کے درپے لگتا تھا، حجاب کا دل دھڑکنیں گم کرتا جاتا تھا، وہ اب دعا گو تھی کہ اسے اس دکھ سے بچا لے۔



آہیں
سسکیاں
گڑگڑاہٹ
مناجات
آنسو
اور اضطراب
توجہ کا ارتکاز

رب آزمائشیں کیوں بھیجتا ہے اپنے بندوں پر کہ وہ اس کی جانب متوجہ ہوں، اس کے سامنے پیش ہوں اس سے مانگیں اسے منائیں، ٹھوکر اس وقت ہی لگائی جاتی ہے جب غفلت بڑھ جاتی ہے، اسے بھی لگائی گئی یقیناً غفلت گہری ہو چکی تھی، سمجھنے والے درست رخ کا تعین کرنے اور حاضری میں دیر نہیں لگاتے، وہ ڈرتے ہیں اور روتے ہوئے سجدوں میں گر جاتے ہیں، وہ بھی گر گئی، پھر قبولیت کا درجہ کیسے عطا نہ ہوتا، رب تو اپنے وعدوں میں ہمیشہ کا سچا ہے، فرماتا ہے، مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا، مانگنے والا آئے تو سہی خالی نہیں لوٹایا جاتا، وہ بھی نوازی گئی، عمر کی زندگی کی نوید ملی تو اسے لگا کوئی بھی آزمائش سب سے بڑی نہیں کہی جا سکتی۔

"خدا کا شکر ہے آپ سلامت ہیں۔" نم آنکھیں متورم چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے تھی، عمر مسکرا تک نہ سکا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"کچھ بہتر۔" جواب کتنا مختصر تھا مگر غنیمت تھا۔

"کچھ کھائیں گے؟" سب موجود تھے مگر اس کی خدمت میں پیش پیش حجاب ہی تھی۔

"نہیں، ابھی بالکل نہیں پلیز۔" عمر نے نرمی سے انکار کیا تھا۔

"میں نے پولیس میں رپورٹ درج کروا دی ہے، فکر کی کوئی بات نہیں، بچ نہیں سکے گا، پھر حمدان ہے نا، وہ اس معاملے کو خود ہینڈل کر رہا ہے۔" اس شخص نے پاس آ کر اپنائیت آمیز انداز میں کہا تو عمر صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"ہمیں کیا اندازہ تھا وہ اس حد تک آگے بڑھ جائے گا دشمنی میں۔" غانیہ ہاتھ ملتی تھیں، بہت سہم گئی تھیں۔

"مما بھائی بھابھی کو نہیں لے کر آئے، یہاں سب ان کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ ان سے کہیں وہ لے کر آئیں۔" حرم غانیہ سے مخاطب تھی، اس کے سسرالی پتا نہیں اس سے یہ سوال کتنی بار کر چکے تھے۔

"میں نے کہا تھا بیٹے، بچی کی طبیعت بہتر نہیں، میں لوگوں کو مطمئن کر رہی ہوں تم فکر نہ کرو، قدر کا نمبر بند ہے، گھر کے نمبر کا مجھے پتا نہیں، ورنہ خود بات کرتی۔" انہوں نے بیٹی کو تسلی دی، جو پتا نہیں کس قدر ہو سکی، البتہ خاموش ضرور ہو گئی، حرم کے پاس اتفاق سے سلیمان کے گھر کا لینڈ لائن نمبر موجود تھا، اس نے خود فیصلہ کیا تھا قدر سے بات کرنے کا۔

☆☆☆

ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک
وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا رہا مات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
وہ مجھ میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تجھ کو خبر ہونے تک

ابھی حرم کا فون بند ہوا تھا، جو کچھ اس نے بتایا وہ پریشان کن تو تھا ہی اسے شکوے اور رنج میں بھی ڈبو گیا، دکھ اس بات کا تھا کہ حمدان نے اسے بتانا تک گوارا نہ کیا، وہ اس قدر خفا تھا، ایسا لاتعلق ہو گیا کہ اتنا کہ اتنی بڑی بات ہو گئی، خاندان کا خاندان ہل کر رہ گیا، کیسی قیامت خیز گھڑی تھی اور وہ اسی خاندان کا اہم حصہ ہوتے ہوئے بے خبر رہی اور بے نیاز بھی، غانیہ نے اور دیگر لوگوں نے

اس کے متعلق کیا سوچا ہوگا، اس کا تاثر اس کا امیج کتنا خراب ہوا حمدان کو نہ پرواہ تھی شاید نہ اندازہ، اس غصے میں اس نے حمدان کا نمبر ملا لیا تھا، وہ رابطہ جو وہ انا کی قید میں بحال نہ کرسکی غصے کی حالت میں کرگئی۔

''ہیلو......کون؟''

رابطہ بحال ہوا تو اس کی بھاری مگر بہت مصروف آواز سننے کو ملی، قدر کو ایک اور دھچکا لگا، یعنی وہ اس کا نمبر بھی اپنے فون میں سیوڈ نہیں رکھتا تھا۔

''اگر رابطے اور تعلق سرد مہری کی نظر ہو جائیں تو پھر رشتے جتنے مرضی مضبوط ہوں، ازسرِ نو انہیں پہچان کے مرحلے سے گزارنے اور تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آیا ہی کرتی ہے۔'' اس کے انداز میں رنج و غم تھا، حمدان دوسری جانب چونک گیا، ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی۔

''معذرت، میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔'' وہ جان چھڑانا چاہتا تھا، یہ ایک اور انداز تھا توہین کا، قدر تو بپھر اٹھی۔

''مسٹر منصف حمدان، آپ میری کال ڈسکنکٹ نہیں کرسکتے۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی، حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

''فرمایئے۔'' اس کا انداز رکھائی سمیٹ لایا۔

''میرا خیال ہے حجاب سے میرا ابھی کوئی تعلق جڑا ہوا ہے، اگر اس پہ کوئی کٹھن وقت آتا ہے تو اخلاقیات کا تقاضا تھا کہ میں اس کے پاس موجود ہوتی۔'' اس کا لہجہ گہری کاٹ لئے تھا، حمدان نے ہنکارا بھرا۔

''کیا آپ کی ذمہ داری نہیں تھی کہ آپ مجھے آگاہ کرتے؟'' وہ کڑے پن سے سوال کررہی تھی۔

''نہیں، بی کوز اس حجاب سے اس وقت بھی آپ کا تعلق موجود تھا جب آپ اس کی اہم تقریب ادھوری چھوڑ کر چلی گئی تھیں، پھر یہ شکوہ تو بے جا ہے، اگر آپ مجھے بڑی بڑی باتوں سے لاعلم رکھ سکتی ہیں تو میں کیوں نہیں، وہ بھی اس صورت جبکہ آپ کو مجھ میں میرے رشتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وہ تو جیسے پھٹ پڑا تھا، کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا گویا قدر کو شدید اختلاف نے آن گھیرا۔

''آپ مجھ پہ الزام عائد نہیں کرسکتے حمدان، میں نے کسی بات کو آپ سے نہیں چھپایا۔'' وہ روانسی ہی تو ہوگئی تھی، یہ کیسا وقت آپڑا تھا کہ وہ اسی رشتے کو بچانے کی تگ و دو میں تھی اور دوسرا فریق ہر کوشش ناکام بناتا جارہا تھا۔

''ایک یکسر تھرڈ پرسن میرے گھر میرے بچے کو ختم کرڈالے، وہ مجرم ہو اور آپ اس کا دفاع کرتے اس بات کو مجھ سے چھپا جائیں، قدر اگر یہ الزام نہیں شانزے پر تو پھر آپ میری مجرم ضرور ٹھہرتی ہیں، میری لاعلمی کا باعث آپ تھیں۔''

یہ وہ کیا کہہ رہا تھا، قدر کو یکدم چپ لگی۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' وہ ہکلائی، حمدان زہر خند سے ہنسا۔

''اس بات کو چھوڑ دو قدر بیگم، یہ بتاؤ مجھے بے خبر کیوں رکھا۔'' اس کے لہجے میں سرد غراہٹ در آئی۔

''نقصان تو ہو چکا تھا، ان باتوں کا فائدہ؟''

''تمہارے نزدیک یہ بات اتنی ہی معمولی ہو سکتی ہے، مگر میری ذات کا یہ عظیم سانحہ قرار پایا ہے۔'' حمدان جل کر جواب دے رہا تھا، قدر کی آنکھیں جل اٹھیں، حلق میں آنسوؤں نے پھندا سا ڈال دیا، یہ الزام اس کے سر سے اترنے والا نہیں تھا وہ اس بچے کی خواہش مند نہیں تھی، وہ کبھی کسی کو اپنی بدلی کیفیات کا یقین نہیں سونپ سکتی تھی اب۔

''آپ مجھے لینے آجائیں، میرا حجاب کے پاس جانا بہت ضروری ہے۔'' اس نے تھک کر بات بدل دی۔

''یہ تو فارمیلٹیز ہیں، جن کو نبھائے بغیر بھی آپ گزارہ کر سکتی ہیں۔'' وہ ہنوز تلخی سے بات کرتا تھا، قدر اذیت میں مبتلا ہوئی۔

''حمدان پلیز، بس کر دیں اب۔'' وہ بالآخر روہانسی ہو گئی تھی، اب کی حمدان خاموش رہا۔

''شام میں آجائیں گے لینے؟'' وہ گویا اس سے سوال کر رہی تھی۔

''آجاؤں گا۔'' اس نے پھر پھاڑ انداز میں جواب دے کر سلسلہ کاٹ دیا، قدر بہت ملول ہو گئی تھی جیسے، فون بند کر کے باہر آئی تو آپا ماں کو عینک لگائے پالک کی سبزی بناتے دیکھ کر وہیں آ گئی۔

''میں آج شام کو حمدان کے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔'' اس نے اطلاع بہم پہنچائی، آپا ماں کے چہرے پہ اطمینان پھیل گیا، سلیمان خان کے ساتھ وہ بھی اس فکر میں مبتلا تھیں، داماد نے پلٹ کر ان کی بیٹی کی خبر کیوں نہ لی۔

''اچھا کیا پہلے بتا دیا، میں کھانے پہ اہتمام کر لیتی ہوں۔''

''مشکل ہے وہ کھانے پہ رکیں۔'' وہ انہیں مختصراً عمر کے ہاسپٹلائزڈ ہونے کا بتانے لگی، آپا ماں کی پریشانی دیدنی تھی، کچھ دیر وہ اسی موضوع پر اس سے بات کرتی رہیں۔

''پپا کی مسز نظر نہیں آرہیں، کہیں وجہ میری موجودگی تو نہیں؟'' اسے اچانک خیال آیا تو استفسار کر لیا، جواب میں آپا ماں نے یوں ہاتھ جھاڑے اور ہلائے، گویا کہہ رہی ہوں خس کم جہاں پاک۔

''وہ اب یہاں نظر کیوں آئے گی بھلا؟ شکر ہے بلا ٹلی خدا خدا کر کے۔'' ان کا انداز ایسا تھا کہ قدر بے ساختہ چونک گئی۔

''میں بھی تو نہیں۔'' وہ ابھی تو آپا ماں نے جواب میں ساری تفصیل پیش کر دی، قدر گنگ بیٹھی تھی۔

☆☆☆

سفر میں شام اترنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ
نیا منظر ابھرنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ
نیا منظر ابھرنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ

لہو روتی ہیں آنکھیں تیرے قدموں سے لپٹتی ہیں
میرے آنسو ٹھہرنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ
تمہیں معلوم ہے مجھ کو خزاں سے خوف آتا ہے
سو یہ موسم گزرنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ
پھر اس کے بعد جب چاہو جہاں چاہو چلے جانا
میرے سانسیں بکھرنے تک تو میرے ساتھ رہ جاؤ

ایک بار پھر وہ اس سے لاتعلق ہو گیا تھا، اسے اس کی خواہش کے مطابق گاؤں چھوڑا جہاں وہ غانیہ کے ساتھ ہی عمر کی عیادت اور خبر گیری کو گئی تھی، حمدان تب کا گیا واپس نہیں آیا، اللہ جانے مصروف زیادہ ہو گا تھا یا اسے کوئی سزا دے رہا تھا، قدر نے ایک دو بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود وہ آگے سے کوئی رسپانس ہی نہ دیتا تھا، ہر گزرتا دن اس کو مرجھا کے رکھ جاتا، وہ اضطراب میں مبتلا تھی اور فکر مند رہتی تھی، ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ حمدان بھی بدل سکتا ہے، بدل جائیگا، غانیہ سب دیکھتی اور محسوس کرتی تھیں، انہوں نے ہی بالآخر ڈانٹ ڈپٹ کر جانے کون کون سی دھمکیاں دے کر اسے بلایا تھا، قدر کو وہ خود بھی پہلے سے کمزور اور بجھا ہوا محسوس ہوا۔

"تم دونوں کے بیچ کوئی ناراضگی ہے؟ مجھے سچ بتاؤ۔" غانیہ ہر صورت اس معاملے کو درست کرنا چاہتی تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ صاف منکر ہو گیا۔

"آپ بتاؤ قدر بیٹے، آپ کو کیا شکایت ہے یار من سے۔"

جس وقت وہ قدر سے سوال کر رہی تھیں حمدان نے اسے بغور دیکھا تھا، علی شیر کا دعویٰ تھا وہ اس سے رابطہ میں ہے اور عنقریب وہ اس سے ہمیشہ کو جان چھڑا کر اس کے ہمراہ چلی جائے گی، گو کہ حمدان نے ہر بار جواب میں اس کا منہ توڑا تھا مگر تھا تو مرد ہی اس لگائی بجھائی کے اثرات تو بہرحال دل پہ اترنے تھے اور جم جاتے تھے۔

دوسری طرف روشنی تھی، جس نے اس سے رابطہ بحال کیا تھا اور ایک اہم انکشاف کا وعدہ کرتی اسے ملنے پہ اصرار کرتی تھی، حمدان بہت ڈسٹرب تھا، اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار، ایسے کہ کوئی فیصلہ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہو جیسے۔

"مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔" قدر کا انداز بے حد قابل غور تھا، غانیہ نے فخریہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا گویا جتا رہی ہوں دیکھا میری بہو کو سمجھداری اور صبر، وہ زہر خند سے مسکرا دیا۔

موسم قرب انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصال یار بھی جھوٹ
اے موت تیری طلب بھی لغزش لب
اے زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ

اسے جانے کب کے پڑھے اشعار یاد آئے، غانیہ اس کی کیفیات سے بے خبر قدر سے اگلا سوال کر رہی تھیں۔

”تم حمدان کے ساتھ اپنے گھر جانا چاہتی ہو؟“

”جی!“ قدر کی پلکیں جھک گئیں، حمدان کے اندر جانے کیوں شرارے پھوٹنے لگے، اسے لگا وہ اسے دھوکہ دے رہی ہے، بہت بڑا دھوکہ اس کے ساتھ اس کے سیدھے سادے گھر والوں کو بھی۔

”آپ نے سن لیا یار من، اب آپ اکیلے واپس نہیں جاؤ گے، بچی کو ساتھ لے کر جاؤ گے اور مجھے آپ کے رویئے سے کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے، مت بھولو کہ یہ کس کی بیٹی ہے، نہ بھی ایسا ہوا تو آپ اللہ کے سامنے اس کے ہر معاملے میں جواب دہ ضرور ہو، یاد رکھنا۔“ اب کے انہوں نے خاصی ناراضگی سے ایک ایک بات پہ زور دیتے ہوئے جتلایا تھا، حمدان کچھ نہیں بولا، البتہ واپس لوٹا تو ان کی خواہش کے مطابق قدر اس کے ہمراہ تھی، خاصی گریزاں مگر بہت مطمئن نظر آئی ہو، حمدان کو سمجھ نہیں آرہی تھی وہ اسے فریب کیوں دے رہی ہے، پہلے کی طرح کھل کر اس سے اپنی نفرت کا اظہار اور علی شیر سے اپنی وابستگی ظاہر کیوں نہیں کرتی، وہ بدگمان سا بدگمان تھا اور حال یہ تھا کہ۔

پھر اس کی ہر ادا سے چھلکنے لگا خلوص
جب مجھ کو اعتبار کی عادت نہیں رہی

☆☆☆

وہ آج بھی مضمحل تھا، اس کا دل نہ جانے کیوں کچھ انہونی ہو جانے کے خدشے سے خوف سے لرزتا رہتا تھا، باہر گرد آلود آندھی اپنے پورے زور پہ چلتے ہوئے چیزوں کو ادھر اُدھر اڑائے پھر رہی تھی، آندھی میں اٹھتے بنتے بگولے نگاہوں کے سامنے تھے، گرد مٹی اڑ اڑ کر اس پہ گرتی تھی، اس نے شہادت کی انگلی سے آنکھ میں چبھتی ریت کو رگڑا، تیز گرد آلود ہوا اس کے منہ پہ طمانچوں کی طرح برستی تھی مگر وہ وہیں کھڑا رہا، بے یقینی صدمہ اور ناقابل یقین حقیقت نے اس پہ سکتہ طاری کر رکھا تھا، روشنی اس سے ملنا چاہتی تھی اصرار تھا کہ بڑھتا جاتا تھا، اسی اصرار سے شکست تسلیم کرتے آج ہی وہ اس کی فرمائش پہ اس سے ملا تھا اور جو کچھ وہ بولی اس نے حمدان کے اندر ایسا ہی طوفان برپا کر ڈالا جواب آیا ہوا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کی ذات پرخچوں کی صورت اڑ رہی ہے۔

”آپ نے کیوں بلوایا مجھے؟“ وہ اس کے سامنے ریسٹورنٹ میں کتنے اطمینان سے بیٹھی تھی اور پلکیں نہیں جھپکتی تھی، حمدان کو اس کے ہر انداز سے اُلجھن محسوس ہو رہی تھی جبھی ٹوک دیا تھا، جواب میں اس نے بیچارگی بھرے انداز میں سرد آہ بھری۔

”تمہیں پتا ہے تم میرے کون ہو؟“ وہ ایک دم لہجہ و انداز بدل گئی، حمدان ذرا سا ٹھٹکا۔

”جو بھی تھا وہ تعلق تو از خود ختم ہو گیا، سر سلیمان کے حوالے سے ہی تھا جواب باقی نہیں رہا ہے۔“ اس نے سرسری لہجہ اپنایا تو روشنی پراسرار انداز میں مسکرا دی۔

”مجھے تمہارا انداز ہر بار بتاتا تھا کہ تم لاعلم ہو، بہت کم ظرف نکلا تمہارا باپ کہ میرے متعلق سب چھپا گیا۔“ اس کے لہجے میں تلخی بھی تھی، پھنکار بھی، حمدان کو شدید ناگواری نے آن لیا، وہ چوہدری کے حوالے سے کوئی اس انداز میں بات کرتا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا، اس کا چہرہ بے تحاشا لال ہوا تھا۔

''آپ......''

''اپنے باپ سے ضرور پوچھنا اب کہ مجھ سے تمہارا کیا تعلق ہے۔'' ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتی وہ شدید لہجے میں گویا تھی، حمدان زور سے چونکا، یہ اس کا اور اس کے باپ کا ذکر کدھر سے نکل آیا تھا۔

''وہ اگر مناسب سمجھتے تو مجھے ضرور بتا دیتے، یقیناً ان کے نزدیک یہ بات غیر اہم ہو گی، مجھے ان سے بہرحال کوئی شکایت نہیں۔'' حمدان کا لہجہ ایسا بے نیاز تھا کہ روشنی کو آگ لگا لیا، پھر وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے بجائے باپ کی طرفداری کرتا یہ اس سے کہاں گوارا تھا۔

''وہ کم ظرف ہے اس نے اسی گھٹیا پن کا مظاہرہ کیا جو میرے معاملے میں کیا تھا، تمہاری پیدائش کے وقت اس نے تمہیں مجھ سے چھین کر طلاق دے دی تھی، میں تڑپتی رہی تمہاری خاطر مگر اس نے کبھی مجھے تمہاری جھلک نہیں دکھلائی اور خود اپنی منگیتر سے شادی کر کے عیش کرتا رہا۔'' وہ پھپھک کر بولتی چلی گئی، حمدان کے لئے یہ دھچکا ہی کم نہ تھا کہ وہ اس کی ماں ہے، سگی ماں، ایسی عورت جسے پہلی نظر میں ہی وہ سر سلیمان کے لئے ریجیکٹ کر چکا تھا، ان کے انتخاب کو دل میں سہی مگر غلط گردانتا تھا، ان کی طلاق کے فیصلے کو بروقت اور درست تسلیم کرتا تھا اس عورت کے لئے یہ انکشاف کہ وہ اس کی ماں ہے، سگی ماں ہے اس کے لئے کوئی سانحہ ہی تھا، اسے سمجھ آئی منیب چوہدری نے کبھی اس تعارف کی ضرورت کیوں نہ سمجھی تھی، اس کی آنکھیں جل اٹھی تھیں اور دماغ کے آس پاس کوئی تیز رو ٹرین دوڑتی پھر رہی تھی، چہرہ متغیر ہوتا جا رہا تھا، وہ اسی کیفیت میں اٹھا تھا کہ روشنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا، زبردستی روک لیا۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی یہ جان کر میرے بیٹے کہ میں...... تمہاری ماں ہوں، اپنی سگی ماں سے مل کر اچھا نہیں لگا۔'' وہ روہانسی ہو کر سوال کر رہی تھی، حمدان کا دل رقت سے بھر گیا، سسک اٹھا، کیا وہ اس کا بائیو ڈیٹا نہ جانتا تھا، وہ کیسی عورت تھی، وہ خوش کیونکر ہو جاتا بھلا، وہ کچھ نہ بولا، وہ کیسے جواب دیتا، وہ اگر ماں تھی تو ادب خود بخود لازم ہوا۔

''تمہارے باپ کی طرح سلیمان نے بھی میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، کیا میں تمہاری ماں ہونے کے ناطے تمہیں یہ حکم دے سکتی ہوں کہ تم اس شخص کی بیٹی کو طلاق دے دو؟ اپنی ماں کا انتقام لو، وہ بھی اس صورت جبکہ اس کی بیٹی ایک اچھی لڑکی نہیں ہے، اس کے اپنے کزن اور منگیتر علی شیر سے تعلقات رہے ہیں، وہ اب اس سے ملتی ہے، رابطے میں ہے، حمدان تم جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس لڑکی سے جان چھڑا لو، ورنہ وہ تمہیں بہت بڑا دھچکا پہنچا جائے گی اور یہی میں نہیں چاہتی، بولو...... کیا تم اسے طلاق دو گے؟''

وہ سوال کر رہی تھی اور فضا ساکن ہو گئی تھی، ہر سو سناٹا چھا گیا تھا، دم گھونٹ دینے والا سناٹا۔

(جاری ہے)


URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

مکمل ناول

آج صبح سی ہی بوندا باندی جاری تھی، دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹائیں پورے آسمان پر چھا گئیں، تیز ہوا کے جھونکے اردگرد کی پرواہ کیے بغیر اپنی ہی دھن میں چل رہے تھے، اس خراب موسم میں ہر ایک کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی، جلد ہی ہلکی بوندا باندی تیز بارش میں تبدیل ہوگئی، جہاں ہر کوئی اس برستی بارش سے بچنے کے لئے محفوظ ٹھکانہ ڈھونڈ رہا تھا وہیں صرف ایک ایسا شخص تھا جو اردگرد کی پرواہ کیے بغیر سکون سے گاڑی سے نکلا اور اس تیز بارش میں تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا، سکن شرٹ، بلیو پینٹ اور بالوں کو سلیقے سے سجائے وہ چوبیس پچیس سال کا ایک خوش شکل نوجوان لگتا تھا، اس نے بارش سے بچنے کے لئے اپنے ساتھ چھتری رکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا، وہ تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتے ہوئے بالآخر اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا تھا، راستے میں مختلف گڑھوں اور پتھروں کی وجہ سے وہ گرتے گرتے بچا تھا اور اب ایک چھوٹے سے پرانے طرز کے مکان کے آگے کھڑا تھا، مکان کی بوسیدہ حالت چیخ چیخ کر اس کے پرانے ہونے کا پتہ دے رہی تھی، وہ ایک نظر مکان کو دیکھتا دروازہ دھکیلتا اندر آ گیا، ایک ناگوار سی سمیل اس کے نتھنوں سے ٹکرائی مگر وہ برداشت کرتا اندر کی جانب بڑھ گیا، اس کی توقع کے برعکس برآمدے میں بہت کم لوگ بیٹھے تھے اور سب اندر جانے کا انتظار کر رہے تھے، وہ بھی ان لوگوں کی طرح زمین پر اپنی ٹانگیں سمیٹ کر ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا، دیکھنے میں وہ کسی عامل کا آستانہ لگ رہا تھا، وہ خالی خالی نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا، اچانک کسی چیز نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی، وہ تڑپ کر کمرے کی جانب بڑھا جہاں دروازے کے نام پر ایک پردہ تھا بہت سے

لوگوں نے اسے حیرانگی سے دیکھا، مگر وہ ان سب کو نظر انداز کرتا اندر جھانکنے لگا اور اندر کا منظر دیکھ کر وہ ساکت ہو گیا، وہ پلک تک جھپکنا بھول گیا تھا اسے لگا پورا آسمان اس کے سر پر آن گرا ہے، یک دم ہی اسے اس جگہ سے وحشت سی ہونے لگی اور اسے اس مکان میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا، اس نے ایک جھٹکے سے پردہ چھوڑا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر اپنی کار تک پہنچا، کتنی ہی دیر وہ گاڑی میں چپ چاپ بیٹھا رہا، بارش ابھی بھی زوروں سے جاری تھی، وہ مکمل بارش میں بھیگا تھا لیکن اس بار اس کا چہرہ بارش کے علاوہ آنسوؤں سے بھی بھیگ چکا تھا، وہ بے آواز آنسوؤں کے ساتھ رو رہا تھا، جب وہ یہاں آیا تھا تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور اب آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی لیکن وہ ابھی تک بے یقینی کے عالم میں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم تائی جان۔'' اس آواز کو سنتے ہی شمیم احمد کے تاثرات یکسر تبدیل ہوئے تھے، مدھم مسکراہٹ کی جگہ ناگواری نے لے لی۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے سرد لہجے میں اپنے سامنے کھڑی درخشاں جنید کو جواب دیا۔

''تائی جان یہ میں نے پہلی بار کھیر بنائی ہے تو سوچا آپ کو بھی ٹیسٹ کروا دوں۔'' اس نے ہاتھ میں موجود شیشے کا باؤل شمیم بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی تمہیں تو معلوم ہے کہ تمہارے تایا کو شوگر ہے اور مجھے میٹھی چیزیں پسند نہیں۔'' بے مروتی سے کہتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھیں کہ وہ بے اولاد نہیں ہیں خدا کے کرم سے ان کے دو بچے بھی ہیں جو یہ کھیر کھا سکتے ہیں، شمیم بیگم کی بات سن کر درخشاں کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔

''امی کو میٹھی چیزیں پسند نہیں ہیں لیکن ان کے بیٹے کو تو بہت پسند ہیں۔'' نا جانے زید احمد وہاں کس وقت آیا تھا اور اس آتے ساتھ ہی زرفشاں کے ہاتھوں سے کھیر کا باؤل پکڑ لیا، زرفشاں کا چہرہ یک دم ہی کھل گیا جبکہ شمیم بیگم غصے سے مٹھیاں بھینچتی وہاں سے چلی گئیں۔

''چمچ ساتھ نہیں لائی؟'' زید نے حیرت سے پوچھتے ہوئے انگلی ہی سے کھیر کو ٹیسٹ کیا۔

''تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلا بھی نہ دوں؟'' زرفشاں مصنوعی غصے سے بولی، شمیم بیگم کے جانے کے بعد وہ کافی ایزی فیل کر رہی تھی۔

''خدا کی قسم اگر تم اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ گی تو میرے لئے یہ دن کسی عید سے کم نہ ہوگا۔'' زید شوخی سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

''فضول مت بولا کرو، اچھا یہ بتاؤ کھیر کیسی بنی ہے؟'' زرفشاں نے کنفیوز ہوتے ہوئے بات ہی بدل دی۔

''بس ٹھیک ہی ہے۔'' مسلسل ہاتھ سے کھیر کھاتے ہوئے زید اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''ندیدے آدھی سے زیادہ کھیر کھا گئے ہو اور ابھی بھی کہہ رہے ہو بس ٹھیک ہے۔'' زرفشاں نے چڑتے ہوئے اس کی نقل اتاری تو زید نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

''اب میں چلتی ہوں امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' زرفشاں نے کہہ کر سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

''رکو میں بھی آتا ہوں۔'' زید نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے باؤل پاس موجود میز پر رکھ دیا۔

''تم کیا کرو گے آ کر؟ فیصل اور بلال گھر پر نہیں ہیں۔'' زرفشاں نے جاتے جاتے اسے پلٹ کر اپنے بھائیوں کے گھر نہ ہونے کی اطلاع دی۔

''اور مجھ سے تو امید نہ رکھنا کہ میں تمہیں کمپنی دوں گی، مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔'' زرفشاں نے اسے ہری جھنڈی دکھائی۔

''میں چڑیلوں کے پاس بیٹھتا بھی نہیں ہوں اور تمہاری اطلاع کے لئے تمہیں بتا دوں کہ اوپر ایک عدد خوبصورت خاتون بھی رہتی ہیں جو خوش قسمتی سے میری چچی ہیں میں ان سے ملنے جا رہا ہوں۔'' ایک ہی سانس میں بات پوری کرتا وہ اس سے پہلے اوپر پہنچ گیا تھا اور زرفشاں جانتی تھی کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے نیچے اترنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

ملک احمد اور ملک جنید دو ہی بھائی تھے ان کی کوئی بہن نہ تھی دونوں بھائی دو جسم ایک جان کی مانند تھے، دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے اور ایک ہی گھر میں ساتھ ساتھ رہتے تھے، ملک احمد کی بیوی کا نام شمیم تھا جن کے منہ سے بہت ہی کم میٹھی باتیں سننے کو ملتی ہیں، ملک احمد اور شمیم کے دو ہی بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی بڑے بیٹے کا نام زید احمد اور چھوٹی بیٹی کا نام فارحہ احمد، ان دونوں کی فطرت اپنے باپ پر گئی تھی جبکہ ملک جنید جو کہ ملک احمد سے دو سال چھوٹے ہیں ان کے تین بچے ہیں سب سے بڑا بیٹا بلال جنید، پھر زرفشاں جنید اور اس کے بعد فیصل جنید ہے، ملک جنید کی بیوی کوثر بہت نرم دل اور ہمدرد خاتون ہیں اس کے برعکس شمیم بہت شاطر اور تیز زبان، لیکن اس سب کے باوجود ان دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو نہیں چھوڑا اور ایک ہی گھر میں قیام پذیر رہے، جب ملک احمد اور ملک جنید کے والدین کا انتقال ہوا تو شمیم بیگم نے الگ ہونے کا شوشہ چھوڑ دیا، ملک احمد نے جب ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا تو گھر کا ماحول خراب ہونا شروع ہو گیا، آئے روز گھر میں لڑائیاں ہوتی تھیں، ملک جنید گھر کا ماحول مزید خراب نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے چپ چاپ اپنے بیوی بچوں کو لے کر اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئے، لیکن ان بھائیوں کے درمیان جو محبت تھی وہ آج بھی اسی طرح قائم تھی، ان دونوں کے بچوں نے بھی آپس میں کبھی کوئی فرق روا نہ رکھا تھا، زرفشاں کی اپنے تایا کی بیٹی فارحہ سے بہت دوستی تھی جبکہ بلال زید کا بیسٹ فرینڈ تھا ملک جنید کا بہت دل تھا کہ وہ فارحہ کو اپنے بیٹے بلال کے ساتھ منسوب کر دیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے شمیم بیگم نے اپنے بھتیجے کے گھر فارحہ کا رشتہ طے کر دیا تھا ملک جنید کو بہت تکلیف ہوئی تھی مگر وہ خاموش رہے، فارحہ کے رشتے کے کچھ عرصہ بعد میں ملک احمد نے اپنے بیٹے زید احمد کے لئے زرفشاں کا ہاتھ مانگ لیا تھا، ملک جنید تو بہت خوش ہوئے تھے لیکن ان کی بیوی کوثر بیگ کو اس رشتے پر اعتراض تھا کیونکہ وہ اپنی جٹھانی کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں، ملک جنید نے اپنی بیوی کو مطمئن کر کے اپنے بھائی کو ہاں کا سندیسہ بھیج دیا تھا، شمیم بیگم کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ زرفشاں کو کوئی جادو کی چھڑی گھما کر غائب کر دیں وہ اپنی دیورانی اور بھتیجی سے حسد محسوس کرتی تھیں، ایک تو وہ مالی لحاظ سے ان سے مضبوط تھے اور دوسرا کوثر بیگم بہت خوبصورت تھیں، ان کا سارا روپ زرفشاں نے چرا لیا تھا اور قد و قامت میں وہ اپنے باپ پر گئی تھی، وہ بہت خوبصورتی تھی اس کا دودھیا رنگ، گھنے سلکی بال، بڑی بڑی سیاہ

آنکھیں اور دھیما لہجہ اس کو چار چاند لگا دیتا تھا، جو کوئی بھی ذرفشاں احمد کو ایک بار دیکھتا مبہوت رہ جاتا تھا، جبکہ اس کے برعکس فارحہ اپنی ماں پر گئی تھی وہ بھی بہت خوبصورت تھی لیکن اس کی خوبصورتی ذرفشاں کے آگے ماند پڑ جاتی تھی، فارحہ نے اس حوالے سے کبھی بھی حسد محسوس نہیں کیا تھا، شمیم بیگم کے علاوہ سب ہی ذرفشاں کو پسند کرتے تھے، وہ اپنے بیٹے کے لئے اپنی بھانجی کو لانا چاہتی تھیں جب سے زید اور ذرفشاں کا رشتہ طے ہوا تھا زید کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، ذرفشاں بھی اس کے ساتھ پر دل سے رضا مند تھی، اگر ذرفشاں خوبصورت تھی تو زید احمد کا بھی پورے خاندان میں کوئی ثانی نہ تھا۔

☆☆☆

آج موسم خاصا خوشگوار تھا، صبح سے ہی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، شام میں ذرفشاں نے اپنے لئے چائے بنائی اور خوبصورت موسم کا مزہ لینے کے لئے وہ نیچے لان میں آگئی، یہ لان دونوں فیملیز مشترکہ طور پر استعمال کرتے تھے، اپنی چائے پینے کے بعد اس نے اوپر جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ لان میں موجود خوبصورت پھولوں کی جانب بڑھی اس باغیچے کی دیکھ بھال کے لئے انہوں نے مستقل طور پر ایک مالی رکھا ہوا تھا، لیکن اس سب کے باوجود بھی ذرفشاں خود ہر ہفتے ان پھولوں کو پانی دیتی تھی، ابھی بھی وہ ان کی دیکھ بھال میں مصروف تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا، وہ اپنا وہم جان کر پھر سے پودوں کو پانی دینے میں مگن ہوگئی لیکن مشکل سے پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اسے پھر سے کسی کے موجود ہونے کا احساس ہوا اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھتی اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا، وہ پل بھر کو ساکت ہوگئی، اس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مڑ کر دیکھا اور سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اس نے ایک طویل سانس خارج کیا۔

"زید تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکتی اطمینان سے بولی۔

"یار اتنے ہینڈسم بندے سے بھی کوئی ڈر سکتا ہے؟" وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوا۔

"تم اور ہینڈسم؟ رکو زید مجھے پہلے یہ بات ہضم کر لینے دو۔" وہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔

"پورے خاندان کی لڑکیاں میری ایک جھلک دیکھنے کو ترستی ہیں۔" وہ شوخی سے بولا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ان کو معلوم ہے نہ کہ تمہارے جیسا نمونہ پورے خاندان میں کہیں نہیں ہے۔" وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پھر سے اپنے کام میں مگن ہوگئی۔

"تمہیں بڑا پتا ہے، میری امی سے آ کر پوچھو وہ تمہیں بتائیں گی کہ میں لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایک ہوں۔" زید نے فرضی کالر جھٹکائے۔

"کرن گیلن کی امی سے بھی پوچھو گے نا کہ دنیا میں سب سے خوبصورت شخص کون ہے تو وہ کہیں گی میرا بیٹا، اس لئے ان ماؤں کی باتوں کو زیادہ سیریس نہیں لینا چاہیے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا پائپ آہستگی سے نیچے دیکھا۔

"یعنی تم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ میں ہینڈسم ہوں؟"

"میرے ماننے یا نا ماننے کو چھوڑو اور تائی جان کو اپنی شکل دکھا دو پچھلے دس منٹ سے یہاں کھڑے ہو۔" اس نے سرسری سے انداز میں

اپنی بات مکمل کی۔
"کون سے دس منٹ، ابھی تو پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے مجھے گھر آئے؟" زید نے حیران ہوتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا۔
"زید تم نے اب جھوٹ بولنا بھی شروع کر دیا ہے؟ پہلے تم نے کہا میں ہینڈسم ہوں اب تم کہہ رہے ہو کہ پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے گھر آئے حالانکہ تم پچھلے دس منٹ سے مجھے ڈرانے کے چکروں میں تھے۔" وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔
"میں تمہیں کیوں ڈراؤں گا؟ اور جہاں تک بات ہے گھر آنے کی تو تم بے شک کریم بابا سے پوچھ لو کہ میں کب گھر آیا تھا۔" اس نے چوکیدار کا نام لیا اور اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ذرفشاں کو ماننا پڑا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔
"اچھا یہ ساری باتیں چھوڑو اور پلیز ایک اچھی سی چائے ہی پلا دو۔" زید نے اپنائیت سے کہا تو اس نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا، زید مسکراتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ ذرفشاں ابھی تک حیران و پریشان یہ ہی سوچ رہی تھی کہ اگر وہ زید نہیں تھا تو کون تھا؟

☆☆☆

آج فارحہ کے سسرال والوں نے آنا تھا اس وجہ سے شمیم بیگم صبح سے ہی تیاریوں میں مصروف تھیں، ویسے تو ان کے گھر کام والی ہر وقت موجود رہتی تھی لیکن آج انہوں نے کچن کا کام نپٹانے کے لئے صبح سے ذرفشاں کو بھی نیچے بلا رکھا تھا، ذرفشاں جو اتوار کے دن لیٹ اٹھنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی اس کو ملتوی کرتی چپ چاپ نیچے آ کر شمیم بیگم کی مدد کروانے لگ گئی، شمیم بیگم تو بس اسے آرڈر دے کر خود کچن سے باہر چلی گئی تھیں، مسلسل تین گھنٹے کی محنت کے بعد وہ چار پانچ ڈشز بنانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔
"کھانا تیار ہو گیا؟" شمیم بیگم نے آ کر جلدی سے استفسار کیا۔
"جی بس یہ کباب فرائی کرنے رہ گئے ہیں جب مہمان آ جائیں گے تو میں فرائی کر دوں گی۔" ذرفشاں نے سنک سے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" شمیم بیگم نے سپاٹ انداز میں کہا ان کے چہرے پر تشکر کے کوئی احساسات نہ تھے۔
"تائی جان اب میں جاؤں؟" ذرفشاں نے اجازت طلب کی۔
"ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے جانے کی؟ ابھی تو تم نے فارحہ کو بھی تیار کرنا ہے۔" انہوں نے نامحسوس طریقے سے اس پر ایک اور بڑا کام ڈال دیا تھا۔
"تمہیں تو پتا ہے کہ میری بچی کتنی معصوم ہے اسے کیا معلوم کہ آج کل کیا فیشن چل رہا ہے اور کیا نہیں تم تو سارا دن نیٹ پر بزی رہتی ہو تو میں نے سوچا کہ تمہیں اندازہ ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کیسے تیار ہوا جاتا ہے۔" وہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے بھی طنز کر گئی تھیں۔
"جی تائی جان جیسے آپ کی بیٹی تو سارا دن تسبیح پکڑ کر اللہ اللہ کرتی رہتی ہے۔" ذرفشاں بس سوچ کر رہ گئی اور کچھ بھی کہے بغیر فارحہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جب وہ دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی تو پل بھر کو ساکت ہو گئی، فارحہ کے منہ اور ہاتھوں پر کریم لگی ہوئی تھی، سر پر رولر لگائے ہوئے اور آنکھوں پر کھیرے رکھے وہ اطمینان سے صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔
"ادھر تائی جان کہہ رہی ہیں میری بیٹی بہت معصوم ہے اسے آج کل کے فیشن کا کچھ علم

نہیں، اگر وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ لیں تو سوچو کیا ہوگا؟" زرفشاں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اسے کہا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو میرے سر پر رولر وہی سیٹ کر کے گئی ہیں۔" فارحہ کہتے ہوئے واش روم کی جانب منہ دھونے چلی گئی تو زرفشاں استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

"اچھا یہ بتاؤ ڈریس کون سا پہن رہی ہو؟" زرفشاں نے اٹھ کر اس کی الماری کھولی۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کون سا ڈریس پہنوں سوچا تھا تم سے مشورہ کرلوں گی اب تم آہی گئی ہو تو پلیز میری ہیلپ کر دو۔" فارحہ نے تولیے سے منہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں یہ پنک والا بیسٹ رہے گا۔" زرفشاں نے ایک خوبصورت نفیس سا جوڑا فارحہ کو دکھایا تو اس نے بنا اعتراض کیے وہ ڈریس پہن لیا، زرفشاں نے فارحہ کو تیار کرنے میں اس کی پوری مدد کی تھی، وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے کے بعد وہ دوبارہ کچن میں چلی آئی، کچھ ہی دیر بعد مہمان آگئے تو اس نے پہلے کباب فرائی کیے اس کے بعد جلدی سے ٹرالی سیٹ کی، وہ ٹرالی لے کر جانے ہی والی تھی کہ شمیم بیگم اور فارحہ کچن میں آگئیں۔

"فارحہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھو میں بس کھانا سرو کرنے ہی والی تھی۔" زرفشاں نے حیران ہوتے ہوئے فارحہ کو دیکھا۔

"تم تھک گئی ہوگی ایسا کرو تم جا کر آرام کرو باقی سارا کام میں خود دیکھ لوں گی۔" فارحہ کی بجائے جواب شمیم بیگم نے دیا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زرفشاں مہمانوں کے سامنے آئے، زرفشاں ضبط کرتے ہوئے کچن سے باہر آگئی، اس کے نکلتے ہی فارحہ ٹرالی دھکیلتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی۔

"یہ کباب بھی ٹرائی کریں میری فارحہ نے بڑی محنت سے بنائے ہیں۔" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے شمیم بیگم کی آواز بخوبی اس کے کانوں تک پہنچی تھی وہ سر جھٹکتی اوپر کی جانب بڑھ گئی۔

"آ گئیں تم؟" زرفشاں کو دیکھتے ہی کوثر بیگم اس کی جانب آئیں۔

"جی امی۔" زرفشاں نے تھکے انداز میں کہا۔

"تم ذرا فریش ہو جاؤ پھر نیچے جا کر کریم بابا (چوکیدار) کو کھانا دے آنا۔" انہوں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی، فریش ہو کر اس نے پہلے خود کھانا کھایا پھر کریم بابا کا کھانا لے کر وہ نیچے آگئی، ان کو کھانا دے کر وہ پلٹی ہی تھی کہ لاؤنج میں سارے مہمان واپس جانے کے لئے تیار کھڑے تھے، وہ سب زرفشاں کو دیکھ چکے تھے کے لئے اب یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان سب کو نظر انداز کرتی اوپر چلی جاتی، چاروناچار اسے ان سب سے ملنا پڑا، فارحہ کے ماموں ممانی اور نند سب بہت اچھے تھے، فارحہ کی ساس زرفشاں سے بہت اپنائیت سے ملی تھیں اور انہوں نے اس سے شکوہ بھی کیا تھا کہ وہ ان سے ملنے کیوں نہیں آئی، شمیم بیگم بس غصے سے زرفشاں کو گھور کر رہ گئیں، انہیں اس وقت زرفشاں سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی اور انہیں اپنی بھابھی کا اتنا اپنائیت بھرا انداز کوفت میں مبتلا کر دیا تھا، زرفشاں نے ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نوٹ کر لئے تھے اس لئے وہ جلد از جلد اس جگہ سے جانا چاہتی تھی لیکن اس کے پاس

وش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆☆

"فیصل، امی کہاں ہیں؟" زرفشاں نے لج سے آتے ہی کوثر بیگم کے بارے میں ستفسار کیا۔

"وہ اپنے روم میں ہیں ان کا بی پی ہائی تھا میڈیسن لے کر آرام کر رہی ہیں۔" فیصل اٹھ کر اس کے لئے کچن سے پانی لے آیا۔

"تم انہیں ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں لے کر گئے تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ اپنی صحت کے معاملے میں کتنی لاپرواہ ہیں۔" زرفشاں پریشانی سے گویا ہوئی۔

"آپی میں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" اپنی بڑی بہن کو اطمینان دلاتے ہوئے فیصل نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا جسے زرفشاں نے فوراً تھام لیا اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم نے کھانا کھایا؟" فیصل سے پوری تفصیل سن لینے کے بعد اسے اپنے چھوٹے بھائی کا خیال آیا۔

"کہاں آپی، دو گھنٹے سے بھوکا بیٹھا آپ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ کب آپ آئیں اور آکر کھانا بنائیں۔" وہ مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

"تم ایسا کرو قیمہ فریج سے نکالو اور آلو کاٹنا شروع کرو تب تک میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" اسے ہدایت دیتے ہوئے وہ اپنا بیگ صوفے سے اٹھاتی اپنی امی کے کمرے کی طرف چل دی، ایک نظر ان کو دیکھ لینے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، جب وہ فریش ہو کر واپس آئی تو فیصل تقریباً اپنا کام مکمل کر چکا تھا اس نے جلدی سے آلو قیمہ فرائی کیا، اس کے بعد روٹیاں بنانا شروع کر دیں تب تک فیصل نے سلاد تیار کر لیا تھا وہ بہن بھائی ایسے ہی کچھ کہے بغیر ایک دوسرے کی مدد کر دیا کرتے تھے۔

"تم جاکر بیٹھو میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ فیصل کو باہر لاؤنج میں بھیج کر خود ٹرے تیار کرنے لگی۔

"آپی آجائیں بھوک لگی ہے؟" فیصل کو گئے ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اسے فیصل کی آواز آئی۔

"بس آرہی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ جلدی جلدی کام نپٹانے لگی۔

"آپی بہت بھوک لگی ہے جلدی آجائیں۔" اسے پھر سے فیصل کی اونچی آواز سنائی دی۔

"کہا تو ہے کہ میں آرہی ہوں۔" تھوڑا اونچی آواز میں بولتی وہ سنک پر ہاتھ دھونے لگ گئی۔

"آپی اور کتنا انتظار کروائیں گی؟" ایک منٹ کی خاموشی کے بعد پھر فیصل کی اونچی آواز گونجی وہ غصے سے پاؤں پٹختی اس کے پاس لاؤنج میں آن پہنچی جہاں وہ صوفے پر نیم دراز لیٹا ہوا تھا۔

"کیا فاقے پر تھے جو برداشت نہیں ہو رہا تھا تمہیں معلوم بھی ہے کہ امی اندر سو رہی ہیں لیکن نہیں جی موصوف کو تو اپنی بھوک کی فکر پڑی ہوئی ہے۔" وہ ٹرے میز پر رکھتی دبے دبے غصے سے بولی۔

"اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو؟ میں نے تو ایک آواز بھی نہیں دی۔" فیصل نے حیرت سے زرفشاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پچھلے دو منٹ میں تم تین آوازیں دے چکے ہو اور کہہ رہے ہو میں نے کوئی آواز نہیں دی،

آپ نے دو پاپا کو تمہاری تو میں شکایت لگاتی ہوں۔" وہ خفگی سے کہتی اس سے ذرا فاصلے پر ہی بیٹھ گئی۔

"مجھے لگتا ہے آپی تمہارا بھی بی پی ہائی ہو گیا ہے جو بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔" فیصل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" زرفشاں نے ناسمجھی سے فیصل کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے آپ کو ایک بھی آواز نہیں دی اور آپ جانتی ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے سالن پلیٹ میں نکالا اور کھانا شروع کر دیا، جبکہ زرفشاں کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا اس کی بھوک یک دم ہی مٹ گئی تھی، کچھ دن پہلے اس کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے، اس پر نظر رکھے ہوئے ہے اسے لگا تھا کہ وہ زید ہے لیکن زید نے بھی اس بات کی تردید کر دی تھی اور آج پھر اسے آوازیں سنائی دیں تھیں وہ فیصل کی بات پر کبھی یقین نہ کرتی اگر اسے صوفے پر نیم دراز نہ دیکھتی اور اتنا نہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ فیصل جھوٹ نہیں بولتا، اسی دن کی بات کو وہ اپنا وہم جان کر بھی اگنور کر سکتی تھی لیکن آج اس نے خود اپنے کانوں سے فیصل کی آواز سنی تھی۔

"یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" شل دماغ کے ساتھ وہ بس اسی نقطے پر سوچ رہی تھی اور اس کے آگے پڑا کھانا کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

زرفشاں اپنی دوست کی عیادت کے لئے گئی ہوئی تھیں اور جنید صاحب اور بلال آفس میں ہی تھے سو وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گئی مختلف سوچوں میں گم وہ نیند کی وادی میں جا رہی تھی جب اسے باہر سے اپنی امی اور بھائی کے بولنے کی آوازیں آئیں، اسے یقین تھا کہ کوثر بیگم ضرور اسے دیکھنے کمرے میں آئیں گی اور [illegible] ہی دیر بعد اسی کے کمرے کا دروازہ کھلا تو زرفشاں نے آنکھوں پر اپنا بازو رکھ لیا اسے یقین تھا کہ کوثر بیگم ہی ہوں گی، اسے ان کے ہاتھ ا[illegible] چہرے اور پر پر رینگتے محسوس ہوئے مگر وہ ا[illegible] پوزیشن میں لیٹی رہی، اسے ایک انجانی سی خو[illegible] محسوس ہوئی تھی انہوں نے اسے سر پر بوسہ دیا ا[illegible] ایک بار پھر پیار کرتی وہاں سے چلی گئیں ان [illegible] جاتے ہی زرفشاں گہری نیند سو گئی، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی نیند لینے کے بعد وہ اٹھی تھی، اس نے ا[illegible] کر کھڑکیوں کے پٹ وا کیے اور تازہ ہوا ا[illegible] اندر اتاری، اسے یک دم ہی اپنی امی کا خیال آیا اور وہ حیران بھی ہوئی تھی کہ انہوں نے اسے آ کر جگایا کیوں نہیں کیونکہ وہ شام کے وقت اسے سونے نہیں دیتی تھیں، فریش ہو کر ان کی ڈانٹ سننے کے لئے خود کو تیار کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئی اور باہر نکل کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، پورے لاؤنج میں سناٹا تھا جیسے یہاں کوئی ذی روح رہتا ہی نہ ہو، اس نے لاؤنج کی لائٹس آن کیں اور ایک ایک کر کے سارے کمرے چیک کر لئے لیکن وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا اسے شدید حیرت ہوئی کیونکہ کوثر بیگم اسے بتائے بغیر کہیں نہیں جاتی تھیں، انہوں نے پہلے بھی اسے فون کر کے اپنی دوست کے گھر جانے کا بتایا تھا، اگر وہ اب بھی کہیں جاتیں تو کم از کم اسے بتا کر جاتیں، وہ اسی پریشانی میں نیچے آئی تھی تا کہ تائی جان سے پوچھ سکے۔

"آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔" اسی کو نیچے اترتا دیکھ کر زید جو کہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی پر کوئی فلم دیکھ رہا تھا شوخی سے بولا۔

"بڑے بڑے لوگ چھوٹے چھوٹے لوگوں پر احسانات کرتے رہتے ہیں۔" وہ بھی

مکراتی ہوئی اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔
"بڑی مہربانی آپ کی۔" زید نے کہہ کر
ب سے نظریں جھکالیں تو اس کی اس حرکت پر
رفشاں دل کھول کر ہنسی تھی، زید کتنی ہی دیر اس کو
ہوت سا ہو کر دیکھے گیا۔
"وہ چچی جان کا فون آیا تھا کہ تمہیں بتا
وں کہ انہیں آنے میں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔"
ہ سنبھل کر بولا۔
"گھنٹہ پہلے تو وہ واپس آئی تھیں اب پھر
کہاں چلی گئی ہیں۔" اس نے کوفت سے استفسار
کیا۔
"پچھلے دو گھنٹے سے میں یہیں بیٹھا ہوں وہ
تو نہیں آئیں۔" زید نے گھڑی کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔
"مذاق نہیں کرو زید مجھے پتا ہے کہ وہ آئیں
تھیں میں نے ان کو خود دیکھا تھا۔" زرفشاں
عجیب الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔
"میڈم تم خود کو نیند کے مزے لوٹ رہی تھی
ابھی دس منٹ پہلے فارحہ تمہارے پاس گئی تھی
ضرور تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔" زید نے
سرسری سے انداز میں کہا۔
"نہیں میں نے خواب نہیں دیکھا وہ سچ
میں آئی تھیں۔" زرفشاں ابھی بھی اپنی بات پر
قائم تھی۔
"اچھا تم یہاں آرام سے بیٹھو۔" زید نے
آگے بڑھ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا اور خود اس
سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔
"ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب انسان سو کر اٹھتا
ہے تو وہ پزل ہو جاتا ہے کہ جو خواب اس نے
دیکھا تھا وہ خواب تھا یا حقیقت؟ یہی اب
تمہارے ساتھ ہوا ہے اسی لئے ان باتوں کو
سیریس نہیں لینا چاہیے۔" وہ بڑے پیار سے اسے
سمجھا رہا تھا۔
"زید تم سمجھ نہیں رہے۔" وہ پریشانی سے
بولی۔
"چلو تم سمجھا دو میں سمجھ جاؤں۔" وہ بھی ہار
ماننے کو تیار نہ تھا، زرفشاں اب یہ سوچ رہی تھی کہ
اس سے ساری باتیں شیئر کرے یا نہ کرے۔ پھر
کچھ سوچتے ہوئے اس نے بتانے کا فیصلہ کیا اور
آہستہ آہستہ اسے ساری بات بتا دی اب وہ زید
کے جواب کی منتظر تھی، پوری بات سن کر زید نے
ایک زوردار قہقہہ لگایا تو اس نے ماتھے پر بل
لیے زید کو گھورا۔
"تمہیں یہ سب مذاق لگ رہا ہے۔"
"سوری سوری۔" زید ہنسی ضبط کرتے
ہوئے بولا۔
"مجھے لگا تھا تم مجھے سمجھو گے مگر نہیں تم ایک
انتہائی فضول آدمی ہو۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے
غصے سے کھڑی ہو گئی۔
"یار کیا تو ہے ہوری۔" زید اس کو غصے
کرتے دیکھ کر سنجیدہ ہوا۔
"یہ سارے واقعات جو تمہارے ساتھ
ہوئے ہیں یہ حقیقت میں نہیں ہوئے بلکہ تمہارا
وہم ہے۔"
"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" زرفشاں بھی بحث
کرنے کے موڈ میں تھی۔
"کیونکہ ان کی کوئی لاجک ہی نہیں ہے۔"
وہ اطمینان سے بولا۔
"چلو مانا کہ جو کچھ پہلے ہوا وہ میرا وہم تھا
لیکن آج جو ہوا ہے وہ کیا تھا؟" زرفشاں نے الٹا
سوال کیا۔
"آج کیا تم نے خود چچی جان کو اپنے
سامنے دیکھا تھا؟" اور اس سوال پر زرفشاں کے
منہ پر تالے پڑ گئے تھے کیونکہ جب کمرے کا

دروازہ کھلا تھا تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لئے تھے اور کوثر بیگم کو نہیں دیکھا تھا مگر وہ یہ بات ہرگز ماننے کو تیار نہیں تھی کہ کوثر بیگم ایک بار بھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔

”دیکھا یہ سب تمہارا وہم ہے۔“ اسے مسلسل خاموش پا کر زید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”بھاڑ میں جاؤ۔“ ذرفشاں اس کو کہتی پھر اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی اوپر آ کر اس نے پہلے کوثر بیگم کو کال کی اور پھر فیصل کو فون کیا اور دونوں کا یہ جواب سن کر کے وہ ایک بار بھی گھر نہیں آئے وہ دم بخود رہ گئی تھی، اسے آج پہلی بار ڈر لگا تھا وہ ابھی ابھی بے یقینی کی حالت میں ایک ہی پوزیشن میں کتنی دیر سے بیٹھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

”ذرفشاں بیٹا تم تیار ہو گئی؟“ کوثر بیگم نے کمرے میں جھانک کر استفسار کیا۔

”بس دس منٹ دے دیں امی جان۔“ ذرفشاں مہارت سے میک اپ کرتے ہوئے بولی۔

کوثر بیگم کی بھانجی کی شادی تھی اور ملک احمد کی پوری فیملی انوائیٹڈ تھی، ذرفشاں نے پنک کلر کی میکسی کے ساتھ سٹائلش سا ہیر سٹائل بنایا تھا اور نفاست سے کیا گیا میک اپ اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیا تھا، اس نے لائٹ سی جیولری پہن رکھی تھی، وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

”اوکے ہم جا رہے ہیں تم اپنے تایا کی گاڑی میں آ جانا۔“ وہ اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چلی گئی تھیں اس نے جلدی سے سلور ہائی ہیل شوز پہنے اور پرفیوم لگایا، تنقیدی نظروں سے اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ چھوٹے قدم اٹھاتی نیچے کی جانب بڑھ گئی۔

”فارحہ یار جلدی۔“ زید کی نظر جیسے ہی ذرفشاں پر پڑی وہ بات مکمل کرنا بھول گیا کوئی اس قدر خوبصورت بھی ہو سکتا ہے؟ وہ بس سوچ کر رہ گیا، سیڑھیاں اترتی وہ کوئی پری لگ رہی تھی جو غلطی سے اس زمین پر آ گئی ہو۔

”زید تایا جان کہاں ہیں؟“ ذرفشاں نے موبائل کلچ میں رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”وہ...... وہ تو چچا جان کی گاڑی میں چلے گئے ہیں بس میں تم اور فارحہ ہی رہ گئے ہیں۔“ اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے وہ بہ مشکل بولا۔

”ٹھیک ہے فارحہ کو اور کتنی دیر لگے گی؟“ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جو رات کے آٹھ بجا رہی تھی۔

”بس آتی ہی ہو گی۔“ وہ نظریں چرا کر بولا۔

”اب چلو بھی تم لوگوں کی وجہ سے میں پہلے ہی لیٹ ہو گئی ہوں۔“ فارحہ تیز تیز چلتی مصنوعی غصے سے بولی تو وہ دونوں ہی مسکرا دیئے۔

”واہ بھائی آپ تو بہت ڈیشنگ لگ رہے ہو۔“ فارحہ اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے بے اختیار کہہ گئی تو ذرفشاں نے چور نظروں سے زید کو دیکھا، بلیک تھری پیس سوٹ میں بالوں کو جیل سے بجائے وہ واقعی بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

”خیر وہ تو میں لگ رہا ہوں، ایک منٹ۔“ زید پل بھر کو خاموش ہوا۔

”یہ جلنے کی بدبو کہاں سے آ رہی ہے۔“ وہ اردگرد دیکھنے لگا۔

”لیکن ہمیں تو کوئی بدبو نہیں آ رہی۔“ وہ دونوں بیک وقت بولیں۔

”فارحہ ذرا دیکھو تو یہاں سے بدبو آ رہی ہے۔“ اس نے ذرفشاں کی طرف ہاتھ سے

اشارہ کیا تو فارحہ اپنے بھائی کی بات سمجھ کر کھل کر مسکرا دی۔
"خدا کا خوف کرو زید میں کیوں تمہاری جھوٹی تعریف کروں، کل کو میں نے خدا کو منہ بھی تو دکھانا ہے۔" زرفشاں نے کانوں کو چھوتے ہوئے کہا تو زید بھی اپنی تازہ تازہ بے عزتی پر دل کھول کر ہنس دیا۔
"اب چلیں یا پوری رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے؟" فارحہ نے ان کی توجہ ٹائم پر مبذول کروائی تو وہ بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر گھر لاک کر کے پورچ میں آ گئے۔
"ارے تم کہاں بیٹھ رہی ہو یہاں میں نے بیٹھنا ہے۔" زرفشاں کو بیک ڈور کھولتے دیکھ کر فارحہ فوراً بولی۔
"اتنی زیادہ جگہ ہے تو سہی۔" زرفشاں نے حیرت سے فارحہ کو دیکھا۔
"پیچھے صرف میں بیٹھوں گی تم پلیز آگے بیٹھ جاؤ۔" فارحہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا تو زرفشاں نے ایک نظر پاس کھڑے زید کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں چاہتوں کے بے پناہ رنگ تھے زید نے آگے بڑھ کر فرنٹ ڈور کھول دیا، زرفشاں کچھ جھجکتے ہوئے آگے بیٹھ گئی، اس کے بیٹھتے ہی زید بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی، پورا راستہ وہ دونوں خاموش رہے تھے اور فارحہ مسلسل بولتی رہی تھی، شادی ہال پہنچتے ہی فارحہ ان دونوں سے پہلے اندر چلی گئی، ان دونوں کو ایک ساتھ اندر آتا دیکھ کر بہت سے لوگوں کی نظریں ان کی جانب اٹھی تھیں، وہ دونوں اس ٹیبل پر آ گئے جہاں ان کی فیملیز موجود تھیں، کوثر بیگم نے ان دونوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا جبکہ شمیم بیگم کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو گیا تھا، انہیں زرفشاں شروع ہی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی وہ زیادہ دیر ان دونوں کو اکٹھا نہ دیکھ سکتی تھیں سو وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی ان کی اس حرکت کو سب نے ہی نوٹ کیا تھا، کچھ ہی دیر میں زرفشاں کے تقریباً سارے کزنز نے ان کی ٹیبل پر دھاوا بول دیا تھا، کوثر بیگم بھی کچھ دیر بعد معذرت کرتیں اپنی بہن کے پاس چلی گئیں تھیں۔
"زرفشاں کے ہوتے ہوئے زید تو کسی اور کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا۔" زرفشاں کا کزن عمر شرارت سے بولا۔
"ہاں تو جب اتنے خوبصورت لوگ میری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں تو میں نے لازمی تم لوگوں کی طرف دیکھ کر اپنا دل خراب کرنا ہے۔" زید نے بھی بلا جھجک کہہ دیا بہت سے قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے تھے، زرفشاں نے ایک بڑی گھوری زید پر ڈالی جسے وہ بڑی خوبصورتی سے نظر انداز کر گیا۔
"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو؟ زرفشاں واقعی بہت خوبصورت ہے۔" عمر کی بہن نے لقمہ دیا۔
"خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے ہینڈسم، پرسنیلٹیڈ اور ڈیشنگ تو میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔" زید نے فخریہ انداز میں کہا۔
"اور تم لوگوں کو پتہ ہے میری پرسنیلٹی پر تو زرفشاں مرتی تھی اس نے چچا جان سے کہہ کہہ کر یہ رشتہ کروایا تھا، مجھے بھی اس پر ترس آ گیا میں نے سوچا یہ لڑکی میری محبت میں کہیں خودکشی نہ کر لے اس لئے فوراً حامی بھر دی، ورنہ میرے جیسے لوگ عام لڑکیوں کے نصیب میں تھوڑی ہوتے ہیں۔" زید نے جھوٹ بولنے کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے سب نے بے اختیار بلند و بالا قہقہہ لگایا تو زید کھسیانہ سا ہو کر ہنس دیا۔
"جاؤ میاں جاؤ یہ باتیں جا کر انہیں بتاؤ جو

تمہارا رشتہ دار نہ ہو، پورے خاندان کو معلوم ہے یہ زید کیسے زرفشاں کے پیچھے لٹو ہوا پھرتا تھا اور اس نے کتنی منتوں سے یہ رشتہ کروایا ہے۔" اب کی بار جواب زرفشاں کے بڑے بھائی بلال نے دیا تو شرم کے مارے زرفشاں کا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا۔

"زید اب مزید ایک لفظ نہ بولنا۔" زید کو دوبارہ منہ کھولتے دیکھ کر زرفشاں دبی دبی آواز میں غرائی، اس کی اپنے بھائیوں کے ساتھ جتنی مرضی فرینکنیس تھی لیکن ان کی موجودگی میں ایسی باتیں؟ زرفشاں کے ایک بار کہنے پر ہی زید کے ہونٹوں پر قفل لگ گیا تھا۔

"فارحہ مجھ سے یہ بات لکھوا لو زید شادی کے بعد پکا جورو کا غلام بنے گا۔" عمر زید کو بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"تم شادی کے بعد کی بات کر رہے ہو یہ تو ابھی سے اس کا پکا پکا غلام ہے۔" فارحہ بھی کسی سے کم نہ تھی، فارحہ کی بات پر سب کے ساتھ ساتھ زرفشاں بھی اپنی ہنسی پر کنٹرول نہیں رکھ سکی تھی، زید نے ایک ہلکی سی چپت فارحہ کے سر پر لگائی، ان کے ٹیبل سے کچھ فاصلے پر دو نظریں مسلسل زرفشاں کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں، غصے سے نفرت سے۔

☆☆☆

ایگزام ختم ہونے کے بعد زرفشاں نے سکون کا سانس لیا تھا، لیکن یہ الگ بات تھی کہ وہ گھر پر فارغ رہ کر بہت بور ہوتی تھی، گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد جب اسے کرنے کو کوئی کام نہ ملا تو وہ اپنی وارڈ روب سیٹ کرنے لگی، اپنی الماری صاف کرتے ہوئے اسے پانچ چھ سوئیاں ملیں تو وہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگی، کیونکہ اس کے کمرے میں ایسی چیزیں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی تھیں، پھر یہ سوچ کر "امی نے رکھی ہوں گی" کمرے میں مو... ڈسٹ بن میں پھینک دیں اور پھر سے اپنے ... میں مگن ہو گئی، اپنے کپڑے سیٹ کرتے ہو... اس کی نظر ریڈ کلر کے سوٹ پر پڑی جو اس ... بڑے بھائی نے کچھ عرصہ پہلے اپنی جاب کی ... میں اسے دلوایا تھا، وہ بڑے مان سے اس سوٹ ... پہنتی تھی، اس کا بہت دل کرتا تھا کہ وہ اس سو... کو پہنے لیکن تقریباً پچھلے ایک مہینے سے اس ... دوپٹہ نہیں مل رہا تھا اور پھر وہ اپنے ایگزامز ... اتنی بزی ہو گئی کہ اپنی امی سے بھی پوچھ نہ سکی ... سوٹ لیے ان کے کمرے میں چلی گئی تا کہ ... سے پوچھ سکے۔

"امی آپ نے اس سوٹ کا دوپٹہ کہیں دیکھا ہے؟"

"نہیں بیٹا یہیں کہیں ہو گا مل جائے گا" کوثر بیگم عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔

"بہت ڈھونڈا ہے لیکن نہیں ملا، خیر چھوڑیں میں نیا لے لوں گی آپ بتائیں آپ چائے ... گی؟" کوثر بیگم کو بیڈ پر نیم دراز ہوتا دیکھ کر ... نے پوچھا۔

"مجھے ابھی طلب نہیں ہو رہی میں کچھ ... آرام کرنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے ہاتھ ... پکڑی تسبیح سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"اوکے آپ ریسٹ کریں میں ... ہوں۔" کمرے کی لائٹس آف کر کے وہ ... کچن میں آ گئی، اس نے پہلے اپنے لیے چائے بنائی پھر کپ لے کر ٹیرس پر ٹہلنے آ گئی، تیز ہوا کی وجہ سے سیڑھیوں کا دروازہ بار بار ہل رہا تھا اور شور پیدا کر رہا تھا، زرفشاں نے آگے بڑھ کر ... جانب سے لاک لگا لیا، وہ تیز ہوا میں اڑتے اپنے دوپٹے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس

کی آنکھوں پر پیچھے سے کسی نے ہاتھ رکھ دیئے۔

''میں Guess کرتی ہوں کہ تم کون ہو؟'' ذرفشاں کہتے ہوئے سوچنے لگی۔

''تم ضرور بلال بھائی یا فارحہ ہو۔'' وہ اپنی آنکھوں پر موجود انگلیوں کو ہاتھ لگا کر اندازہ کر رہی تھی، اس کے ایک ہاتھ میں ابھی بھی چائے کا کپ تھا، جب پیچھے سے کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنی آنکھوں پر موجود ہاتھوں کو پوری قوت سے ہٹایا اور مڑ کر دیکھا تو وہ سانس لینا بھول گئی تھی اسے یوں محسوس ہوا جیسے پوری زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی ہو اس کے پیچھے کوئی بھی موجود نہ تھا، اس نے ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں کی طرف دیکھا تو اسے یاد آیا کہ اس نے اندر کی طرف سے دروازہ پر لاک لگایا تھا کوئی چاہ کر بھی اوپر نہیں آ سکتا تھا، اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ گر کر ٹوٹ گیا وہ تقریباً بھاگتے ہوئے دروازے تک پہنچی تھی، اس نے آگے بڑھ کر جلدی سے لاک کھول دیا، اسے حیرت کا شدید جھٹکا تب لگا جب دروازہ نہیں کھلا تھا اس نے دو تین بار کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ باہر سے لاکڈ تھا گھبراہٹ کے مارے اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا، جب وہ پوری طرح دروازہ کھولنے کی طرف متوجہ تھی تب اس کے کان کے پاس آ کر کسی نے تالی بجائی تھی، دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ پل بھر کو ساکت رہ گئے، اس نے مڑ کر دیکھا اور شاکڈ رہ گئی، وہاں اب بھی کوئی نہ تھا ہر سو سناٹا چھایا ہوا تھا شام کے سائے بھی گہرے ہو رہے تھے، خوف کے مارے اسے پسینہ آنے لگا، اس کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنا شروع ہو گئے تھے جب کافی تگ و دو کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا تو اس نے روتے چلانا شروع کر دیا اتنا تو وہ جانتی تھی کہ اس وقت گھر پر صرف کوثر بیگم ہی موجود تھیں جو کہ اپنے کمرے میں نیم دراز تھیں، ڈر کی وجہ سے اس کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکل رہی تھی، پھر اپنی ہمت مجتمع کر کے وہ پوری قوت سے چلائی، کچھ ہی دیر بعد اسے کسی کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اس کے بالکل سامنے ملک جنید کھڑے تھے۔

''پاپا۔'' وہ ڈری سہمی فوراً ان کے گلے جا لگی۔

''کیا ہوا میری چندا ایسے کیوں رو رہی ہو؟'' وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر آئے تھے اور فون میں مصروف تھے جب انہیں ذرفشاں کے چلانے کی آوازیں آئیں، وہ فوراً اوپر آئے تھے۔

''پاپا پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے لیں جائیں۔'' وہ روتے ہوئے بے ربطگی سے بول رہی تھی، جنید صاحب بھی مزید کوئی سوال کئے بغیر اسے خود سے گلے لگائے نیچے لے آئے، کوثر بیگم بھی پریشان سی لاؤنج میں کھڑی تھیں، ملک جنید نے اپنی بیوی کو اشارے سے کوئی بھی سوال پوچھنے سے منع کر دیا تھا کچھ دیر بعد جب ذرفشاں کے حواس نارمل ہوئے تو اس نے ان دونوں کو ساری بات بتا دی۔

''میں نے اسے کتنی بار منع کیا ہے کہ اس ٹائم اکیلی چھت پر نا جایا کرو مگر یہ میری سنتی کہاں ہیں۔'' کوثر بیگم غصے اور ڈر کے ملے جلے احساسات کے زیر اثر بولیں۔

''میں اسے سمجھا دیتا ہوں تم جا کر ذرا میرے لئے چائے بنا دو۔'' ملک جنید نے بہانے سے کوثر بیگم کو یہاں سے بھیج دیا تھا۔

''میں بس اتنا کہوں گا کہ آج کے بعد آپ مجھ چھت یا کہیں بھی اکیلی نظر نہ آئیں۔'' ذرفشاں ابھی تک صوفے پر بیٹھے ہوئے ان کے

گلے لگی ہوئی تھی۔
"آپ سمجھ رہی ہیں نہ کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے اسنے پیار کرتے ہوئے کہا تو ذرفشاں نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ ابھی تک حیران و پریشان تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

☆☆☆

آج اتوار تھا تو تقریباً سارے مرد ہی گھر پر موجود تھے، ابھی ان سب لوگوں نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا تھا، ذرفشاں کھانے کی ٹیبل سمیٹ رہی تھیں جب اس کی نظر سیڑھیوں سے اوپر آتے اپنے تایازاد زید اور فارحہ پر پڑی۔
"پاپا دیکھیں کون آئے ہیں؟" ذرفشاں کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا کیونکہ ملک احمد اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے بہت کم اوپر آتے تھے۔
"السلام علیکم بھائی جان۔" ملک جنید فوراً اٹھ کر ان کے پاس گئے تو ان کی تقلید کرتے ہوئے بلال، ذرفشاں اور فیصل نے بھی سلام کیا۔
"وعلیکم السلام جیتے رہو میرے بچو۔" وہ اپنے ازلی مشفقانہ انداز میں بولے، وہ سب لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھ چکے تھے، کوثر بیگم نے ذرفشاں کو چائے بنانے کے لیے بھیج دیا، کچھ دیر بعد ذرفشاں چائے کے ساتھ بہت سے دوسرے لوازمات بھی لائی تھی۔
"میری بیٹی نے چائے تو بہت اچھی بنائی ہے۔" ملک احمد تعریف کیے بنا نہ رہ سکے۔
"یہ چائے آپ کو اس وجہ سے اچھی لگ رہی ہے کیونکہ یہ میں نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑائی تھی ورنہ اس چائے میں تو کچھ بھی خاص نہیں ہے۔" زید ذرفشاں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"تمہارے ہاتھوں کی چائے اور مزے دار، لگتا ہے اپنا پچھلا کارنامہ بھول گئے ہو۔" ملک احمد بھی اس کی شرارت کو سمجھ گئے تھے۔
"پاپا میں تو مذاق کر رہا تھا۔" زید نے فوراً سے پہلے پینترا بدلا۔
"تایا جان بتائیں کہ اس نے کون کارنامہ سرانجام دیا تھا۔" ذرفشاں کسی بھی طرح اس موقع کو ہاتھ سے جانے نا دینا چاہتی تھی۔
"ذرفشاں تمہارا رزلٹ کب ہے۔" زید نے بات ہی بدل دی مبادا ملک احمد کچھ بتا ہی دیں۔
"اگلے مہینے اور اب بات بدلنے کی کوشش نہ کرنا، تایا جان پلیز بتائیں نا۔" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب ہوئی تو زید بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گیا سب کی نظریں ملک احمد پر جمی تھیں۔
"میں نے ایک بار اس بے وقوف سے کہ تمہاری امی اور بہن گھر پر نہیں ہیں تو آج کھانے کا انتظام تم کرلو تو یہ فوراً مان گیا میں بھی سوچا کہ آج کل کا نوجوان ہے کچھ نہ کچھ تو بنا ہی لے گا۔" وہ سانس لینے کو رکے سب توجہ سے ان کو سن رہے تھے سوائے زید کے۔
"ایک گھنٹے بعد یہ موصوف میرے پاس ایک جلی ہوئی روٹی پھیکا آملیٹ اور چائے لائے میں نے بھی صبر شکر کرکے روٹی اور آملیٹ کھا لیا۔" وہ بات کرتے کرتے پھر سے خاموش ہو گئے۔
"اور چائے؟ وہ کیسی بنی تھی۔" ذرفشاں سے ان کا ایسے خاموش ہو جانا برداشت نہ ہوتو وہ فوراً بولی۔
"بس یوں سمجھ لو کہ ایک طرف میرے بیٹے کے ہاتھوں کی بنی چائے ہوتی اور دوسری طرف

زہر...... تو میں زہر پی لیتا۔" انہوں نے ایسے انداز میں اپنی بات مکمل کی کہ ایک دم فضا میں سب کے قہقہے گونج اٹھے، صرف زید ہی سپاٹ چہرہ لئے بیٹھا تھا۔

"خدا گواہ ہے اس ایک وقت کے کھانے کی وجہ سے مجھے تین دن مسلسل ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا تھا۔" وہ ہنس ہنس کر سب کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا، جبکہ ذرفشاں کی آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئے تھے، سفید رنگت سرخ گال اور خوبصورت گلابی ہونٹوں کے ساتھ ہنستے ہوئے وہ غضب کی پیاری لگ رہی تھی، زید بے اختیار ہی اسے دیکھے گیا۔

"پاپا مجھے ایک کام ہے میں چلتا ہوں۔" زید اٹھتے ہوئے بولا وہ جانتا تھا کہ اب یہاں اس کے ایسے بہت سے کارنامے دہرائے جائیں گے۔

"سارے کام بعد میں کرنا، ابھی یہاں چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ملک احمد نے ایک بار کہا تو زید ان کے آگے چوں بھی نہ کر سکا اور چپ چاپ دوبارہ بیٹھ گیا، وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے، جبکہ ان کے گھر سے کوسوں دور ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کے گھنگھریالے گندے بال کندھوں سے نیچے آتے تھے اپنا عمل شروع کر چکا تھا، اس کی داڑھی اس کے سینے تک آتی تھی وہ بھی بالوں کی طرح انتہائی گندی تھی، ایک پرانی بنیان اور شلوار پہنے وہ بہت غلیظ نظر آ رہا تھا، اس کے چہرے پر حد درجہ سفاکی تھی، لیکن یہ گندگی سفاکی اور غلاظت ہی تو اس کے شیطانوں کو خوش کرتی تھی سپاٹ چہرہ لئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے ایک کٹھ پتلی پر سوئیاں لگا رہا تھا اب بہت جلد اس کا یہ کالا عمل رنگ لانے والا تھا۔

☆☆☆

ذرفشاں رات کو کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آئی تو ایک لڑکی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کو برش کر رہی تھی۔

"ارے فارحہ تم کب آئی؟" ذرفشاں حیرت سے اس کی پشت کو دیکھتے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اور تم نے بالکل میرے جیسا ڈریس پہنا ہوا ہے، یہ تم نے کب لیا؟" ذرفشاں نے غور سے اس کا ڈریس دیکھا وہ ہو بہو اس کے جیسا تھا۔

"فارحہ تمہارے بال کتنے لمبے ہو گئے ہیں۔" ذرفشاں نے ایک اور سوال کرتے ہوئے اس کے خوبصورت بالوں کی طرف دیکھا جو کہ کمر کو چھو رہے تھے، فارحہ کے بال کبھی بھی اتنے لمبے نہ رہے تھے وہ ہمیشہ شولڈر کٹ ہی رکھتی تھی۔

"اب منہ سے کچھ بولو بھی کہ تم نے روزہ رکھ لیا ہے؟" فارحہ کو بالوں میں مسلسل برش کرتا دیکھ کر وہ بے زاری سے کہتی اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن جب اس نے پھر جواب نہ دیا تو ذرفشاں نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اس کی پشت کو دیکھا اور اس کی پشت کو دیکھ کر وہ گنگ رہ گئی، فارحہ کے بال گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔

"ابھی تمہارے بال کمر تک تھے اور ابھی اتنے بڑے کیسے ہو گئے؟" ذرفشاں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اس نے ابھی بھی جواب نہ دیا تھا، ذرفشاں نے اس کا چہرہ شیشے میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کا آدھے سے زیادہ چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"ضرور مجھے ڈرانے کے لئے اس نے وگ لگائی ہو گی۔" ذرفشاں اپنی مسکراہٹ دباتی اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں ذرا بھی نہیں ڈری۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ لڑکی بنا اپنے

پاؤں ہلائے پوری اس کی جانب گھومی تھی اور اس کو یوں پلٹتا دیکھ کر زرفشاں جنید اپنی جگہ منجمد ہو گئی اس کے سامنے ہو بہو اس کی شکل کی لڑکی کھڑی تھی، اس کی بڑی بڑی آنکھیں دودھ کی مانند پوری سفید تھی اس کا دایاں رخسار جلد کے بغیر تھا اور اس میں سے سارا گوشت نظر آ رہا تھا، اس کے زخمی رخسار سے کیڑے اندر اور باہر جا رہے تھے اس کے ہونٹ سیے ہوئے تھے اور اس میں سے خون رس رہا تھا، زرفشاں نے ڈرتے ڈرتے اس کے پاؤں کی جانب دیکھا اور وہ دم بخود رہ گئی اس کے پاؤں الٹے اور ہوا میں معلق تھے، ایک زور دار چیخ زرفشاں کے گلے سے نکلی تو اس لڑکی نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے پکڑ لیا اور پوری قوت سے دبانے لگی، اس کے ہاتھ اس قدر بدصورت تھے کہ زرفشاں ان کو چھونے سے ڈر رہی تھی، لیکن اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا اس نے پوری قوت سے اپنی گردن اس کے بد صورت ہاتھوں سے آزاد کروائی، بے پناہ ناخنوں کے نشان اس کی گردن پر پڑ چکے تھے اور ان میں سے خون رس رہا تھا، زرفشاں موقع ضائع کیے بغیر پھر حلق کے بل چلاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی، تبھی اس لڑکی نے اسے بازو سے پکڑا اور بالوں سے پیچھے کھینچا، زرفشاں کے کچھ بال ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئے اس نے پوری قوت سے ایک تھپڑ زرفشاں کے منہ پر دے مارا، وہ بل کھا کر زمین پر گری تھی، تب ہی دھاڑ سے زرفشاں کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر سب اپنی اپنی جگہ منجمد رہ گئے تھے، زمین پر زرفشاں کے بال جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے اور ایک کونے میں خون سے لت پت زرفشاں بے ہوش پڑی ہوئی تھی، سب سے پہلے بلال ہوش میں آیا تھا اس نے فوراً آگے بڑھ کر زمین پر بے سدھ پڑی زرفشاں کو اٹھایا اور بیڈ پر لٹا دیا۔

"زید ڈاکٹر کو کال کرو۔" وہ تقریباً چیختے ہوئے بولا۔

"زید تمہیں سمجھ نہیں لگ رہی کہ میں کیا بکواس کر رہا ہوں ڈاکٹر کو کال کرو۔" زید کو اسی پوزیشن میں کھڑا دیکھ کر وہ دوبارہ چیخا، رات کے دس بجے سب ہی گھر پر موجود تھے، سب سونے کی تیاری کر رہے تھے جب زرفشاں کے کمرے دل دہلا دینے والی آوازیں آئیں تھیں اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ نیچے موجود تمام نفوس نے بخوبی سن لی تھی اور وہ بھی اوپر آ گئے تھے غیر متوقع طور پر نسیم بیگم بھی یہیں موجود تھیں زید نے جواب دیے بنا فون نکالا اور جلدی سے نمبر ڈائل کرنے لگا، فیصل اور فارحہ ڈرے سہمے سے ایک کونے میں موجود تھے جبکہ کوثر بیگم ملک احمد اور ملک جنید زرفشاں کے سرہانے کھڑے تھے، زید ابھی بھی بے یقینی کے عالم میں دروازے پر اسی پوزیشن پر کھڑا تھا کچھ دیر بعد ڈاکٹر آئی تو کوثر بیگم کے علاوہ سب کمرے سے نکل گئے، تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب ڈاکٹر گئی تو سب دوبارہ کمرے میں آ گئے۔

"ڈاکٹر کہہ رہی ہے کسی چیز سے ڈر گئی ہے فی الحال تو اس نے انجکشن لگا دیا ہے لیکن کہہ رہی تھی کہ صبح اسے ہاسپٹل لے کر آئیں تاکہ پراپر چیک اپ ہو سکے۔" کوثر بیگم کی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

"لیکن میری بیٹی کو ہوش کب آئے گا۔" ملک جنید بمشکل بولے اپنی اولاد کو تکلیف میں دیکھنا کوئی آسان کام تو نہ تھا اور وہ اولاد جو سب سے زیادہ لاڈلی ہو۔

"اس نے نیند کا انجکشن لگایا ہے کہہ رہی تھی

...ب صبح ہی ہوش آئے گا۔" انہوں نے ایک نظر
...ی بیٹی کے زخمی چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے
...ہا، شمیم بیگم کے علاوہ سب نے وہ رات پریشانی
...ے عالم میں گزاری تھی، ان کے لئے ذرفشاں
...ی اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس کے لئے اپنی
...ند قربان کرتیں، یہ سوچ کر کہ اب ان کو اس
...شتے کو ختم کرنے میں آسانی ہوگئی مطمئن ہو کر سو
گئیں۔

☆☆☆

صبح ذرفشاں کے ہوش میں آنے کے بعد سب کی جان میں جان آئی تھی ملک احمد نے سب کو سختی سے منع کیا کہ جب تک ذرفشاں خود کوئی بات نہ بتائے تب تک کوئی اس سے سوال نہ کرے، سب اس حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھے اور ذرفشاں نے بھی جیسے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی وہ پہروں ایک ہی چیز کو گھورتی رہتی اور عام سوالوں کے جواب بھی ہوں ہاں میں دے رہی تھی۔

فارحہ، بلال اور فیصل وقفے وقفے کے بعد اس کو باتوں میں مگن کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ ہر بار ناکام ہی ہوئے تھے، اگلے دن بلال ضد کر کے اسے اپنے ساتھ ہاسپٹل لے گیا اور اس کا پورا چیک اپ کروا کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد گھر لوٹا تھا، وہ دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے ہی تھے کہ انہیں ملک احمد اور شمیم بیگم کی بحث کی آواز آئی، اپنا نام سن کر ذرفشاں چونک گئی تھی اس نے اپنے بھائی کو ایسے دیکھا جیسے یہاں رکنا چاہتی ہو، اپنی بہن کی بات نہ مان کر بلال اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا سو وہ بھی وہیں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"زید ہوش کے ناخن لو اس لڑکی پر سایہ ہو گیا ہے ابھی بھی وقت ہے ہم یہ بات یہیں ختم کر دیتے ہیں۔" ان کی باتوں سے اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ زید بھی اندر موجود ہے۔

"امی یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟" زید تڑپ کر بولا۔

"دیکھو بیٹا میں جانتی ہوں کہ تم اسے پسند کرتے ہو لیکن پسند بدل بھی تو جاتی ہے اور خدانخواستہ کل کو اس کا سایہ میری فارحہ پر پڑ گیا تو میں کیا کروں گی؟" وہ بے حد سفا کی سے گویا ہوئیں۔

"اس کا سایہ چاہے میری بیٹی پر پڑے یا پوری برادری پر، مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آج میری بیٹی مشکل میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم غیروں کی طرح منہ پھیر لیں؟" تایا جان کی آواز سن کر ذرفشاں کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی وہ اس سے کتنا پیار کرتے تھے اور زید؟

"میں بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ......"

"ایک بات میری تم دونوں کان کھول کر سن لو زید کی شادی ذرفشاں سے ہی ہوگی اور اگر یہ الو کا پٹھا تمہاری باتوں میں آ بھی گیا تو میں اس کی بھی ٹانگیں توڑ دوں گا اور تمہیں بھی طلاق دے دوں گا اور تم دونوں جانتے ہو یہ سب کرنا میرے لئے کتنا آسان ہے۔" ملک احمد شمیم بیگم کی بات کاٹتے ہوئے قطعی لہجے میں بولے تو شمیم بیگم کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مترادف ہوگئی، بلال نے آگے بڑھ کر ذرفشاں کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی کوئی تکرار کیے بنا اوپر چل دی لیکن زید کا نا بولنا اسے بری طرح کھلا تھا۔

☆☆☆

ذرفشاں بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی جب زید دروازہ ناک کرتا اندر آ گیا، اس کو دیکھ کر ایک تلخ مسکراہٹ ذرفشاں کے ہونٹوں پر رینگی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" زید بیڈ پر اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔
"ٹھیک ہوں۔" ذرفشاں فقط اتنا بولی زید نے غور سے اس کا جائزہ لیا اس کے چہرے پر جگہ جگہ چوٹ کے نشانات تھے، اس کی آنکھوں کے اردگرد حلقے بھی پڑے ہوئے تھے اس کا رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا اور وہ پہلے سے بہت کمزور نظر آ رہی تھی۔
"میں تم سے ایک بات کرنے آیا ہوں۔" وہ بنا تمہید باندھے سیدھا اصل بات پر آیا۔
"اس سے پہلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"
"اوکے پہلے تم بات کر لو۔" زید بحث کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔
"تائی جان جہاں چاہتی ہیں تم وہیں شادی کر لو، میری طرف سے تم پریشان مت ہونا بلکہ میں ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں گی۔" یہ بات کرتے ہوئے ذرفشاں کا دل کانپ اٹھا تھا مگر وہ بظاہر نارمل رہی اور اس کی بات سن کر زید حق دق رہ گیا۔ اس کو علم نہ تھا کہ ذرفشاں ان کی ساری باتیں سن چکی ہے۔
"تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے شادی کروں گا؟ تم میری پہلی اور آخری محبت اور اس بات کو جتنی جلدی ذہن میں بٹھا لو اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہو گا۔" زید کو نا چاہتے ہوئے بھی غصہ آ گیا مگر وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔
"زید تم سمجھ نہیں رہے میں اب ویسی نہیں رہی جیسے پہلے تھی۔" زید کو اس طرح غصہ کرتا دیکھ کر اس کے دل کو سکون مل گیا تھا، اس کے سارے شک و شبہات اپنی موت آپ مر گئے تھے۔

"کیا مطلب پہلے جیسی نہیں رہی؟ تمہارے پر نکل آئے ہیں؟" وہ طنزیہ بولا۔
"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ......"
"مہربانی فرما کر اپنے خیالات اپنے محدود رکھا کرو اور یہ تم اکیلی بیٹھ کر کیا الٹا پٹانگ سوچنے لگ گئی ہو؟ ابھی چچی سے کہتا ہوں کہ تمہیں کام پر لگائیں بہت دیکھ لئے تمہارے نخرے ہم نے۔" زید اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔
"اب تم رائی کا پہاڑ بنا رہے ہو۔" ذرفشاں منہ بنا کر گویا ہوئی۔
"میں رائی کا پہاڑ بنا رہا ہوں میں۔" ابھی تک اس کی بات پر غصے میں تھا۔
"اچھا ساری باتیں چھوڑو یہ بتاؤ تم بات کرنے آئے تھے۔" ذرفشاں اس سے الجھنا نہیں چاہتی تھی۔
"تم مجھے بتاؤ کہ اس دن تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟ ایک ایک چیز شروع سے آخر تک۔" سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
"تم نے پہلے کون سا یقین کیا تھا جواب کرو گے۔" اور ذرفشاں کی بات سن کر زید کے ذہن میں جھماکا ہوا ذرفشاں نے اسے پہلے بھی یہ بات بتائی تھی اور اسے ساتھ ہی ساتھ اپنی عقل پر افسوس ہوا کہ اس نے کیسے ذرفشاں کا مذاق بنایا تھا۔
"وعدہ کرتا ہوں اب یقین کروں گا۔" وہ مضطرب لہجے میں گویا ہوا تو ذرفشاں نے طویل سانس لیتے ہوئے اسے پوری بات من و عن سنا دی، اس کی باتیں سن کر زید کتنی ہی دیر شل دماغ کے لئے کچھ بول ہی نہ سکا، زید کے پاس اب یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ زخموں کے جو نشان ذرفشاں کے چہرے اور بازو پر

کسی عام انسان کے دیے زخم نہیں لگتے تھے۔
''اور یہ بات کس کس کو معلوم ہے؟'' زید کافی دیر بعد بولا۔
''ہماری فیملی کے علاوہ صرف تمہیں۔''
''اب یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہیے میں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لوں گا۔'' وہ مزید گویا ہوا۔
''اور تائی جان۔'' ذرفشاں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔
''تم ان کی فکر نہ کرو ان کو پاپا سنبھال لیں گے تم بس اپنا دھیان رکھا کرو کسی کام کو کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور کوشش کرنا کہ کہیں بھی اکیلی نہ رہو۔'' وہ گھڑی دیکھتے ہوئے فکرمندی سے بولا تو ذرفشاں پھر سے مسکرا دی، کہاں وہ ابھی چچی سے کہہ کر کام کروانے کا کہہ رہا تھا اور کہاں اسے کسی کام کو نا کرنے کا حکم دے رہا تھا۔
''ایسے ہی مسکراتی رہا کرو۔'' اس کو کافی دن بعد مسکراتا دیکھ کر وہ دل سے خوش ہوا تھا۔
''کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو بلا جھجک بلال کو کہہ دینا مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا کھڑا ہو گیا تو ذرفشاں کھل کر مسکرا دی۔
''نہیں کہتی۔'' زید سے اپنے دل کی باتیں کر کے وہ کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔
''اب میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔'' ایک پیار بھری نظر اس پر ڈال کر وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آیا در حقیقت وہ ابھی تک ذرفشاں کی بتائی باتوں سے سنبھل نہ پایا تھا، ان ہی سوچوں میں گم وہ بری طرح کسی سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا تھا۔
''سوری بلال۔'' وہ سنبھل کر کھڑا ہوا۔
''اٹس اوکے۔'' بلال نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔
''کیا ہوا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' بلال کا اکھڑا اکھڑا لہجہ زید سے ہضم نہ ہوا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔
''نہیں۔'' وہ پھر سے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔
''مسئلہ کیا ہے کیا تم بتانا پسند کرو گے؟'' زید کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا۔
''میں بتاتا ہوں مسئلہ کیا ہے مسئلہ میری بہن ہے۔'' بلال تیزی سے بولا۔
''کیا مطلب؟'' زید نے ناسمجھی سے بلال کو دیکھا۔
''دیکھو زید اگر تم کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کرو، ہم میں سے پلٹ کر تم سے کوئی سوال نہیں کرے گا ہماری بہن ہم پر کوئی بوجھ نہیں ہے کہ اسے بے قدرے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیں، اسی لئے بہتر یہی ہے کہ یہ بات ابھی سے طے ہو جائے۔'' بلال اپنی بات کر کے خاموش ہو گیا، زید کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے مگر وہ تحمل سے بولا۔
''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس بات پر غصہ ہو اور تمہارا غصہ جائز بھی ہے، لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہر مشکل وقت میں تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولا تو بلال کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔
''تم جانتے ہو ذرفشاں مجھے کتنی عزیز ہے، جب جب اسے تکلیف میں دیکھتا ہوں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' وہ فطری پریشانی سے گویا ہوا۔
''تم فکر نہ کرو ہم جلد اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیں گے۔'' زید نے بلال کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو بلال پھیکے سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

"زید تمہیں نہیں لگتا کہ ہم غلط جگہ پر آ گئے ہیں؟" ذرفشاں یہ بات پچھلے پندرہ منٹ میں کئی بار دہرا چکی تھی۔

"شش...... خاموش رہو۔" زید نے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو ذرفشاں منہ میں بڑبڑاتی خاموش ہو گئی، زید اسے آج زبردستی اپنے ساتھ کسی بابا جی کے آستانے پر لایا تھا، اس جگہ پر آکر ذرفشاں کافی بے چینی محسوس کر رہی تھی، مرغی کے ڈربے نما ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں بھانت بھانت کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"زید یہاں کا ماحول تو دیکھو ایسے لگتا ہے جیسے کسی فوتگی پر آئے ہوں۔" وہ کسی بھی طرح یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"تم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں بیٹھی جہاں تمہیں ساری سہولتیں ملیں۔" وہ دبی دبی آواز میں بولا تو ذرفشاں خاموش ہو گئی کچھ ہی دیر بعد ان کی باری آئی تو زید اس کمرے سے نکل کر آگے بنے ایک اور کمرے میں داخل ہو گیا، ذرفشاں بھی اس کی تقلید کرتی اندر داخل ہوئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ذرفشاں کی نظر سامنے بیٹھے شخص پر پڑی تو اس نے بے اختیار جھرجھری لی، اس آدمی نے کریم کلر کی شلوار قمیض کے ساتھ بہت سی مالائیں انگوٹھیاں اور کنگن پہن رکھے تھے، اس آدمی کے سامنے وہ دونوں اپنی ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئے، اس آدمی اور ان دونوں کے درمیان کچھ سوئیاں، دھاگے، مٹی، قلم، کاغذ اور کتابیں پڑی تھیں اگربتیوں کی خوشبو پورے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی، دن ہونے کے باوجود کمرے میں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ دونوں بمشکل ہی اردگرد کی چیزوں کو دیکھ سکتے تھے۔

"بابا جی میرا نام زید ہے اور یہ میری ذرفشاں ہے۔" زید نے بات کا آغاز کیا آدمی کی آنکھیں مسلسل بند تھیں۔

"زید ابھی بھی وقت ہے ہم واپس ہیں۔" جب کافی دیر بعد بھی بابا جی نے جواب دیا تو ذرفشاں اکتا کر بولی، زید نے ایک اسے ڈالی اور پھر بابا جی کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہم آپ کے پاس اسی وجہ سے......"

"اپنی ہم شکل سے مل کر تم کافی خوفزدہ تھی نا اس وجہ سے اس نے تم پر حملہ کیا تھا، بھی ایسی چیزوں سے سامنا ہو تو اپنا ڈر کبھی ان پر ظاہر نہ ہونے دو اس سے اُن کو اور شہ ہے۔" بابا جی نے زید کی بات کاٹتے ہ آنکھیں کھولیں اور ان کی بات سن کر وہ دونوں بکا رہ گئے، انہوں نے تو ابھی ایسی کسی بات کا تک نہیں کیا تھا۔

"آپ کو کیسے معلوم؟" ذرفشاں ب بولی۔

"ایسی باتیں صرف ہمارے موکل سکتے ہیں۔" استہزائیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا انہوں نے ذرفشاں کے ساتھ خالی جگہ پر دیکھا ذرفشاں ڈرتے ڈرتے زید کے اور ساتھ ہو بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"ڈرو نہیں وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا جن ساتھ پہلے سے چیزیں ہوں وہ ان کو کچھ کہتا۔" ذرفشاں کو ڈرتا دیکھ کر وہ مسکراتے ہو بولے۔

"کیا مطلب چیزیں؟" زید نے حیرا سے استفسار کیا۔

"تمہارا دوپٹہ کافی عرصہ سے گم انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی، ان بات سن کر ذرفشاں کے اوسان خطا ہو گئے اس

پیشانی پر پسینہ آنے لگا۔
''جی تقریباً دو مہینے سے۔'' اور زید ناسمجھی سے کبھی باباجی اور کبھی ذرفشاں کو دیکھ رہا تھا۔
''آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب اس کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟'' اتنا تو زید جان گیا تھا کہ یہ معاملہ اتنا بھی سیدھا نہیں جتنا وہ سمجھ بیٹھا ہے۔
''اپنا ہاتھ اس مٹی پر پھیرو۔'' باباجی نے سامنے پڑی مٹی کی طرف اشارہ کیا تو ذرفشاں نے جھجکتے ہوئے اس مٹی پر اپنا ہاتھ پھیرا، باباجی نے اس مٹی کو اپنی مٹھی میں لیا اور آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگے، ایک منٹ کے بعد باباجی نے مٹھی کھولی تو اس میں موجود مٹی پوری طرح کالی ہو چکی تھی۔
''کالا جادو...... کالے جادو کا وار کیا گیا ہے تم پر۔'' باباجی سکون سے کہتے ہوئے ان دونوں کو بے سکون کر گئے۔
''کس نے کروایا ہے؟ بس ایک بار مجھے اس کا نام بتا دیں میں آپ کو منہ مانگی رقم دوں گا۔'' زید جذباتی ہو کر بولا تو باباجی استہزائیہ ہنسی ہنس دیئے۔
''بیٹا جی کچھ چیزوں پر پردہ رہے تو ہی بہتر ہوتا ہے۔''
''لیکن پھر بھی آپ نام تو بتا ہی سکتے ہیں۔'' زید کسی ضدی بچے کی طرح کہہ رہا تھا جبکہ ذرفشاں کا حلق تک خشک ہو گیا تھا۔
''اگر میں تمہیں نام بتا دوں تو تم خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاؤ گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو۔'' باباجی نے تنبیہی انداز میں کہا تو مجبوراً زید کو خاموش ہونا پڑا۔
''اب ان سب مسائل کا کیا حل ہے؟'' کافی دیر بعد ذرفشاں بولی۔
''جس نے بھی یہ کام شروع کیا ہے اب وہ اسے مکمل کیے بغیر تو چھوڑے گا نہیں۔'' باباجی دائیں ہاتھ سے اپنی داڑھی کھجانے لگے۔
''پھر بھی اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ضرور ہوگا۔'' زید پریشانی سے گویا ہوا۔
''اس کے لئے کچھ وقت اور رقم لگے گی لیکن کام ہو جائے گا۔'' باباجی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔
''اوکے لیکن اس مسئلے سے جتنی جلدی ممکن ہو ہماری جان چھڑوائیں۔'' زید نے جیب سے والٹ نکال کر نیلے رنگ کے پانچ نوٹ باباجی کے ہاتھ میں دیئے۔
''ہاں ہاں کام ہو جائے گا۔'' پیسے کو دیکھتے ہی باباجی کی آنکھیں چمک اٹھیں، پیسے پاس پڑے باکس میں رکھ کر انہوں نے سامنے موجود کاغذ اور قلم اٹھایا اور اس پر کچھ لکھنے لگ گئے تقریباً دس منٹ بعد انہوں نے کچھ تعویذ زید کی طرف بڑھائے۔
''یہ تعویذ صبح وشام پانی میں ڈال کر بسم اللہ پڑھ کر پیتے رہیں اور ایک مہینے بعد پھر یہاں آنا ہے۔'' زید نے جھجکتے ہوئے وہ تعویذ پکڑ لئے اور ذرفشاں کے ساتھ باہر آ گیا۔
''تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ کون ہے جو مجھ سے اتنی زیادہ نفرت کرتا ہے کہ اس حد تک پہنچ گیا؟'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ذرفشاں نے استفسار کیا۔
''جو بھی ہے بس مجھے ایک بار اس کا نام پتا لگ جائے خدا کی قسم اسے زندہ درگور کر دوں گا۔'' زید غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔
''اب تم بے فکر رہو اور صبح وشام یہ تعویذ پیتی رہنا، اللہ ہمارے حق میں بہتر کرے گا۔'' ذرفشاں کو اطمینان دلاتے ہوئے زید نے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی تو ذرفشاں بس اثبات

میں سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

ان تعویذوں کے استعمال سے زرفشاں کو کافی فرق پڑا تھا، اس کے تقریباً سارے زخموں کے نشان بھی بھر چکے تھے، زید بھی اس حوالے سے بے فکر ہو گیا تھا، اس نے شکر کا کلمہ ادا کیا کہ فارحہ کی شادی کی وجہ سے اس کی امی نے دوبارہ ان دونوں کے رشتے کے حوالے سے کوئی بات نہ کی تھی، ابھی بھی وہ فارحہ کے ساتھ شاپنگ پر آیا تھا جب میٹرو کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ڈسپلے پر موجود خوبصورت سلور جوتے پر پڑی، فارحہ کو کپڑوں کی دکان میں بھیج کر وہ خود اس دوکان میں داخل ہوا اور اس جوتے کو خرید لیا، اس جوتے کو دیکھتے ہی اسے زرفشاں کے خوبصورت سفید پاؤں یاد آئے تھے اور اس نے ایک پل کی دیر کیے بغیر وہ جوتے خرید لئے تھے، جب وہ گھر واپس آیا تو اس نے وہ شاپر لاؤنج میں موجود صوفے پر فارحہ کے شاپنگ بیگز کے ساتھ رکھ دیا، نسیم بیگم باری باری فارحہ کی ساری شاپنگ دیکھ رہی تھیں تب ہی ان کی نظر اس جوتے پر پڑی تو وہ اس کو دیکھ کر سراہے بنا نہ رہ سکیں۔

"فارحہ یہ کس قدر خوبصورت ہے۔"

"یہ میں نے نہیں بھائی نے خریدا ہے۔"

فارحہ نے سرسری سے انداز میں کہا تو زید کھسیانہ سا ہو کر ہنس دیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرا بھائی میرے لئے لازمی شاپنگ کرے گا، مجھ سے پیار بھی تو بہت کرتا ہے۔" زید کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے وہ جوتا پہن لیا تو وہ بس لب بھینچ کر رہ گیا، اب وہ یہ کہہ کر کہ وہ یہ جوتے زرفشاں کے لئے لایا ہے، نیا فساد برپا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے خاموشی سے پاؤں پٹختا وہاں سے چلا گیا شادی کے ہنگاموں میں وہ اس قدر مصروف رہا تھا کہ وہ زرفشاں کو دوبارہ اس بابا جی کے پاس لے کر نہ جا سکا تھا، لیکن وہاں سے خود باقاعدگی سے تعویذ لاتا رہا تھا، اس کا خیال تھا کہ اب سب ٹھیک ہو گیا ہے اور یہ ہی اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔

☆☆☆

کوثر بیگم زرفشاں کے حوالے سے کافی پریشان تھیں، وہ اپنی جانب سے پوری کوشش کرتی تھیں کہ زرفشاں کو کہیں بھی اکیلے نہ چھوڑیں، زرفشاں بھی اب اکیلے رہنے سے ڈرتی تھی، کچھ دن تو وہ سوئی بھی کوثر بیگم کے ساتھ ہی تھی لیکن جب آہستہ آہستہ اس کا ڈر ختم ہونے لگا تو وہ دوبارہ اکیلی سونے لگی، رات کا نا جانے کون سا پہر تھا جب پیاس کی وجہ سے زرفشاں کی آنکھ کھلی تھی اس نے اٹھ کر لیمپ آن کیا اور سائیڈ ٹیبل کی طرف پانی کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن خالی جگ اس کا منہ چڑا رہا تھا، خالی جگ لئے اس کا رخ کچن کی جانب تھا پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا، ڈرتے ڈرتے آخر کار وہ کچن تک پہنچ ہی گئی تھی کچن میں پہنچ کر اس نے لائٹس آن کیں اور فریج سے پانی کی بوتل نکالی وہ جگ میں پانی انڈیل رہی تھی جب کچن کی کھڑکیاں آپس میں ٹکرائیں اس زوردار آواز کی وجہ سے پانی انڈیلتے زرفشاں کے ہاتھ ساکت رہ گئے اس نے ڈرتے ڈرتے کھڑکیوں کی جانب دیکھا اور ایک طویل سانس خارج کیا تیز ہوا کی وجہ سے کھڑکی کبھی کھلتی اور بند ہو رہی تھی اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں کو لاک لگا دیا اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی، اچانک اسے لاؤنج میں کسی کے تیز قدموں سے بھاگنے کی آواز آئی ابھی وہ یہ بھی نہ

سمجھ سکی تھی کہ کیا ہوا ہے اسے کچن کے دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، ڈر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کانپنے لگے، اس کا منہ خشک ہو گیا تھا اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ پلٹ کر دیکھ سکے کہ وہاں کون کھڑا ہے۔

''ذرفشاں تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اپنے بڑے بھائی بلال کی آواز سن کر ذرفشاں کی جان میں جان آئی۔

''وہ میں پانی لینے آئی تھی۔'' اس نے فوراً پلٹ کر جواب دیا۔

''آپ کو کچھ چاہیے؟'' وہ بہ مشکل بولی۔

''نہیں میں ذرا ایک کام سے باہر جا رہا ہوں تم بس امی کو بتا دینا نہیں تو وہ پریشان ہوں گی۔'' وہ تیزی سے کہتے ہوئے جانے کے لئے پلٹے۔

''لیکن آپ جا کہاں رہے ہیں؟'' ذرفشاں پریشانی سے گویا ہوئی۔

''ہاسپٹل جا رہا ہوں میرے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے شاید اسے میرے بلڈ کی ضرورت پڑے۔'' کہہ کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے تھے۔

''بھائی دھیان سے جانا۔'' وہ فطری پریشانی سے بولی تو وہ اثبات میں سر ہلاتے چلے گئے، ذرفشاں نے گھڑی کی طرف دیکھا، جو رات کے ساڑھے تین بجا رہی تھی، منفی سوچوں کو ذہن سے جھٹکتی وہ دوبارہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی، جب وہ صبح اٹھی تو اس کے ذہن میں فوراً بلال کا خیال آیا وہ کوثر بیگم کو بتانے کے لئے کمرے سے باہر نکلی تو سامنے تک سک سے تیار کھڑے بلال کو دیکھ کر حیران رہ گئی، اس کا خیال تھا کہ وہ دوپہر سے پہلے نہیں اٹھیں گے۔

''بھائی آپ اتنی جلدی اٹھ گئے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''میں تو روز ہی اس وقت اٹھتا ہوں۔'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، ذرفشاں بھی ذرا فاصلے پر ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''نہیں میرا مطلب ہے کہ رات آپ اپنے دوست کے پاس ہاسپٹل میں رہے ہیں تو مجھے لگا کہ شاید آج آپ آفس نہ جائیں۔''

''کون سا دوست؟ اور میں تو پوری رات گھر پر ہی تھا۔'' انہوں نے نا سمجھی سے ذرفشاں کو دیکھتے ہوئے اپنے سامنے موجود چائے کا کپ اٹھایا۔

''آپ رات کو کچن میں آئے تھے میرے پاس اور آپ ہی نے کہا تھا کہ......''

''ایک منٹ ذرفشاں میں رات کو ایک بار بھی نہیں اٹھا تھا ان فیکٹ میں رات کو ایک بار بھی نہیں اٹھا۔'' بلال اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا ان دونوں کی بحث سن کر کوثر بیگم بھی کچن سے باہر آ گئیں تھیں۔

''امی میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ذرفشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں جانتی ہوں میری بچی نا جانے ایسا کون سا ہے جس کو میری بچی سے دشمنی ہے۔'' کوثر بیگم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنا شروع ہو گئے، بلال بھی پریشان ہو گیا تھا، وہ تو سمجھا تھا کہ اب یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے لیکن نہیں، ابھی یہ معاملہ ختم نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

ایک عجیب قسم کا ڈر ہر وقت ذرفشاں کو گھیرے ہوئے تھا، اسے ہر وقت یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی اس کے پاس موجود ہے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، وہ اب تقریباً ہر روز سوتے ہوئے خواب میں ڈر جاتی تھی اور پھر رونا شروع

کر دیتی تھی، اس کی وجہ سے پورا گھر پریشان تھا. زید اسے کئی بار بابا جی کے پاس لے کر گیا تھا لیکن کوئی خاص فائدہ نہ ہوا تھا بہت سوچ بچار کے بعد زید نے اپنے ایک دوست سے اس مسئلے کا ذکر کیا تھا، وہ جانتا تھا کہ زید ذرفشاں کو پسند کرتا ہے اور یہ کہ کس طرح اس نے بضد ہو کر یہ رشتہ کروایا تھا، اس کے دوست نے اسے ایک کالا جادو کرنے والا شخص کا بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک بار وہاں جا کر دیکھ لے ہو سکتا ہے کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے، زید نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ وہاں ضرور جائے گا مگر اس کا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا وہ جانتا تھا کہ ایسے لوگ صرف پیسے بٹورنے کے لئے بیٹھے ہوتے ہیں اور جو شخص کالا جادو کر کے دوسروں کی زندگی اور اپنی آخرت خراب کرتا ہے وہ بھلا کس طرح کسی کی مدد کر سکے گا، ان ہی سوچوں میں گم وہ لان میں بیٹھا تھا جب اسے اوپر سے ذرفشاں کے چیخنے کی آواز آئی، وہ سب کچھ چھوڑ کر اوپر کی جانب بھاگا تھا اوپر سب کو کچن کی طرف جاتا دیکھ کر وہ بھی اسی طرف بھاگا تھا اور اندر ذرفشاں کو بے ہوش پڑا دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے اس وقت تقریباً سارے افراد ہی گھر پر موجود تھے، ملک جنید اسے اٹھا کر کمرے میں لے گئے، کچھ ہی دیر بعد ذرفشاں کو ہوش آ گیا تھا مگر اس کے ہونٹوں پر جیسے قفل لگ گیا تھا، وہ سب کو اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے ان سب کو جانتی ہی نا ہو، زید سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی، سو وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اس جادوگر کے پاس چلا گیا جس کے بارے میں اس کے دوست نے بتایا تھا، انسان بھی کتنا خود غرض ہے اپنے فائدے اور اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لئے صحیح اور غلط کی تمیز بھول جاتا ہے، بہت ہی ریش ڈرائیونگ کرتا وہ اپنے مطلوبہ ایڈریس پر پہنچا تھا تیز بارش بھی اس کو نہ روک سکتی تھی، تنگ تاریک گلیوں سے گزر کر وہ اس بوسیدہ مکان میں داخل ہو گیا بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی زمین پر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا خالی خالی نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا جب اس کی نظر زمین پر موجود سلور کلر کے جوتوں پر پڑی، اس جوتے کو دیکھ کر وہ گنگ رہ گیا، وہ ہو بہو ویسا جوتا تھا جو وہ ذرفشاں کے لئے لایا تھا جسے شمیم بیگم نے اپنا سمجھ کر رکھ لیا تھا، دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے شک کو غلط ثابت کرنے کے لئے وہ بجلی کی سی تیزی سے اس کمرے کی جانب بڑھا تھا جہاں وہ بابا بیٹھا تھا بہت سے لوگوں نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا مگر وہ سب کو نظر انداز کر کے پردہ اٹھا کر اندر جھانکنے لگا اور اندر اس بابا کے سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اسے لگا پورا آسمان اس کے سر پر آن گرا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کی امی شمیم بیگم تھیں، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کو دیکھ رہا تھا اگر کوئی اسے کہتا کہ ساری دنیا کے لوگ مر گئے ہیں صرف وہی زندہ بچا ہے تو وہ یقین کر لیتا مگر اس پر کبھی یقین نہ کرتا۔

"آپ کوئی ایسا عمل کریں کہ وہ لڑکی کبھی سر اٹھا کر جی نہ سکے اور پوری زندگی وہ اپنے ماں باپ کی دہلیز پر کنواری بیٹھی رہے۔" شمیم بیگم اردگرد کی پرواہ کیے بغیر زہریلے لہجے میں بول رہی تھیں یہ سوچے بغیر کہ ان کی اپنی بھی ایک بیٹی ہے۔

"اور کافی عرصے سے اس ذرفشاں کو کوئی دورہ بھی نہیں پڑا میں تو آپ کے پاس بڑی امید لے کر آئی تھی۔" بے حد سفاکی سے کہتی وہ شکوہ کر رہی تھیں۔

"ہم اپنا کام پورا کیے بغیر نہیں چھوڑتے اور

جہاں تک بات ہے دورہ نا پڑنے کی تو سن لو اسے میرے وار سے بچانے کے لئے کسی اور نے بھی اپنا عمل شروع کیا تھا جس کا اثر کچھ عرصہ ہی رہا، آخر کوئی عمل میرے کالے عمل کو کب تک کاٹ سکتا تھا۔" وہ شخص غصے اور حقارت کے ملے جلے تاثرات کے زیر اثر بولا۔

"مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے بس آپ ایک آخری وار کر دیں تا کہ میرا بیٹا اس کے چنگل سے آزاد ہو جائے۔" شمیم بیگم کی آواز بخوبی زید کے کانوں تک پہنچ رہی تھی، انہوں نے اب تک زید کو نا دیکھا تھا اس سے آگے زید سے مزید نا سنا گیا، اس نے ایک جھٹکے سے پردہ چھوڑا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس تنگ و تاریک مکان سے نکل کر اپنی کار تک پہنچا۔

"کچھ باتوں پر پردہ رہے تو ہی سب کے لئے بہتر ہوتا ہے۔" بابا جی کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"لیکن پھر بھی آپ نام تو بتائیں۔" وہ کیسے بضد ہو کر اس انسان کا نام جاننا چاہتا تھا۔

"اگر میں تمہیں نام بتا دوں تو تم خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاؤ گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خاموش رہو۔" بابا جی نے سچ ہی کہا تھا وہ واقعی خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"مجھے بس ایک بار اس کا نام پتا لگ جائے خدا کی قسم اسے زندہ درگور کر دوں گا۔" وہ کتنے یقین سے زرفشاں کو کہہ رہا تھا اس کے اندر کوئی اس پر ہی ہنسا تھا، وہ مرد تھا رونا نہیں چاہتا تھا مگر اس کے اعصاب کو اتنا زوردار جھٹکا لگا تھا کہ وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا اور بچوں کی طرح رو دیا۔

☆☆☆

زرفشاں کی حالت دن بدن مزید بگڑتی جا رہی تھی وہ پہروں ایک ہی چیز کو گھورتی رہتی اور کسی سے ایک بات تک نہ کرتی تھی وہ ہر وقت اپنے کمرے میں موجود رہتی تھی، اسے نا کھانے کا ہوش تھا اور نا پینے کا، وہ سوتی تو گھنٹوں سوتی اور جب جاگتی تو دو دو دن تک نہ سوتی تھی، اس کی یہ حالت کسی سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی اور زید...... زید تو اس سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہا تھا، زید نے شمیم بیگم سے کوئی بات نہ کی تھی اور ان سے کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا، کوثر بیگم زرفشاں کو دیکھ کر بہت بے بسی محسوس کرتی تھیں ان کی بیٹی ایسی تو نا تھی، ملک جنید کی بھی راتوں کی نیند اڑ چکی تھی، بلال اور فیصل الگ پریشان تھے ابھی بھی کوثر بیگم زبردستی زرفشاں کو اپنے ساتھ دم کروانے کے لئے ایک عورت کے پاس لائی تھیں، ان کی ملازمہ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود اس عورت کو بلانے چلی گئی تھی، یہ گھر کسی بنگلے سے کم نہ تھا، ڈرائنگ روم بھی بہت نفاست سے آراستہ کیا گیا تھا، دیواروں پر قرآنی آیات کی جا بجا پینٹنگز لگی ہوئی تھیں، زرفشاں کی نظریں ایک پینٹنگ پر ٹھہر سی گئیں جس پر "رب انی مغلوب فانتصر" لکھا تھا، ان پر لکھے الفاظ وہ زیر لب دہرانے لگی۔

"یہ میری ایک سٹوڈنٹ نے مجھے گفٹ کی تھی۔" اس عورت نے سلام کرنے کے بعد زرفشاں کو پینٹنگ کی طرف متوجہ دیکھ کر کہا تو زرفشاں اس عورت کو دیکھنے لگ گئی، اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی، سفید چہرے کے گرد حجاب کیے وہ بہت پرسکون نظر آ رہی تھیں۔

"یہ میری بیٹی ہے زرفشاں۔" کوثر بیگم نے بات کا آغاز کیا تبھی ملازمہ نے انہیں سوفٹ ڈرنک سرو کی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔" وہ عورت

جس کا نام مائدہ تھا مسکراتے ہوئے بولیں۔

''یہ اتنی خاموش کیوں ہے؟'' ذرفشاں کو مسلسل خاموش پا کر مائدہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں، کوثر بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انہوں نے آہستہ آہستہ انہیں ساری بات بتا دی۔

''میں اتنی تکلیف میں ہوں اللہ میری مدد کیوں نہیں کرتا۔'' ذرفشاں صبر کرتے کرتے تھک گئی تھی، اس کی آنکھوں سے بڑی روانی سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''بیٹا آپ نماز پڑھتی ہو؟'' اب کی بار مائدہ نے سیدھا ذرفشاں سے استفسار کیا، شرم کے مارے ذرفشاں کی گردن جھک گئی۔

''آپ میرے پاس دم کروانے آئی ہو دم میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، میرے دم سے کیا اثر ہو گا؟ جب آپ خود ہی اللہ کے پاس نہیں جاتیں اپنی حاضری نہیں لگواتیں، اللہ کے ہاں پانچ وقت جانا فرض ہے اگر آپ وہ نہیں کر سکتیں تو آپ کیسے شکایت کرتی ہو کہ اللہ آپ کی مدد نہیں کرتا، آپ اس کی مانتی ہیں جو وہ آپ کی مانے؟'' کہہ کر وہ پل بھر کو خاموش ہو گئیں۔

''آپ پر جادو کے اثرات ہیں یہ شیاطین کا عمل ہے، جادو برحق ہے ہمارے نبی پر ہوا تھا، اس جادو کے توڑ کے لیے ہی سورۃ الناس اور سورۃ الفلق نازل ہوئی تھی، ہمارے نبی نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت ہو اس گھر میں شیاطین نہیں آتے۔'' ذرفشاں دم سادھے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''آپ سب سے پہلے باوضو رہا کریں اور باقاعدگی سے نمازیں ادا کریں آدھے مسئلے تو اس سے حل ہو جائیں گے ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور سورتیں پڑھ کر دم کیا کریں اور روزانہ جتنا ہو سورۃ البقرہ کی تلاوت کیا کریں ان پر عمل کریں

مجھے یقین ہے آپ دوبارہ میرے پاس شفایا ہو کر آئیں گی۔'' ان کی باتیں ذرفشاں پر طاری کر رہی تھیں۔

''اس نے پہلے بھی بہت تعویذ استع کریں ہیں لیکن کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔'' بیگم نے لقمہ دیا۔

''میں تعویذوں کے متعلق کچھ نہیں کہہ میں آپ کو بس وہی باتیں بتا سکتی ہوں جو اللہ نبی کریم کے ذریعے ہم تک پہنچائی ہیں۔'' انہو نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''کیا ان سب چیزوں سے فرق پڑے گا؟'' ذرفشاں نے استفسار کیا۔

''ذرفشاں یہ کام شروع کرنے سے آپ ایک بار فیصلہ کر لیں کہ آپ نے اللہ کی پر چلنا ہے یا شیطان کی راہ پر؟'' انہوں نے بغ ذرفشاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ کی راہ پر۔'' ذرفشاں فوراً بولی۔

''تو پھر آپ اللہ پر بھروسہ کر کے یہ کا شروع کرو اور اس امید پر کہ آپ کو شفا وہی د گا اور ایسے ہی دے گا، قرآن پاک میں بھی بار اللہ پر توکل کا حکم دیا گیا ہے جب بھی آپ کمزور پڑنے لگو تو قرآن کھول لیا کرنا تسبیح کر نوافل پڑھنا اور بہت دعا مانگنا وہ آپ کو خالی ہا نہیں لوٹائے گا وہ دعائیں سنتا ہے یہ اللہ کا قول ہے اور وہ اپنے قول و وعدے سے پیچھے والا نہیں ہے اگر میری بات پر یقین نہیں تو قرآ پاک کھول کر پڑھ لو، سارے شک و شبہات ا وسوسے خود بخود دم توڑ جائیں گے۔'' ذرفشا مبہوت ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی اسے یو محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ باتیں اس کا دل کھول اندر اتر رہی ہوں گھر واپس آتے ہی ا نے عشاء کی نماز ادا کی خود پر دم کیا اور کھانا کھا

سو گئی اور کتنے ہی دنوں بعد وہ اس رات بنا ڈرے سکون سے سوئی تھی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے ذرفشاں نے ایک نماز بھی نہیں چھوڑی تھی وہ ہر وقت باوضو رہتی تھی اور خود پر دم بھی کیے رکھتی تھی، قرآن پاک پڑھنا بھی اس نے اپنا معمول بنا لیا تھا، وہ اپنی نارمل روٹین میں واپس آنا شروع ہو گئی تھی، تقریباً پچھلے ایک مہینے سے نا وہ خواب میں ڈری تھی اور نا ہی اسے کسی چیز نے تنگ کرنے کی کوشش کی تھی، کوثر بیگم تو رب کا شکر ادا کرتے نا تھکتی تھیں، باقی گھر والوں نے بھی سکون کا سانس لیا تھا اور زید...... وہ تو ذرفشاں کو دوبارہ مسکراتا دیکھ کر پھولے نا سماتا تھا، البتہ وہ جب بھی ذرفشاں کو دیکھتا گلٹی فیل کرتا تھا، اس کا اپنی ماں کے ساتھ رویہ ابھی بھی ویسا ہی تھا اور زید کا یہ رویہ ان کا سکون غارت کرنے کے لئے کافی تھا، ابھی بھی وہ نیچے لاؤنج میں تھیں جب انہیں اوپر سے اپنے شوہر اور بیٹے کے بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں ان کی آوازیں سن کر شمیم بیگم کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، وہ غصے سے پاؤں پٹختی اوپر کی جانب بڑھ گئیں، جہاں سب لاؤنج میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''بہت خوب، نیچے مجھے اکیلا چھوڑ کر اوپر چائے کے مزے لوٹے جا رہے ہیں۔'' انہوں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

''تو تم بھی آ جاؤ تمہیں کس نے روکا ہے؟''
ملک احمد غیر سنجیدگی سے بولے۔

''آپ ہی اپنے بھائی کی چمچہ گیری کریں مجھے تو ان سب سے دور ہی رکھیں۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولیں تو سب دم بخود ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔'' ملک احمد غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میری زبان کی آپ فکر نہ کریں تو ہی بہتر ہے اور تم......'' ملک احمد کو نظرانداز کرتیں وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''تم کیا ہر دوسرے دن اپنی معشوقہ سے ملنے اوپر چلے آتے ہو؟'' زید بس مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا اور اپنے باپ بھائی کی موجودگی میں اپنے بارے میں ایسے الفاظ سن کر زرفشاں شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

''شمیم۔'' ملک احمد غرائے تھے کچھ ہی پل میں ماحول کیا سے کیا ہو گیا تھا۔

''مجھ پر چلانے سے بہتر ہے کہ آپ اپنے بھائی اور بھتیجی سے دور رہیں یہ ہی آپ کے اندر اتنا زہر بھرتے ہیں۔'' وہ تو جیسے آج ہی سب کچھ سنانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔

''تائی جان آپ غلط سوچ......'' زرفشاں کچھ کہنے ہی والی تھی جب شمیم بیگم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''تم جیسی لڑکی جس کو خود آئے دن دورہ پڑا رہتا ہے اور جس کو اپنا نہیں پتا وہ مجھے بتائے گی کہ میں غلط سوچ رہی ہوں۔'' شمیم بیگم حقارت سے بولیں، اصل میں ان سے زرفشاں کی صحیح حالت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''میں بتاؤں کس میں اصل میں زہر بھرا ہوا ہے؟'' زید کے سپاٹ انداز میں کہنے پر سب کی نظریں زید کی جانب اٹھیں تو شمیم بیگم بھی خاموش ہو گئیں۔

''آپ میں زہر ہے امی جان، آپ میں۔'' زید چیخ کر بولا تو شمیم بیگم نے کھینچ کر ایک تھپڑ زید کو دے مارا اور زید...... وہ تو ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے ایک تھپڑ سے آپ اپنی ساری باتوں پر پردہ ڈال لیں گی۔'' زید تلخی سے مسکرایا۔

''زید تمیز سے بات کرو ماں ہیں تمہاری۔'' ملک جنید ٹوکے بنا نہ رہ سکے۔

''ماں...... کیسی ماں؟ جو اپنے ہی بیٹے کو خوش نہیں دیکھ سکتی؟'' زید ابھی بھی طنز کے نشتر چلا رہا تھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' شمیم بیگم کا غصہ بھی سوا نیزے پر تھا۔

''چچا جان یہ جو کچھ آپ کی بیٹی کے ساتھ ہو رہا ہے آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس کا کام ہے؟'' زید پل بھر کو خاموش ہوا اور سب کو یہ لمحہ صدیوں پر محیط محسوس ہوا۔

''یہ کام میری عظیم امی جان کا ہے جن کو مجھ سے بہت پیار ہے ان کو بہت شوق ہے کہ زرفشاں اپنے ماں باپ کی دہلیز پر ہمیشہ کنواری بیٹھی رہے۔'' زید کے الفاظ تھے یا کیا؟ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''کیا اول فول بک رہے ہو؟'' شمیم بیگم ہکلا کر بولیں اور ان کا اس طرح بولنا بہت کچھ واضح کر گیا تھا۔

''پاپا آپ کو یاد ہے جس دن زرفشاں کچن میں بے ہوش ہوئی تھی، میں پریشان ہو کر کالا جادو کرنے والے شخص کے پاس گیا تھا اور وہاں میں نے ان کو دیکھا۔'' زید اپنے باپ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور انہیں ساری بات من و عن بتا دیں۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ، مجھ سے ناراض ہے اس......'' اس سے پہلے کہ شمیم بیگم بات پوری کرتیں ملک احمد نے آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ ان کو مارا وہ لڑکھڑا کر زمین پر گری تھیں۔

ں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ملک احمد کو روک سکے، وہ
ک احمد اپنی بیوی پر پل پڑے تھے، سب
اکت نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔
''تایا جان خدا کے لئے چھوڑ دیں انہیں۔''
رفشاں روتے ہوئے سب سے پہلے ان کو
چانے کے لئے آئی تھی اور اسے روتا دیکھ کر ملک
حمد کا ہاتھ خود بخود رک گیا تھا۔
''شرم سے ڈوب کر مر جاؤ، جس سے اتنی
فرت کرتی ہو وہی تمہاری ڈھال بن کر آئی
ہے۔'' وہ پھولے سانس کے ساتھ بولے، شمیم
بیگم ابھی تک بے یقینی کی حالت میں تھیں کہ جس
شخص نے آج تک ان سے اونچی آواز میں بات
تک نہیں کی تھی اس نے کیسے سب کے سامنے
نہیں مارا پیٹا تھا۔
''آج میں خود سے نظریں ملانے کے قابل
نہیں رہا کہ میں نے اتنے سال تم جیسی بے حس
عورت کے ساتھ زندگی گزار دی۔'' پورے گھر
میں ملک احمد کی آواز گونج رہی تھی، سب دم
سادھے ان کو سن رہے تھے، مزید کچھ بھی بولے
بغیر ملک احمد نیچے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

اس بات کو تقریباً دو مہینے گزر چکے تھے اور
ملک احمد نے اپنی بیوی کو غلطی سے ایک بار بھی
نہیں بلایا تھا، شمیم بیگم پورا دن گھر میں جلے پیر کی
بلی کی طرح بوکھلائی ہوئی پھرتیں تھیں اور ساری
رات جاگ کر گزارتی تھیں، وہ بہانے بہانے
سے ملک احمد کو بلانے کی کوشش کرتی تھی، مگر وہ
اب پوچھنے کا اختیار کھو چکی تھیں لیکن بہت جلد زید
نے ان کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا۔
''آج شام میرا اور زرفشاں کا سادگی سے
نکاح ہے اگر آپ آنا چاہیں تو آ سکتی ہیں۔''
غیروں کی طرح انہیں اطلاع دے کر وہ باہر چلا
گیا، شمیم بیگم کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکیں، انہوں
نے اپنے بیٹے کی شادی کے لئے کیا کچھ نہیں سوچ
رکھا تھا، اب وہ کس منہ سے اوپر جا کر اس کے
نکاح میں شریک ہوتیں، شام کو ان سب نے کچھ
دیر شمیم بیگم کا انتظار کیا لیکن جب وہ نہ آئیں تو
ملک احمد نے مولوی سے کہہ کر نکاح پڑھوا دیا ہر
کوئی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا تھا اور
نیچے لاؤنج میں بیٹھی شمیم بیگم زار و قطار رو رہی
تھیں، تقریباً ایک گھنٹے بعد زید نیچے آیا تھا اور اپنی
ماں کو اس طرح روتا دیکھ کر افسردہ ہو گیا وہ کچھ دیر
ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا جو بھی تھا وہ اس کی
ماں تھی، وہ ان سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا
مگر وہ مسلسل خاموش رہیں۔
''میں نے تمہارا کمرہ تیار کروا دیا ہے۔''
جب مایوس ہو کر وہ جانے لگا تو اسے شمیم بیگم کی
آواز آئی۔
''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' زید نے جھجک
کر کہا تو وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگیں۔
''وہ...... امی جان پاپا نے ہمارے لئے
ایک فلیٹ خریدا ہے کہ میں اور زرفشاں اب وہیں
رہیں گے۔'' وہ نظریں چرا کر بولا تو شمیم بیگم کچھ
بھی کہنے کے قابل نہ رہیں وہ پھٹی پھٹی نگاہوں
سے زید کو دیکھ رہی تھیں، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور
وہ ان سے ہمیشہ کے لئے دور جا رہا تھا اور
شوہر...... وہ تو پہلے ہی ان کا نا رہا تھا، زید مزید
وہاں رکے زرفشاں کے ساتھ اپنے فلیٹ میں چلا
گیا، پورا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا، انہیں اس
خاموشی سے وحشت محسوس ہو رہی تھی مگر وہ کچھ بھی
کرنے سے قاصر تھیں، زرفشاں سے وہ آج بھی
اتنی ہی نفرت کرتی تھیں جتنی وہ پہلے دن سے کرتی
تھیں، پورا دن وہ گھر میں اکیلی گھنٹوں دیواروں
کو دیکھتی رہتیں اور رات کی خاموشی ان کے اندر

عجیب سا سناٹا بھر دیتی تھی، زید کو یہاں سے گئے ایک سال ہونے کو تھا وہ ہر ہفتے اپنی ماں سے ملنے آتا تھا جبکہ ملک احمد روزانہ اس کے گھر جاتے تھے، شمیم بیگم اب اکثر راتوں کو ڈر جایا کرتی تھیں اور اٹھ کر رونا شروع کر دیتی تھیں، ایسے میں ملک احمد کے لئے ان کو سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا تھا شمیم بیگم آہستہ آہستہ بہت سی باتیں بھولنے لگی تھیں، وہ وقت سے بہت پہلے بوڑھی ہو گئی تھیں، فارحہ اپنے شوہر کے ساتھ بیرون ملک شفٹ ہو گئی تھی اور صرف ایک بار ہی پاکستان کچھ دنوں کے لئے آئی تھی، شمیم بیگم کی مسلسل بگڑتی حالت دیکھ کر ملک احمد اپنے رویہ میں تبدیلی لانے پر مجبور ہو گئے تھے، صبح و شام شمیم بیگم کو یہ ہی لگتا تھا کہ کوئی ان پر نظر رکھے ہوئے ہے ان کو تنگ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ وہاں ایسا کوئی بھی موجود نہ تھا جو ان کو تنگ کرتا ہو، زرفشاں کو ان کی حالت دیکھ کر بہت ترس آتا تھا وہ جانتی تھی کہ زید واپس اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہے مگر صرف اس کی وجہ سے خاموش ہے ایک دن اس نے خود ہی زید سے واپس جانے کا مطالبہ کر دیا۔

"کیا تم نے میری امی کو معاف کر دیا؟" اسے اتنا خوش زرفشاں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

"زید میں نے بہت تکلیف برداشت کی ہے مجھے ان کی حالت دیکھ کر دکھ بھی بہت ہوتا ہے مگر میں صرف تمہاری وجہ سے واپس جانے کا کہہ رہی ہوں اور جہاں تک بات معاف کرنے کی ہے تو سچ پوچھو تو میں انہیں فی الحال دل سے معاف نہیں کر سکتی میں اگر کوئی فرشتہ ہوتی تو شاید کر دیتی۔" وہ صاف گوئی سے بولی تو زید بھی خاموش ہو گیا اسے امید تھی کہ زرفشاں جیسی نرم دل لڑکی ایک نا ایک دن ضرور اس کی ماں کو معاف کر دے گی۔

☆☆☆

زید اور زرفشاں کو گھر واپس آئے تقریباً ماہ ہو گئے تھے جہاں زید امی کے حوالے سے فکر ہوا تھا وہیں زرفشاں بھی اپنے گھر واپس خوش ہو گئی تھی، شمیم بیگم کی دماغی حالت پہلے بھی زیادہ خراب ہو گئی تھی وہ بہت سی باتیں جاتی تھیں، ان کا مسلسل علاج ہو رہا تھا، بیماری کی وجہ سے زرفشاں کو فارحہ سمجھتی تھیں اسے بالکل فارحہ کی طرح ہی پیار کرتی زرفشاں نے بھی ان کی غلط فہمی دور کر کوشش نہیں کی تھی، وہ ان کی اچھے سے دیکھ کر رہی تھی، شروع شروع میں زرفشاں کو ان ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں کافی مشکل ہو لیکن اب اسے عادت ہو گئی تھی، شمیم بیگم زرفشاں کے میٹھے زبان کے ساتھ تھیں۔

☆☆☆

آج زرفشاں اور زید کی دوسری اینورسری تھی، سارے کام نپٹا کر زرفشاں ہونا شروع ہو گئی، زرفشاں نے بلیک کلر کی جس پر سلور کام ہوا تھا زیب تن کی تھی لائٹ اپ اور ڈیپ ریڈ کلر کی لپ اسٹک کے نے بال کھلے چھوڑے تھے وہ شیشے کے کھڑی ہو کر اپنا تنقیدی نظروں سے جا رہی تھی جب زید کمرے میں آیا، زرفشاں دیکھ کر وہ پلک جھپکنا بھول گیا، وہ آج بھی خوبصورت تھی جتنی کہ شادی سے پہلے تھی زید کے مطابق وہ تھوڑی سی موٹی ہو گئی نے آگے بڑھ کر الماری میں سے ایک اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا زرفشاں بالکل پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا اور تک زید کو اپنے پیچھے کھڑا دیکھ کر وہ مسکرائی

دونوں ایک پرفیکٹ کپل لگ رہے تھے۔

زید نے اس باکس سے ایک ڈائمنڈ کا سیٹ نکال کر زرفشاں کو پہنایا تو خوشی کے مارے زرفشاں کا چہرہ کھل اٹھا، وہ سیٹ زرفشاں پر بہت جچتا تھا وہ پوری زید کی جانب پلٹی تھی۔

"یہ تم نے......" وہ اپنی بات مکمل نہ کر پائی کیونکہ زید نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی تھی۔

"آج صرف میں بولوں گا۔" زید نے محبت پاش نظروں سے اس دیکھتے ہوئے کہا تو زرفشاں سے پلکیں اٹھانا مشکل ہو گیا، شادی کے دو سال بعد بھی وہ ایسے ہی شرماتی تھی جیسے نئی نویلی دلہن ہو اور زید کو اس کا یہ روپ بے حد پسند تھا۔

"تمہارے ساتھ زندگی گزارنا میری سب سے بڑی خواہش تھی اور میں جانتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ خوش رہوں گا لیکن اتنا خوش رہوں گا؟ یہ تو میں بھی نہیں جانتا تھا۔" زید کی نظریں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"تم ضرور میری کسی نیکی کا بدلہ ہو مگر پتا نہیں کیوں میں آج تک یہ سمجھ نہیں پایا کہ میری امی نے تمہارے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟" بولتے بولتے آخر میں زید کا لہجہ گلوگیر ہو گیا، زرفشاں نے نظریں اٹھا کر زید کو دیکھا۔

"زید میں تائی جان کو دل سے معاف کر چکی ہوں۔" زرفشاں نے ایک پل میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا تو زید کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"کیا تم نے سچ میں دل سے معاف کر دیا ہے؟" وہ اپنا خدشہ ظاہر کیے بنا نا رہ سکا۔

"میں جانتی ہوں یہ بہت مشکل فیصلہ تھا مگر ناممکن نہیں تھا۔" اور زرفشاں کے الفاظ نے زید کے دل سے منوں بوجھ اتار دیا تھا۔

"تھینک یو زرفشاں میں......" زید کچھ اور بھی کہنے والا تھا جب بلال دروازہ ناک کرتا اندر آیا اور انہیں جلدی باہر آنے کا کہہ کر چلا گیا، وہ دونوں سب کو مزید انتظار نہیں کروانا چاہتے تھے اس لئے فوراً ہی باہر آ گئے۔

"For my sweet sister Zarfisha" کیک کاٹنے کے بعد فیصل نے ایک خوبصورت سا گفٹ زرفشاں کی جانب بڑھا دیا۔

"اور مجھے میٹھی چیزیں بہت پسند ہیں۔" زید نے سرگوشی کی لیکن اس کی یہ سرگوشی سب نے ہی سن لی تھی، ایک دم پورا ماحول قہقہوں سے گونج اٹھا، زید کی بات کی بے حد شکر گزار تھی، کہ اس نے اسے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا اللہ نے ہر مشکل گھڑی میں اس کا ساتھ دیا تھا اس کی ساری دعائیں سن لیں تھیں بے شک وہ بڑا رحیم کریم ہے جہاں بندہ تھک کر کہہ اٹھتا ہے "رب انی مغلوب فانتصر" میرے رب میں بے بس ہوں تو میری مدد فرما، وہیں وہ اپنے بندے کی پکار پر لبیک کہتا ہے اور آگے بڑھ کر اسے تھام لیتا ہے، بس اس کی ذات پہ یقین کامل ہونا چاہیے۔

☆☆☆



تم میرے پاس رہو

دُرِثمن بلال



"کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" کومل کی حالت بھی اب ستارہ سے مختلف نہ تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں میں۔" ستارہ کی آواز کانپ رہی تھی اور وہ بے یقینی سے انزک آفاق کے نکاح نامے کو دیکھ رہی تھی، جو اس نے نہایت مجبوری میں کیا تھا۔

☆☆☆

ذوریز آفندی انوش اور شاہ ویز ایک مشہور کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔

"شاہ ویز مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" ذوریز نے اپنے مقابل بیٹھے شاہ ویز کو دیکھا۔

"انکل مجھے بھی آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔" شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انوش بتا رہی تھی کہ تم اسے پسند کرتے ہو اور شادی کے خواہشمند ہو؟" ذوریز آفندی نے بات کا آغاز کیا۔

"ارے نہیں انکل! ایسا کچھ بھی نہیں ہے ہمارے بیچ، ہم دونوں صرف اچھے دوست ہیں، انوش کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تو انوش نے ورطہ حیرت سے شاہ ویز کو دیکھا، ذوریز آفندی اپنی جگہ شرمندگی سے جز بز سے ہو رہے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ شاہ ویز اگر یہ مذاق ہے تو بہت ہی گھٹیا مذاق ہے۔" انوش نے غصے میں دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔

"کم آن انوش! میں بھلا کیوں تم سے مذاق کروں گا؟ تم صرف میری دوست ہو، یہ محبت وحبت یہ شادی بیاہ؟ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، پھر تم نے کیسے یہ اندازہ لگا لیا کہ میں تم سے شادی کروں گا؟" وہ مسکراتی نظروں سے اس کی بے بسی پہ حظ اٹھاتا بول رہا تھا۔



مکمل ناول



"بکواس کرتے ہو تم، جھوٹ بول رہے ہو تم، تم نے خود مجھے پرپوز کیا تھا اور کہا تھا کہ تم میرے ڈیڈ سے ملنا چاہتے ہو۔" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی، شاہ ویز کی باتوں سے اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔

"انکل پلیز! آپ سمجھائیے اسے، میری چند دن کی دوستی کو نا جانے کیا رنگ دے رہی ہے آپ کی بیٹی، میں نے اس سے کوئی وعدے نہیں کیے۔" شاہ ویز نے اب ذوریز آفندی کی جانب رخ موڑا۔

ذوریز آفندی بہت مشکل سے اپنے جذبات پہ قابو کیے ہوئے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شاہ ویز کے منہ پہ تھپڑ کھینچ ماریں اور اس کا حلیہ بگاڑ دیں۔

"ڈیڈ! یہ...... یہ جھوٹ بول رہا ہے، اس نے چیٹ کیا ہے مجھے۔" انوش بولتے بولتے رو پڑی۔

"اس نے مجھے پرپوز کیا تھا۔"

"انوش اٹھو یہاں سے، بہت ہو گیا تماشہ۔" ذوریز آفندی غصے میں اٹھے اور روتی ہوئی انوش کا بازو تھام کر اسے اٹھایا تھا۔

☆☆☆

رات کو ازک گھر آیا تو خلاف معمول گھر میں خاموشی کا راج تھا، وہ بائیک کھڑی کرنے کے بعد برآمدے میں آیا، جہاں دادی تخت پہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم دادی!" وہ پرجوش انداز میں انہیں سلام کرتا ان کے قریب آیا تھا، روز وہ رات کو گھر آتا دادی کو سلام کرتا تو دادی اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ڈھیروں دعائیں دیتی تھیں، مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، دادی نے اسے دیکھتے ہی غصے سے منہ پھیر لیا تھا۔

اس کی بائیک کا ہارن سن کر کومل دوڑ کر پانی کا گلاس لے کر آ جایا کرتی تھی، آج کومل بھی سامنے نہیں آئی تھی۔

"دادی کیسی ہیں آپ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" اسے تشویش ہوئی۔

"مجھ سے بات مت کرو۔" غصے میں جواب دیا گیا۔

"مگر کیوں دادی؟ کیا بات ہے؟ آپ ناراض ہیں مجھ سے؟"

دادی کی تو جان تھی اس میں، وہ زندگی میں کبھی اس سے خفا نہیں ہوئی تھیں، آج نا جانے کیا وجہ تھی، وہ متفکر سا دادی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں مجھ سے بات مت کرو۔" اب کے دادی نے بلند آواز میں اسے ڈانٹا تھا اور وہ حیران و پریشان اندر آیا، ٹی وی لاؤنج میں صابرہ بیگم صوفے پہ بیٹھی رو رہی تھیں اور ستارہ ان کے پاس بیٹھی انہیں چپ کروانے میں مصروف تھیں۔

"ماں! آپ رو کیوں رہی ہیں؟ سب خیر تو ہے؟" وہ از حد تشویش سے ماں کے قریب آیا تھا۔

"تمہیں کیا؟ میں روؤں یا مروں؟" صابرہ بیگم روتے ہوئے بولی تھیں۔

"ماں یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ پلیز مجھے کچھ بتائیں تو سہی؟ کیا بات ہے؟" وہ نہایت فکر مندی سے صابرہ بیگم کے ہاتھ تھامے پوچھنے لگا۔

"نہ یہ بھی ہمیں بتانا پڑے گا کہ ہوا کیا ہے؟ تو نے جو چن چڑھانا تھا وہ تو تو نے چڑھا لیا۔" دادی چھڑی کے سہارے چلتی ہوئی اندر آئی تھیں اور انہوں نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تو اور کیا، ساری دنیا کے آگے ہمیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تم نے۔" صابرہ

بیگم اپنے آنسو صاف کرتی بولیں۔
"خدا کے لئے مجھ کچھ بتائیں تو سہی آخر ہوا کیا ہے؟ کیوں آپ سب مجھ پہ برہم ہو رہے ہیں؟" وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا۔
"نی ستارہ دیکھا اس چھنے کاکے کو اس کا وہ "نکاح نامہ" اس بڑھاپے میں میرے پوتے نے میرے سر میں "کھے" اور سوا "مٹی" ڈال دی ہے۔" بے جی غصے میں دھاڑیں۔
"نکاح نامہ۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور اگلے ہی لمحے اس کا سر چکرانے لگا تھا۔
"اف خدایا، میرے برے دن شروع۔" انزک نے خود کلامی کی۔

☆☆☆

واپسی پہ تمام راستے انوش روتی رہی تھی، شاہ ویز نے اس سے محبت کا اعتبار چھین لیا تھا، نہ جانے اس نے انوش کے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا؟ چند دن پہلے تک تو وہ اس کے لئے تارے توڑ لانے کی باتیں کر رہا تھا اور اب ایسا کیا ہو گیا تھا کہ اس نے انوش کو اس کے والد کے سامنے ذلیل کر کے رکھ دیا تھا، وہ ذوریز کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی۔
"انوش تم نے جتنا رونا ہے آج رو لو، آئندہ تم اس گھٹیا شخص کے لئے ایک آنسو بھی نہیں بہاؤ گی، تم سوچ بھی نہیں سکتی تمہارے رونے سے مجھ کس قدر تکلیف ہو رہی ہے۔" ذوریز آفندی کے عصاب تنے ہوئے تھے اور انہوں نے لب بھینچے، روتی ہوئی انوش کو تنبیہ کی تھی، اس کے رونے سے ذوریز آفندی کو سخت تکلیف ہو رہی تھی۔
"ڈیڈ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کہ یہ شخص اتنا کمینہ ثابت ہو گا؟" ٹشو سے آنکھیں صاف کرتی وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"دنیا جیسی نظر آتی ہے ویسی ہے نہیں میری جان، تم ابھی ناسمجھ ہو کم عمر ہو اتنی جلدی اعتبار کی منازل طے نہیں کرتے، غلطی تمہاری بھی ہے۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا، جواباً وہ کچھ نہ بولی، وہ ابھی تک ایک شاک کی کیفیت میں مبتلا تھی، شاہ ویز اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟ وہ بار بار خود سے سوال کر رہی تھی۔
"اور ہاں اس سلسلے میں ماہین سے کوئی بات مت کرنا ورنہ خواہ مخواہ اشو بنا دے گی وہ اور تمہارے ساتھ ساتھ مجھے کٹہرے میں لا کھڑا کرے گی۔" انہوں نے گردن موڑ کر افسردہ اور روتی ہوئی انوش سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

☆☆☆

"وہ پہلی نظر میں میرے دل کو اگر کوئی لڑکی بھائی تھی تو وہ انوش ہی تھی اسے ذلیل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا میرا لیکن انوش نے تھپڑ میرے چہرے پہ نہیں میری روح پہ مارا تھا، میری عزت نفس کو مجروح کیا تھا، مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا تھا، بدلہ نہ لیتا تو مجھے چین کیسے ملتا؟ مجھے میری غیرت کیسے معاف کرتی؟"
وہ بیڈ پہ چت لیٹا، موبائل کان سے لگائے حارث سے محو گفتگو تھا۔
"لیکن خوار تو تو اس کے پیچھے ایسے ہو رہا تھا جیسے تجھے واقعی اس سے سچی محبت ہو گئی ہو؟" حارث ہنسا۔
"سچی محبت؟ مائی فٹ، اسے پٹانے کے لئے یہ ڈرامہ کرتا رہا، اسے اس کے باپ کے سامنے ذلیل کر کے یقین مانو سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔" شاہ ویز نے بشاش سے لہجے میں کہا۔
"مان گیا میرے یار...... تجھے......" حارث نے اسے سراہا۔

"خالی ماننے سے کچھ نہیں ہوا تو شرط ہارا ہے، اس لئے ٹریٹ تو پکی ہوئی۔" شاہ ویز نے اٹھتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگایا۔

"میرے جگر تو حکم کر، جو کہے گا وہی ہوگا۔" حارث نے اس کا مان بڑھایا۔

"کیا بات ہے تیری۔" شاہ ویز نے سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی۔

"اچھا یوں کر اپنے فارم ہاؤس پہ اچھی سی پارٹی ارینج کر لے، ہلا گلا کریں گے، نوید سے کہنا اپنی اس دوست ماڈل "حسینہ خان" کو بھی لے آئے، کم بخت کیا مجرا کرتی ہے وہ۔" شاہ ویز نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے حارث کو ہدایت دی۔

"تو کیوں فکر کرتا ہے شہزادے؟ بے فکر ہو جا، سب کچھ تیری مرضی سے ہوگا پارٹی میں۔"

"اچھا میں اب رکھتا ہوں، نیند آ رہی ہے مجھے۔" شاہ ویز نے جمائی روکی۔

"ہاں بھئی بدلہ لے کر، انوش کو ذلیل کر کے اس کی نیند اڑا کر تیرا گہری نیند سونا بنتا ہے میرے یار۔" حارث ہنسا۔

"بکواس نہ کر، رکھتا ہوں۔" زیر لب مسکراتے ہوئے شاہ ویز نے موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا، اس کی آنکھوں کے آگے انوش کا معصوم سا چہرہ آیا۔

"کیا واقعی تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو؟" اس کے آس پاس انوش کی آواز گونجی تھی۔

"کیا میں اپنی جان دوں گا تو تم یقین کرو گی؟" شاہ ویز کے جواب نے پھر شرمندہ سا کر دیا تھا اور اس نے خود اسے سگریٹ ایش ٹرے میں غصے میں باقی کا مسل دیا تھا۔

☆☆☆

پریشے مزید فائیو اسٹار ہوٹل افورڈ نہیں کر پا رہی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ ایک گرلز ہاسٹل میں آ گئی تھی۔

یہاں کا ماحول اس کی فطرت اور… کے برعکس تھا، یہاں آ کر اسے لگتا جیسے ا… Privacy ختم ہو کر رہ گئی ہو، یہاں ا… نامی لڑکی کے ساتھ کمرہ شیئر کرنا پڑ رہا تھا… وجہ سے وہ مزید ذہنی کوفت کا شکار ہوتی… اس ہاسٹل میں ایک دوسرے شہر سے آ کر… پذیر تھی۔

…ی تی اپنی کزنز کے ساتھ آج کل د… ہوئی تھی، ماہ رخ اکثر و بیشتر اسے فون کر… تھی، وہ دونوں اس کے بچپن کی فرینڈز تھیں… رخ نے پری کو فنانشلی سپورٹ کرنے کی… کی تھی لیکن پری نے اس سے کسی بھی… لینے سے صاف انکار کر دیا تھا، زندگی کی… نے صحیح معنوں میں اس کی خوش فہمیوں کو دو… تھا، وہ اندر سے ٹوٹ گئی تھی، اسے… طرف مایوسی کا اندھیرا چھایا ہوا نظر آتا… کبیر کا ساتھ پانے کی تمنا ایک روشنی بن کر… ڈھارس دینے لگتی تھی۔

اب بھی وہ اپنے ساتھ ہونے والی… کی ناانصافیوں پہ خود کو تسلی دیتے دیتے… جب ہلکے سے کھٹکے کی آواز پہ اس کی آنکھ… تھی اس نے تکیے کے نیچے سے موبائل اٹھا… دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے تیز… مہک ہر سو پھیلی تھی، مہک نے اٹھ کر ثنا کے… جانب دیکھا۔

اس کا بیڈ خالی تھا، وہ متفکر سی بستر… اتر آئی، معاً باہر کسی گاڑی کا ہارن سنائی د… کھڑکی کے پاس آئی اور پردہ ہٹا کر باہر… باہر کا منظر دیکھ کر اس کی حیرت میں مزید… گیا تھا، مین گیٹ کے پاس ایک سفید… کھڑا تھا۔

ہاسٹل کی بہت سی لڑکیاں اس کیری ڈبے میں بیٹھ رہی تھیں، انہی لڑکیوں میں پری کو ٹینا بھی نظر آئی تھی، ان کا کمرہ چونکہ سیکنڈ فلور پہ تھا، سو باہر کا تمام نظر وہ باآسانی دیکھ رہی تھی، وہ الجھے ذہن اور حیرت زدہ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ کر واپس اپنے بیڈ پہ آگئی تھی، اس کا دل عجیب سے وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے انوش؟ کچھ دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں تم پریشان سی ہو ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتی، بات تک نہیں کرتی؟ ہر وقت اداس نظر آتی ہو؟'' ماہین فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''تمہارے چہرے پہ نامعلوم سے دکھ نظر آتے ہیں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے مام، آپ کا وہم ہے۔'' وہ ماں کی گود میں سر رکھے آہستگی سے بولی، اس کی آنکھیں بھر آئیں، شاہ ویز کا خودغرض عکس ان میں جھلکنے لگا تھا۔

''نہیں ماں کا وہم بلاوجہ نہیں ہوتا اور نہ ماں کی نظریں دھوکا کھا سکتی ہیں، تمہارے دل میں اگر کچھ ہے تو مجھے بتاؤ میری جان۔'' ماہین نے پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''بی لیو می مام، سچ میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے، میں بس آپ دونوں کے بارے میں سوچتی ہوں، آپ پلیز ڈیڈ کو معاف کر دیں۔'' انوش نے باتوں کا رخ موڑا اور ماہین کو ٹال دیا۔

''جس کے لئے آپ نے ساری دنیا چھوڑ دی ہو، دنیا کی ہر آسائش کو ٹھوکر مار کر جس کی خاطر آپ نے زمانے کی صعوبتیں اٹھائی ہوں، جس پہ آپ نے اندھا اعتماد کیا ہو، جب وہ آپ کا اعتماد توڑتا ہے نا تو معاف نہیں کیا جاتا میری جان۔'' ماہین کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا۔

''پلیز میری خاطر؟'' انوش نے ان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

''تمہاری خاطر ہی تو اسے اس گھر میں رہنے کی اجازت دی ہے یہ بہت ہے، پری اس سے زیادہ کی توقع مت رکھنا مجھ سے۔'' ماہین نے صاف انکار کیا تو وہ چپ ہو گئی، اس کا دل تڑپنے لگا اگر ذوریز نے اس سے وعدہ نہ لیا ہوتا تو وہ ماہین کو ضرور بتاتی، کہ ذوریز اس وقت کس ہمت سے اپنی بیماری سے لڑ رہے تھے، صرف چند دن اور جینے کی خواہش میں وہ اندر ہی اندر سے کیسے ٹوٹ رہے تھے، کیسے مر رہے تھے۔

☆☆☆

ایک ہفتے سے وہ گھر میں اجنبیوں کی طرح رہ رہا تھا سب نے ازک آفاق کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔

وہ شروع ہی سے سب کا بے پناہ لاڈلہ رہا تھا اس کے ناز نخرے اٹھائے گئے تھے، ایسے میں سب گھر والوں کا اس سے ناراض ہو جانا اسے بری طرح سے نظرانداز کرنا ازک آفاق کو سخت تکلیف دے رہا تھا۔

وہ خود کو بارہا کوس چکا تھا جب اس نے یہ نکاح کیا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھر والوں کو کیسے مطمئن کرے؟ کس منہ سے ان سے معافی مانگے؟ کیسے ان سب کی محبتوں کو دوبارہ حاصل کرے؟

وہ دل گرفتہ سا اپنے کمرے میں آیا، تو ستارہ اس کے بستر کی چادر بدل رہی تھی، اسے دیکھتے ہی ستارہ خفگی سے جانے لگی تو ازک نے بے اختیار انہیں پکارا۔

''پھپھو پلیز، رک جایئے، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

"انزک تم نے ہم سب کا دل دکھایا ہے، ہمارا اعتماد توڑا ہے کیا کیا خواب دیکھے تھے ہم نے تمہاری شادی کے حوالے سے اور تم نے وہ سارے خواب چند لمحوں میں توڑ دیئے؟ کبھی سوچا نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے ہمارے سب خواب توڑ دو گے، ہمارا مان توڑ دو گے، ہمارے اعتماد کی دھجیاں اڑا دو گے، یقین نہیں آتا ہمارا انزک ہمارے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے؟ اگر تم کسی لڑکی کو پسند کرتے تھے تو ہمیں بتاتے ہم عزت کے ساتھ تمہارا رشتہ لے کر جاتے، تمہاری منگنی یا نکاح کر دیتے، مگر تم نے تو حد ہی کر دی۔" ستارہ اسے کھری کھری سنا رہی تھیں۔

"پھپھو آپ نے جو کچھ بھی کہا وہ بالکل درست ہے لیکن آئی سوئیر پھپھو میں بہت مجبور ہو گیا تھا، پری کی مما نے اس کی شادی زبردستی اس کے کزن سے طے کر دی تھی، اور کومل سے پہلے میں اس گھر میں اپنی شادی کی بات کیسے کرتا؟ میری جاب نہیں تھی، ماں آل ریڈی کومل کی رخصتی کے لئے ہمہ وقت پریشان رہتی تھیں، مجبوراً مجھے اور پری کو یہ قدم اٹھانا پڑا اور یوں میں نے اس نکاح کو خفیہ رکھا تا کہ کومل کی خیریت سے رخصتی ہو جائے، پلیز ستارہ پھپھو اس سلسلے میں میری ہیلپ کریں، میں کئی بار دادی اور ماں سے معافی مانگ چکا ہوں لیکن ان کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا، بی لیومی میں اگر مجبور نہ ہوتا تو کبھی سنگین قدم نہ اٹھاتا، مجھ سے آپ سب کی ناراضگی دیکھی نہیں جاتی پھپھو، پلیز ہیلپ می، میں جس طرح سے ذہنی اذیت کا شکار ہوں، آپ سوچ بھی نہیں سکتی ہیں۔" وہ بھیگے لہجے میں ستارہ سے التجا کر رہا تھا۔

اگر وہ سچ بتا دیتا کہ اس نے کومل کی رخصتی کے لئے روپوں کی خاطر پری سے حلالہ کیا تھا تو دادی اور ماں اسے گھر سے نکال دیتیں، سو معاملے کو دبا گیا تھا۔

"انزک صرف میرے معاف کر... کیا ہو گا؟ بے جی اور بھابھی تم سے سخت ... ہیں۔"

"پھپھو آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سک... آپ ماں اور دادی کو راضی کر سکتی ہیں ... ناراضگی ختم کر سکتی ہیں، انہیں سمجھا سکتی ہیں ... ہیلپ می پھپھو، میں...... میں بہت پ... ہوں۔" وہ ستارہ کے ہاتھ تھامے التجا کر ر...

"اچھا اب زیادہ پریشان ہو... ضرورت نہیں ہے میں کرتی ہوں کچھ۔" ... نے اسے تسلی دی۔

"تھینک یو سو مچ پھپھو، یو ار گری..." انزک نے خوشی سے ستارہ کو شانوں سے ... گھما ڈالا۔

"ارے بس بھی کرو مسکے باز۔" ستا... مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پہ چپت ... تھی۔

☆☆☆

انہوں نے ماہین کے کمرے کے دروا... پہ دستک دی، کوئی جواب نہ آیا، تو انہوں... دوسری بار دستک دی، خاموشی، توقف کے... انہوں نے تیسری بار دروازہ بجایا، تب بھی... جواب نہ ملا، انہیں تشویش ہوئی اور انہوں... دھیرے سے ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کر دروازہ... دیا، ماہین کمرے میں نہیں تھیں، وہ کمرے کا جا... لیتے اندر آئے، باتھ روم سے شاور چلنے کی آ... رہی تھی، ان کی نظر ماہین کے رائٹنگ ٹیبل پر... تو وہ بے اختیار رائٹنگ ٹیبل کے قریب چلے آ... ان کی ڈائری کھلی پڑی تھی، لفظ دیوانہ وار ان... جانب لپکنے لگے انہوں نے دھیرے سے ڈائ...

اٹھائی اور پڑھنے لگے۔

تم پاس رہو میرے
سانسوں کی روانی تم
میرا حسن جوانی تم
عنوان ہوں میں جس کا
وہ پیار کہانی تم
میرے دن کا راجہ بھی
میری رات کی رانی تم
تم پاس رہو میرے
میری ہر تحریر بھی تم
میری ہر تصویر بھی تم
جو خواب بھی دیکھے
ان کی تعبیر بھی تم
میرے ماتھے پر لکھی
دلکش تقدیر بھی تم
کیا تم سے کہوں جاناں
تم ہو تو میں ہوں جاناں
پہلے تیرا نام لکھوں
جب کچھ بھی لکھوں جاناں
تم پاس رہو میرے
تیرے لئے دنیا کا
ہر درد سہوں جاناں
تم پاس نہیں ہو گے
کچھ پاس نہیں ہو گا
نہ رات کہانی سی
نہ دن حسین ہو گا
تم پاس رہو میرے
تم پاس رہو میرے

ماہین کے لفظ ذوریز آفندی کے دل میں اتر گئے تھے، ان کی نظریں ڈائری پر مرکوز تھیں، ماہین کی محبت آج بھی اس کے اپنے دل کے کسی کونے میں چھپی بیٹھی تھی، جو وقتاً فوقتاً ستائے لمحوں کی طرح اس کے قلم کے ذریعے عیاں ہو جاتی تھی، اس سے پہلے کہ وہ ڈائری دوبارہ رائیٹنگ ٹیبل پہ رکھتے، ان کے ہاتھوں سے وہ ڈائری جھپٹ لی گئی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم بلا اجازت میرے کمرے میں آؤ اور میری پرسنل ڈائری اٹھا کر پڑھو؟'' غراتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔

وہ اس وقت گہرے نیلے گاؤن میں ملبوس تھیں، جس کے گلے اور بازوؤں پہ میرون دھاگے کی کڑھائی ہوئی تھی، چہرے پہ اتنی تازگی تھی کہ ذوریز آفندی بے اختیار اسے دیکھے گئے۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟'' ہنوز غصہ۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی بیوی کے کمرے میں آنے کے لئے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ بیوی کی ہر چیز پر شوہر کا حق حاصل ہوتا ہے۔'' چند قدم آگے بڑھتے ہوئے وہ ماہین کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

''اور تیسری بات یہ کہ تم آج بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی بیس سال پہلے کیا کرتی تھی۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری۔'' وہ پھنکاری۔

''اپنی ضد اور غصے کے پیچھے تم نے اس محبت کو دبا رکھا ہے۔'' ذوریز نے ماہین کے شانوں پہ ہاتھ رکھے۔

''جاؤ یہاں سے اور آئندہ میرے کمرے میں مت آنا۔'' ماہین نے ان کے ہاتھ جھٹکے۔

''مگر ڈائری میں تو تم نے لکھا ہے۔''

''تم پاس رہو میرے، پھر کیوں دور کر رہی ہو مجھے خود سے؟'' وہ ایک بار پھر ماہین کے قریب آئے۔

"وہ سب تمہارے لئے ہرگز نہیں لکھا میں نے۔" غصے میں بولتے ہوئے ماہین نے رخ موڑا۔

"تو پھر کس کے لئے لکھا ہے۔" انہوں نے دھیرے سے ماہین کا رخ اپنی جانب موڑا، ان کی نظروں میں امید و آس کے جلتے دیئے روشن تھے، وہ نظریں چرا گئی۔

"میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" سختی سے انہیں خود سے دور کرتے ہوئے کہا گیا، ذوریز نے ماہین کے ہاتھ تھام لئے۔

"مت جواب دو، لیکن خدا کے لئے مجھے یوں دھتکارا نہ کرو، میں نہیں سہہ سکتا تمہاری نفرت۔" ذوریز کے لہجے میں تڑپ تھی۔

"اور جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا؟ کیا وہ میں سہہ سکتی تھی، چلے جاؤ واپس پلیز، چلے جاؤ۔"

"نہیں جا سکتا میں واپس، صرف اور صرف تمہارے لئے میں نے خود کو گنوا دیا ہے ماہی، میں تمہارے سامنے مرنا چاہتا ہوں، مجھے اب تنہائی سے ڈر لگتا ہے، میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔"

"تم ان باتوں سے مجھے اموشنل بلیک میل نہیں کر سکتے، پلیز جاؤ یہاں سے۔" ماہین کے لہجے میں بیزاریت تھی۔

"یہ اموشنل بلیک میلنگ نہیں ہے ماہی، میری محبت ہے، وہ محبت جو اٹھارہ سال تم سے دور رہ کر بھی فنا نہیں ہوئی۔" اب انہوں نے ماہین کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔

"اب باتوں کا وقت گزر چکا ہے ذوریز، عمر کے اس حصے میں یہ سب اب زیب نہیں دیتا، سب بے معنی ہو گیا ہے۔" ماہی نے ان کے ہاتھوں کو جھٹکا تھا۔

"محبت کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا ماہی، محبت کا جذبہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا، محبت کے مارے وقت کو قید کر لیتے ہیں، یہ کبھی وقت کی سوئیوں سے نہیں الجھتے، محبت تو تعزیہ ماتم ہے جو سالوں عزاداروں کے سینوں پر برستا اور بین کرتا ہے، کیا تمہیں میرے دل کے بین سنائی نہیں دیتے؟ میرے جذبوں کی آہیں سنائی نہیں دیتی؟" اسے خود سے قریب کرتے وہ جذب سے بول رہے تھے، ماہین کی بے حسی، نفرت اور غصہ لرزنے لگا تھا۔

"کہاں سے پڑھ آئے ہو یہ محبت نامے؟ کون کہتا ہے تمہیں یہ سب کہنے کو؟ مت بولا کرو مجھ سے ایسی باتیں۔"

"تمہاری حسین آنکھیں کہتی ہیں مجھ سے۔" ذوریز نے ماہین کی گہری نشیلی آنکھوں کو دیکھا۔

"تمہارے یہ خوبصورت ہونٹ۔" انہوں نے شہادت کی انگلی سے ماہین کے ہونٹوں کو چھوا۔

"تمہارا یہ حسین چہرا۔" اس کے رخسار چھوتے ہوئے بتایا گیا۔

"یہ سب مجھے مجبور کرتے ہیں تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ تم اب بھی کس قدر حسین ہو۔" سرگوشی کے انداز میں ذوریز آفندی محبت پاش نظروں سے ماہین کو دیکھتے ہوئے بولے تو ماہین کا بے حس اور کٹھور دل، تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"چھوڑو مجھے اور جاؤ یہاں سے۔" ماہین نے اسے دروازے کی جانب دھکیلا، تو وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگے۔

"تم بہت پچھتاؤ گی ماہی۔"

"میں اٹھارہ سال سے پچھتا رہی ہوں تمہیں شریک سفر بنا کر۔"

"میری محبت ایک دن اپنی بے گناہی ثابت کر کے رہے گی، دیکھ لینا تم۔" ان کے لہجے میں یقین تھا۔

"دیکھیں گے جب وقت آئے گا، فی الحال تم جاؤ یہاں سے۔" ماہین نے سختی سے کہا۔

"اور اگر نہ جاؤں تو؟" مسکراہٹ دبا کر پوچھا گیا۔

"تو میں تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔" تنفر سے فیصلہ سنایا گیا۔

"بہت بے حس ہو گئی ہو۔"

"تم نے کر دیا ہے مجھے۔" ہنوز تنفر۔

"تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں، تمہارا الزام سر آنکھوں پہ۔" انہوں نے سر تسلیم خم کیا۔

"اب جاؤ۔" وہ بے زار ہوئیں۔

"او کے چلتا ہوں۔" اور پھر مسکراتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئے تھے، اسے لگا جیسے اس کے اردگرد اندھیرا چھا گیا ہو وہ شخص جو کبھی اس کے لئے روشنی ہوا کرتا تھا۔

☆☆☆

اور پھر ایک انہونی ہو گئی تھی، اگلی صبح جب انزک آفاق اپنے کمرے سے باہر آیا تھا تو دادی اور ماں کو اپنا منتظر پایا۔

"وے بے ہدایتے، ادھر آ میرے پاس۔"

ایک ہفتے کے بعد دادی نے اسے آواز دی تو وہ ستارہ پھپھو کی Quick service پہ زیر لب مسکرایا اور دادی کے پاس آ بیٹھا۔

"جی دادی؟" وہ سر جھکائے بولا۔

"تمہیں شادی کی اتنی آخر (جلدی) آئی ہوئی تھی تو ہمیں بتاتا، عزت کے ساتھ دو چار بندے لے کر جاتے تیرا رشتہ مانگتے، ہماری بھی عزت رہ جاتی، انزک تو نے ایک بھی نہ سوچا کہ دنیا کو پتہ چلے گا تو کیسے کیسے چھتر مارے گی ہمیں؟" دادی کی ڈانٹ پہ اس سے سر نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔

مجبوری اور جھوٹ نے اسے سر اٹھانے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا وہ بہن کے لئے خوشیاں خریدتے ہوئے اپنے لئے پریشانی اکٹھی کر بیٹھا تھا۔

"دادی میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"اب خالی شرمندگی سے کچھ نہیں ہو گا میرے پتر، صرف ایک شرط پہ تجھے معافی ملے گی۔" دادی نے حتمی انداز میں فیصلہ سنایا۔

"کیسی شرط دادی؟" اس نے ڈوبتے دل سے دادی کو دیکھا۔

"کومل کی رخصتی سے پہلے تو اپنی دلہن کو اس گھر میں لے کر آئے گا۔" دادی کے جملے نے تو اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے دادی۔" اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"نہ کیوں نہیں ہو سکتا یہ چوری چھپے نکاح کرنے کا بڑا چاہ تھا تجھے۔" دادی نے غصے سے اسے گھورا۔

"یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"بے جی ٹھیک کہہ رہی ہیں انزک، ستارہ بتا رہی تھی پری تم سے نکاح کے بعد اپنی کسی سہیلی کے گھر ٹھہری ہوئی ہے، اس کی ماں نے بھی اسے گھر سے نکال دیا ہے؟" صابرہ نے استفسار کیا۔

"ج... جی...... ماں۔" وہ ہکلایا۔

"ہمارے ہوتے ہوئے ہماری بہو پرائے گھر میں کیوں رہے؟ تمہاری خاطر اس نے اپنی ماں کو چھوڑ دیا، گھر بار عیش و عشرت سب کو خیر باد کہہ دیا، ہم بھی بیٹیوں والے ہیں، اپنی بہو کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماں، لیکن وہ

یہاں نہیں رہ سکے گی، اسے اپنی دوست کے گھر ہی رہنے دیں فی الحال۔" وہ بے بسی سے گویا ہوا، اسے رہ رہ کر ستارہ پھپھو پہ غصہ آ رہا تھا، جنہوں نے اس کے جھوٹ کو مزید جھوٹ کا تڑکا لگا کر دادی اور ماں کو نا جانے ایسی کون سی رام کہانی سنائی تھی کہ وہ...... پری کو گھر لانے کی بات کر رہی تھیں۔

"نہ کیوں رہنے دیں ہم اپنی بہو کو وہاں؟ تم بے ہدایتے کے ساتھ وہ خوشی خوشی نکاح کر سکتی ہے تو ادھر اس گھر میں ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتی بھلا؟" دادی ہنوز غصے سے بولیں، انزک کی حالت تو ایسی تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔

"دادی فی الحال پری کو وہیں رہنے دیں، اگر کومل کے سسرال والوں کو میرے خفیہ نکاح کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ سو سو باتیں بنائیں گے۔" انزک نے کومل کے سسرال والوں کو گھسیٹ کر دادی اور ماں کو بلیک میل کرنا چاہا۔

"تجھے کومل کے سسرال والوں کی اتنی فکر ہوتی تو، تو یہ چن ہی نہ چڑھاتا۔"

"دادی اب بس بھی کریں ناں، میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔" وہ جھنجھلایا۔

"تیری یہ خالی شرمندگی اب ہمارے کسی کام کی نہیں، تو کومل کے سسرال والوں کی فکر نہ کر، میں خود ان کے سارے سوالوں کے جواب دے دوں گی، تو بس پری کو گھر لے آ، یہ میرا حکم بھی ہے اور میرا آخری فیصلہ بھی۔" دادی کی بات پہ وہ سر تھام کر رہ گیا، نا جانے کس منحوس گھڑی میں اس نے یہ کام کرنے کی ہامی بھری تھی، الٹا اسے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

"ماں پلیز، آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں نا، پری یہاں نہیں رہ سکتی گی۔" اس نے ماں کے ہاتھ تھامے ہوئے التجا کی۔

"انزک مجھے ایک بات کا جواب د
یہاں رہ نہیں سکتی تھی تو تم نے اس سے نکا
کیوں کیا؟ اب کرلیا ہے تو اسے گھر لے کر آ
میرا اور بے جی کا حتمی فیصلہ ہے، اگر تم پری
گھر میں نہ لائے تو یاد رکھنا، معافی نہیں
تمہیں۔" صابرہ بیگم کی بات پہ اس کا
چکرانے لگا۔

☆☆☆

وہ گہری نیند سو رہی تھی، جب ایک نا
سی بدبو نے اسے آنکھیں کھولنے پہ مجبور کر دیا
اس نے سر اٹھا کر ٹینا کے بستر کی جانب دیکھا
اپنے بیڈ کے ایک کونے میں بیٹھی تھی، اس
ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پلیٹ تھی، پلیٹ میں
رکھا تھا، دوسرے ہاتھ سے ٹینا ایک
پکڑے اس پلیٹ پہ جھکی تھی اور ایک سر
کیفیت میں مبتلا تھی وہ حیرت سے اٹھ کر بیٹھ
پاس آئی۔

"ٹینا یہ کیا کر رہی ہو؟" پری نے
سے پلیٹ میں رکھے سفید پاؤڈر کو دیکھا۔

"ارے تم اٹھ گئی۔" ٹینا نے مسکرا کر
دیکھا۔

"آؤ یہاں بیٹھو اور اسے ٹرائی کر
سرور آئے گا کہ یاد کرو گی۔"

"یہ سب کیا ہے ٹینا؟" وہ حیرت سے
دیکھ رہی تھی۔

"کم آن ڈارلنگ تم کس دنیا میں رہتی
یہ کوکین ہے اور میں اس نشے کی عادی ہوں۔"

"تم...... تم نشہ کرتی ہو؟"

"ہاں دو سال پہلے لت لگی اور ایسی
چھٹتی نہیں یہ، کافر منہ سے لگی ہوئی ہے
ہنسی۔

"کیا تمہارے گھر والے جانتے ہیں کہ

"سب......میرا مطلب ہے کہ......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"انہیں صرف اس رقم سے دلچسپی ہے جو ہر مہینے میں انہیں بھیج دیتی ہوں، اینی وے مجھے چھوڑو، یہ بتاؤ تم یہاں کیوں رہ رہی ہو؟ کسی اچھی فیملی سے لگتی ہو، یہ جگہ تمہارے رہنے کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔" ٹینا کی بات پہ اس کا ذہن مزید الجھا۔
"لیکن کیوں؟"
"پری تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو، اوپر سے ...ا کی حسین بھی، میری مانو اور جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔"
"ٹینا تم کھل کر بات کرو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"
"دیکھو پری، میں اس دلدل میں دھنس چکی ہوں چاہوں بھی تو یہاں سے نہیں نکل سکتی، اس ہاسٹل کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے، میڈم رخشندہ ...ہ سمیت کئی لڑکیوں سے "دھندہ" کرواتی ہیں، سرکاری، غیر سرکاری افسران کے پاس بھیجتی ہیں اور جو لڑکی انکار کرتی ہے اس پہ جھوٹا پولیس کیس بنا کر حوالات بھجوا دیتی ہے میڈم رخشندہ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، بڑی بڑی مچھلیاں پھنسا رکھی ہیں انہوں نے، پولیس تک ہاتھ نہیں ڈالتی ان پہ، ایک بار میڈم کے جال میں پھنس جائے وہ کبھی بھی اس دھندے سے رہائی نہیں پا سکتی۔"
ٹینا کے انکشاف پہ اس کا سر چکرا کر رہ گیا تھا، اس کی نظروں کے سامنے چند دن پہلے کا وہ منظر گھوم گیا، جب رات کے پہر اس نے ہاسٹل کی لڑکیوں کو کیری ڈبے میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔
"مائے گڈنس۔" وہ سر تھام کر رہ گئی تھی۔
"اس سے پہلے کہ تمہاری خوبصورتی تمہارے لئے مسئلہ بن جائے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ، میڈم کی نظریں آج کل تم پر مرکوز ہیں۔" ٹینا کے انکشاف نے اس کا سکون غارت کر دیا تھا، اس کی نیند بھک سے اڑ گئی تھی، اسے سخت خوف آ رہا تھا۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسی وقت یہاں سے بھاگ جائے، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ کسے بتائے کس سے مدد مانگے، اس نے سمیر کو فوری کال کی تھی لیکن اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا، فجر تک اسی بے چینی اور اذیت میں رہنے کے بعد اچانک پری کو انزک آفاق کا خیال آیا تھا۔

☆☆☆

صرف ایک جھوٹ اور غلط فیصلے نے انزک کو آزمائشوں کی بند گلی میں لا کھڑا کیا تھا، ذہن اس قدر الجھ گیا تھا کہ فرار کا کوئی بھی راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ دادی اور ماں کا فیصلہ کیسے رد کرے؟ پری سے بات کرے یا نہ کرے۔
کہتے ہیں کہ انسان جب دنیا اور زندگی سے مایوس ہوتا ہے تو خالق کائنات کی یاد اس کو ڈھارس دیتی ہے انزک آفاق کو بھی اللہ کی بابرکت ذات سے امید ملی تھی، فجر کی نماز پڑھنے اور اپنی پریشانی کو اللہ کے سپرد کرنے کے بعد وہ جائے نماز تہہ کر رہا تھا جب اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجی تھی، موبائل ہاتھ میں لیتے ہی اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا تھا، پری اسے فون کر رہی تھی، ہنوز حیرت سے اس نے پری کی کال پک کی تھی۔
"ہیلو انزک، میں پری بول رہی ہوں۔"
دوسری طرف پری کی گھبرائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"خیریت مس پری آپ نے مجھے اس وقت کال کی؟" ازک نے حیرت سے پوچھا۔
"ازک مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے۔" وہ بے چینی سے بولی تھی۔
"کیسی ہیلپ؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟"
"میں ٹھیک ہوں ازک، تم تو جانتے ہو کہ سمیر ابھی واپس نہیں آیا ہے میں اس وقت ایک گرلز ہاسٹل میں ہوں، تم صبح پہلی فرصت میں مجھ سے ملو، میں تمہیں ہاسٹل کا ایڈریس سینڈ کرتی ہوں۔" پریشانی پری کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔
"آپ پریشان نہ ہوں، میں صبح آتا ہوں وہاں۔"
"تھینکس۔" وہ قدرے مطمئن ہوئی۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے مس پری۔"
"اوکے میں اب رکھتی ہوں۔" دوسری طرف کال بند ہو گئی تھی اور وہ کتنے ہی لمحے موبائل ہاتھ میں پکڑے حیرت سے سوچتا رہا تھا، نا جانے اسے کیا کام تھا؟
اگلی صبح دس بجے وہ پری کے بتائے ہوئے گرلز ہاسٹل کے آفس میں موجود تھا، بقایا جات ادا کرنے کے بعد وہ ازک کے ساتھ ہاسٹل سے باہر آئی۔
"مس پری کیا بات کرنی تھی آپ کو مجھ سے؟" وہ اس کا سوٹ کیس پکڑے گاڑی کے قریب آیا، جو وہ اپنے کسی دوست سے مانگ کر لایا تھا۔
"بتاتی ہوں، تم بس مجھے یہاں سے لے جاؤ۔" ازک نے سوٹ کیس ڈگی میں رکھا اور پری کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔
"ویسے بات تو مجھے بھی آپ سے کرنی ہے۔" ازک ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔
"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" پری نے گردن موڑ کر اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔
"نا جانے آپ میری بات سن کر کیا سوچیں گی۔" ازک اب گاڑی مین روڈ پہ لے آیا تھا۔
"تم بات کرو میں سن رہی ہوں۔"
"مس پری، یہ سچ ہے کہ میں نے یہ نکاح اپنی بہن کی رخصتی کے لئے کیا تھا، اس کی خوشی کی خاطر، اس کے سسرال والے کافی عرصے رخصتی کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے، میری جاب نہیں تھی سو انہیں ماں مختلف بہانوں سے ٹال رہی، میں گھر کا واحد کفیل تھا، مختلف آکیڈمیز میں پڑھا کر بمشکل گھر کے اخراجات پورے کر رہا تھا، انہی دنوں آپ کی دوست نے مجھے لالچ دے کر آپ سے نکاح کرنے کی پیشکش کی کومل کی خوشیوں کی خاطر میں نے یہ نکاح کی حامی بھر لی، میں نے آپ سے خفیہ نکاح اس ڈیل کے بارے میں جو بھی معاملات ہوئے تھے وہ سب اپنے گھر والوں سے چھپا رکھے، اگر میں ماں کو یہ حقیقت بتا دیتا تو وہ زندگی میری شکل نہ دیکھتی۔"
"تو پھر تم نے وہ چیک واپس کیوں" پری کو اچانک یاد آیا۔
"بس یوں سمجھئے اللہ نے اس معاملے میں میری مدد کی اور رقم کا بندوبست ہو گیا اور وہ چیک آپ کو واپس کر دیا۔"
"کب رخصتی ہے تمہاری بہن کی؟"
"انشاءاللہ ڈیڑھ مہینے تک۔"
"ویری گڈ۔" پری نے سراہا۔
"اب میرے گھر والوں کو اس خفیہ علم ہو گیا ہے اور وہ مجھ سے سخت ناراض انہوں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے میرا۔"

انزک کے لہجے سے عیاں تھی۔

"ویری سیڈ، تم نے انہیں منانے کی کوشش نہیں کی؟"

"بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں مانے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"آپ کی ہیلپ چاہیے مجھے۔" انزک نے التجائیہ انداز میں پری کو دیکھا۔

"کیسی ہیلپ؟"

"دراصل میری ماں اور دادی مجھے ایک شرط پہ معاف کرنے پہ تیار ہوئی ہیں۔" انزک نے ایک جگہ یوٹرن لیا۔

"کیسی شرط؟" اس نے حیرت سے انزک کو دیکھا جس کے چہرے پہ اب بھی پریشانی درج تھی۔

"یہی کہ جس لڑکی سے میں نے خفیہ نکاح کیا ہے میں اسے اپنے گھر لے آؤں۔" اس کی بات پر پری نے اسے مزید حیرت سے دیکھا۔

"امپاسبل، یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ بتا رہی تھیں کہ سمیر صاحب کے آنے تک آپ کو رہنے کے لیئے ایک ٹھکانہ چاہیے، کوئی ایسی جگہ جہاں آپ کی عزت اور جان دونوں محفوظ ہوں اور مجھے کچھ دنوں کے لیئے آپ کا فرضی ساتھ چاہیے، میری بہن کی رخصتی تک میرے گھر میں میری بیوی کے روپ میں چند دن محض چند دن رہ لیں، کومل کی رخصتی ہوتے ہی میں کوئی نہ کوئی جواز بنا کر آپ کو آزاد کر دوں گا، اس طرح ہم دونوں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔" انزک نے تجویز اس کے سامنے رکھی۔

"انزک ایسا ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہوگا، سمیر تو یہ سب سنتے ہی بھڑک اٹھے گا۔" پری نے فوراً انکار کیا۔

"پلیز مس پری، مجھے مایوس مت کریں اور سمیر صاحب کی تو آپ بالکل بھی ٹینشن مت لیں، ان سے میری بات ہو چکی ہے انہیں آپ کا میرے گھر میں رہنے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔" انزک کے انکشاف پہ وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا سمیر کبھی نہیں مانے گا۔"

اسے یہ تو معلوم ہی تھا کہ سمیر خاصا لبرل آدمی تھا، لیکن وہ اتنی آسانی سے ایک انجان شخص کے گھر میں اسے رہنے کی اجازت دے، دے گا یہ پری کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"تم...... تم جھوٹ بول رہے ہو، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تمہاری بات پہ ہرگز یقین نہیں ہے۔" پری نے دو ٹوک انداز میں کہا، اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"اگر آپ کو میری بات پہ یقین نہیں آ رہا تھا تو میں ابھی انہیں کال کرتا ہوں۔" انزک نے گاڑی ایک سائیڈ پہ رکی اور سمیر کو کال ملا کر سپیکر آن کیا، بیل جا رہی تھی تھوڑی دیر بعد سمیر کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"Anzaq i am very tired and you have disturbed me."

"سوری سمیر صاحب، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا، ایکچوئیلی مس پری کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ کو ان کا میرے گھر میں رہنے پہ کوئی اعتراض نہیں۔"

"اوہو انزک، میں نے کہا ناں، میں پری کو فون کر کے کہہ دوں گا، جب تک میں واپس نہیں آ جاتا، وہ رہ لے گی تمہارے گھر، تم تسلی رکھو، پری میری بات ہرگز نہیں ٹالے گی۔" سمیر کی بات

سننے کے بعد پری کو انزک سے مزید کچھ کہنے کی اس میں سکت ہی نہ رہی تھی، نا جانے یہ کیسا احساس تھا کہ اس کی آنکھیں بھر آئیں، اسے اب بھی اپنی سماعت پہ شبہ ہو رہا تھا۔

''اب تو آپ کو یقین آ گیا ناں میری بات کا؟'' انزک نے گردن موڑ کر گم صم سی پری کو دیکھا۔

''Ok take me your home۔'' اس نے آہستگی سے کہا اور شیشے سے باہر رواں دواں ٹریفک دیکھنے لگی، آہستہ آہستہ اس کی عقل کی سب لگامیں ٹوٹتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

انوش کو اس کے باپ کے سامنے ذلیل کرنے کے بعد، اپنے دوستوں کے ساتھ انوش کی بے عزتی کا جشن منانے کے بعد بھی شاہ ویز کو وہ خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی جو اسے ہونی چاہیے تھی، وہ ہنستا تو انوش کا بھیگا چہرہ اس کے سامنے آ جاتا۔

''ویسے جگر تو نے کچھ زیادہ جلدی نہیں کی اس قصے کو نمٹانے کی؟'' نوید نے اس کے کندھے پہ دھپ رسید کی۔

''کیا مطلب؟'' وہ انجان بنا۔

''مطلب یہ کہ...... اس حسینہ کو پٹانے کے لیے تو نے دن رات ایک کر دیا اور جب وہ تیری جھوٹی محبت کے جال میں پھنسی تو...... تو نے قصہ ہی ختم کر دیا...... میری جان...... پانچ چھ مہینے اسے ٹرخاتا، اس کے ساتھ وقت گزارتا عیاشی کرتا، جب دل بھر جاتا تو جان چھڑا لیتا۔'' نوید کی بات پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں تو سچ کہتا ہے یار، ایسی حسین لڑکیاں روز روز قابو نہیں آتیں۔''

''لیکن میں کیا کرتا، اسے جلدی تھی مجھے اپنے باپ سے ملوانے کی۔'' شاہ ویز کی آواز میں افسوس تھا۔

''تو فکر کیوں کرتا ہے لالے، تیرے پاس اس کی وڈیوز تو سیو ہیں نا؟'' حارث نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں یار وہ تو سیو ہیں میرے پاس۔''

''تو بس پھر کس بات کی ٹینشن، تو اسے بلیک میل کر کے جب چاہے اسے بلوا سکتا ہے اس کے ساتھ ٹائم گزار سکتا ہے۔'' حارث نے خباثت سے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری، شاہ ویز اس کے مشورے پہ مسکرایا۔

''ارے واہ جگر کیا یاد دلایا ہے تو نے...... ویسے پکا خبیث ہے تو۔'' شاہ ویز، حارث کے مشورے پہ مسرور ہوا۔

''وہ اتنی خوبصورت ہے کہ اسے بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے یار۔'' شاہ ویز نے اس کے کندھے پہ بازو پھیلایا۔

☆☆☆

کبھی کبھی انسان نہ ٹوٹتا ہے نہ بکھرتا ہے بس ہار جاتا ہے کبھی قسمت سے اور کبھی خود سے پریشے بھی قسمت کے ساتھ ساتھ اب خود سے بھی ہارنے لگی تھی، وقت کی ہتھیلی سے خوشیاں ریت کی مانند پھسلتی جا رہی تھیں، اس کی آنکھیں اب صرف دیکھتی تھیں اور لب خاموش رہتے تھے، اللہ نہ جانے اسے اس کی خوشی (سمیر) کے ذریعے کیوں آزما رہے تھے؟ زندگی کے سوال اب اسے ہمہ وقت پریشان کرنے لگے تھے۔

وہ انزک کے ساتھ جب اس کے گھر میں داخل ہوئی تھی تو سنہری کرنوں نے آفاق منزل پہ اپنا آنچل پھیلا رکھا تھا۔

''ماں...... دادی...... ستارہ پھپھو...... کہاں ہیں آپ سب؟'' وہ دروازے سے اندر

داخل ہوتے ہی ان سب کو آوازیں دینے لگا تھا۔
"یا اللہ خیر!" انزک اتنی جلدی آ گیا؟
صابرہ اپنے گیلے ہاتھ صاف کرتی باہر آئیں۔
"انزک بھئی کیوں آوازیں دے رہے ہو؟" ستارہ اور کومل کمرے سے نکل کر باہر آئیں، لاؤنج میں چاشت کے نفل پڑھتی دادی نے سلام پھیرا۔
انزک کے ساتھ پیاری اور موہنی سی لڑکی دیکھ کر صابرہ، ستارہ اور کومل حیران ہوئیں۔
"ماں لے آیا ہوں میں آپ کی بہو کو، اب تو خوش ہیں نا آپ؟" انزک صابرہ بیگم کے قریب آتے ہوئے مسکرایا۔
"ارے ماشاء اللہ ماں صدقے جائے۔"
صابرہ نے خوشی سے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا، اس کا ماتھا چوما۔
"چاند کا ٹکڑا ہے میری بہو۔" صابرہ کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ محبت سے پری کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
"انزک تم نے تو کمال کر دیا، اب میں سمجھی تم نے نکاح میں اتنی جلدی کیوں کی؟" ستارہ نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی، انزک مسکرایا۔
"ماشاء اللہ پری تم تو بالکل پرستان کی پری ہو۔" اب ستارہ نے اسے خود سے لپٹایا۔
"بھابھی میں کومل...... آپ کی اکلوتی نند۔"
کومل بھی خوشی اور Excitement سے پری کے قریب آئی۔
"صابرہ کون ہے بھئی، رولا کیوں ڈال رکھا ہے تم سب نے؟" دادی جائے نماز تہہ کرتے بولیں۔
"بے جی اُدھر دیکھیں انزک ہماری بہو کو گھر لے آیا ہے۔" صابرہ پری کو بازو کے گھیرے میں لیئے اندر آئیں۔
"ارے واہ یہ ہوئی نا بات، اِدھر آ میری بچی میرے گلے لگ میرے سینے میں ٹھنڈ ڈال۔"
دادی نے خوشی سے بے قابو پری کے لئے بازو پھیلائے پری جھجک کر ان کے گلے لگی۔
"دادی صدقے جائے۔"
"بے جی بس بھی کریں نا، پری کو بیٹھنے تو دیں، بے چاری کب سے کھڑی ہے۔" ستارہ نے آگے بڑھ کر پری کو ان سے الگ کیا اور اسے صوفے پہ بیٹھنے کو کہا۔
پری دل ہی دل میں ان کی اس والہانہ محبت پہ شرمندہ ہو رہی تھی۔
"کومل جاؤ بھابھی کے لئے کچھ ٹھنڈا لاؤ۔"
صابرہ نے کومل کو مخاطب کیا۔
"جی ماں، ابھی لائی۔"
"ہور پتر تو ٹھیک تو ہے نا؟" بے جی نے خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ گھبرائی ہوئی پری کو دیکھا۔
"جج...... جی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"میری جان تمہیں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔" ستارہ نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا، انزک اک مدت کے بعد سب کو یوں خوش دیکھ رہا تھا۔
"یہ لیں بھابھی۔" کومل نے کولڈ ڈرنک کا گلاس پری کے آگے کیا۔
"اس کی ضرورت نہیں تھی۔" پری نے جھجک کر کہا۔
"ارے کیوں ضرورت نہیں، تم اس گھر کی رانی ہو مالکن ہو، اب اس گھر کی۔" صابرہ نے محبت اور شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اس والہانہ محبت پہ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"کومل یہ کیا بات ہوئی بھابھی کے آتے ہی بھائی کو بھول گئیں؟" انزک نے شرارت سے

شکوہ کیا۔

"او سوری بھیا میں آپ کے لئے ابھی لائی۔" کومل دوبارہ کچن کی جانب بڑھ گئی اور ایک اور گلاس میں کولڈ ڈرنک ڈال کر انزک کو دی، سب پری کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"میں ذرہ فریش ہو جاؤں۔" انزک نے خالی گلاس ٹیبل پہ رکھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"میرے انزک کی دلہن تو...... ڈراموں میں آنے والی لڑکیوں کی طرح خوبصورت ہے۔" دادی نے سادگی سے اسے سراہا۔

"دادی ان لڑکیوں نے تو اتنا اتنا میک اپ تھوپ رکھا ہوتا ہے، ہماری پری بھابھی تو Natural beauty ہیں۔" کومل سامنے صوفے پہ بیٹھی بولی۔

"نہ وہ کیا ہوتا ہے بھلا؟"

"بے جی کومل کا مطلب ہے قدرتی خوبصورتی۔" ستارہ کے بتانے پہ دادی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے۔" بے جی کی دعا پہ سب نے آمین کہا۔

"صابرہ جلدی سے پری کا صدقہ دو۔" دادی نے تھیلی سے کئی نوٹ نکالے اور صابرہ کی جانب بڑھائے۔

"انہیں رانی کے گھر بھیجوا دو۔" دادی نے یاد دلایا۔

"جی بے جی، ابھی بھیجواتی ہوں۔"

"پری سے کھانے کا تو پوچھیں، یہ کیا شوق سے کھاتی ہے؟" ستارہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کھانے کا شوق نہیں ہے۔" پری نے آہستگی سے کہا۔

"وہ تو تمہاری Smartness سے اندازہ ہو رہا ہے لیکن پھر بھی کچھ تو شوق سے کھاتی ہو گی؟"

"پھپھو! امیر لوگ زیادہ تر چائنیز یا تھائی فوڈز پسند کرتے ہیں میں نے کئی ڈراموں میں دیکھا اور کئی ناولوں میں پڑھا ہے۔" کومل نے ستارہ سے سرگوشی کی، پری اس کی سرگوشی پہ بے اختیار مسکرا دی۔

"پری تمہیں گرمی تو نہیں لگ رہی؟" صابرہ نے فکرمندی سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ستارہ جا کر ایئر کولر آن کرو، یہ تو شرما رہی ہے کہاں بتائے گی۔" صابرہ نے ستارہ کو مخاطب کیا۔

"جی بھابھی ابھی چلاتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے ایکچوئیلی میں ذرہ فریش ہونا چاہ رہی تھی۔" پری نے گلاس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"کومل تم پری کو اس کا کمرہ دیکھا دو، تھوڑی فریش ہو جائے پھر اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔" صابرہ نے کومل سے کہا۔

"چلیں بھابھی۔" کومل صوفے سے اٹھی، پری اس کی معیت میں چلنے لگی۔

"تھینکس کومل۔" پری نے دھیرے سے کہا اور کمرے کے اندر آئی۔

"آپ آرام کریں بھابھی میں ذرہ ماں کی کچن میں ہیلپ کروا دوں۔" کومل مسکراتے ہوئے واپس پلٹ گئی۔

وہ پورے کمرے پہ نگاہ ڈالتی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی، دفعتاً باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا اور انزک جینز پہ بنیان پہنے گیلے بالوں میں ٹاول رگڑتا ہوا

باہر نکلا۔
"تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ فوراً بیڈ سے اٹھی۔
"یہ کمرہ ہے میرا یہاں نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا مس پری؟" انزک نے پری کی موجودگی کے پیش نظر ٹاول اب اپنے کندھوں پہ پھیلا لیا تھا۔
"لیکن کومل تو کہہ رہی تھی کہ یہ میرا کمرہ ہے؟" وہ نہایت الجھی نظروں سے انزک کو دیکھ رہی تھی۔
"ایگزیکٹلی یہ ہم دونوں کا کمرہ ہے۔" وہ آئینے کے سامنے آیا اور بال بنانے لگا۔
"What nonsense" وہ غصے میں دھاڑی۔
"کومل کی شادی تک، ہمیں ایک ساتھ اس کمرے میں رہنا ہوگا اور جب یہ......"
"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" پری نے عجلت میں اس کی بات کاٹی۔
"تم نے بات صرف اپنے گھر میں رہنے کی کی تھی، کمرے میں رہنے کی نہیں۔" وہ غصے میں اس پہ برس رہی تھی۔
"دیکھیے مس پری، آپ سمجھنے کی کوشش کریں، ہم صرف چند دن کے لئے میاں بیوی بن کر رہنے کا ڈرامہ کریں گے اور بس۔"
"انزک تم نے بہت غلط کیا ہے میرے ساتھ مجھے دھوکے میں رکھا ہے، میں کسی صورت تمہارے ساتھ یہ کمرہ شیئر نہیں کروں گی۔" وہ ہتھے سے اکھڑ رہی تھی، اسے انزک پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔
"دیکھیے محترمہ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے آپ کو اپنے کمرے میں رکھنے کا، اگر آپ کو کوئی شک یا بدگمانی ہے کہ میں تنہائی کا فائدہ اٹھا کر آپ کے قریب آنے کی کوشش کروں گا تو اپنے دل سے یہ شک اور بدگمانی نکال دیجئے، بے غیرت اور کم ظرف نہیں ہوں میں کہ ایک مجبور لڑکی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاؤں۔"
"لیکن ہو تو مرد ناں، لمحوں میں بدلتے دیکھا ہے میں نے مردوں کو۔"
"میرا نام انزک آفاق ہے مجھے عام مرد نہ سمجھیئے گا۔"
"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ تم عام مرد ہو یا خاص، میں تمہارے ساتھ کمرہ شیئر نہیں کر سکتی دیٹس اٹ۔" پری بات ختم کرنے کے بعد دروازے کی جانب بڑھی۔
"مس پری پلیز، بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ اس کے راستے میں آیا۔
"تم ہوتے کون ہو میرا راستہ روکنے والے؟" وہ دھاڑی۔
"دیکھیے مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کا راستہ روکنے کا، صرف چند دن کی بات ہے پلیز۔" انزک نے التجاء کی وہ بہت بے بسی محسوس کر رہا تھا۔
"چند دن تو دور کی بات ہے میں چند لمحے تم پر ٹرسٹ نہ کروں۔" اس نے غصے میں انزک کو دیکھا۔
"دیکھیے مس پری، آپ کے آنے سے میرے گھر والے کس قدر خوش ہیں پلیز ان کی خوشی غارت نہ کریں، دادی Heart patient ہیں اگر آپ کی کسی حرکت سے انہیں کچھ ہوا تو، معاف نہیں کروں گا میں آپ کو۔" اس نے درشت لہجے میں کہا۔
"اور رہی بات اعتبار کی تو وہ آپ کو یہاں چند دن رہ کر ہی معلوم ہو جائے گا کہ میں اس قابل ہوں یا نہیں۔" سچائی انزک کے لہجے سے جھلک رہی تھی، وہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی۔

''اگر تم بھول کر بھی میرے قریب آئے تو میں تمہیں قتل کردوں گی۔'' پری نے اسے دھمکی دی۔

''آپ کی سزا خوشی خوشی قبول ہوگئی مجھے۔'' انزک اسے یقین دلا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

انوش کے اینول ایگزامز سر پہ تھے لیکن اس کا پڑھائی میں رتی بھر دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا سارا دن خود کو کوستے ہوئے گزرتا کہ اس نے شاہ ویز پر ٹرسٹ کیوں کیا؟ اب بھی وہ بکس کھولے بیٹھی تھی لیکن اس کی نظریں سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ مرکوز تھیں۔ دفعتاً اس کے موبائل کی میسج ٹون نے اسے چونکا دیا تھا، اس نے بے دلی سے موبائل اٹھا کر واٹس ایپ کھولا، کوئی وڈیو کلپ تھا جو اسے بھیجا گیا تھا، اس نے کلک کیا۔

''یہ...... یہ کیا کر رہے ہو؟'' وڈیو میں انوش نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تھا۔

''تمہیں دیکھنا جرم ہے کیا؟'' شاہ ویز وارفتگی سے ٹیبل پہ جھکا اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''لوگ کیا سوچیں گے؟''

''مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میرے سامنے اس وقت میری محبت موجود ہے، میری زندگی میرا عشق میرے سامنے ہے اور جانتی ہو جب تم میرے سامنے ہوتی ہو تو میرا خود پہ اختیار ختم ہونے لگتا ہے۔'' شاہ ویز نے اب دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ نہایت محبت سے بول رہا تھا۔

''میرا جی چاہتا ہے کہ ان ہاتھوں سے تمہارے ان خوبصورت ہونٹوں کو چھو کر دیکھوں تمہارے ان بالوں کو اپنے چہرے پہ بکھیر لوں تمہاری خوشبو کو تمہاری سانسوں کو محسوس کروں تمہاری انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر تمہارے ہاتھ کی پشت پہ اپنے ہونٹوں کی مہر لگاؤں۔''

''پلیز شاہ ویز۔'' وہ جھینپ رہی تھی، [illegible] ہو رہی تھی، شاہ ویز نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگانا چاہا تھا۔

یہ وڈیو دیکھ کر انوش کے اوسان خطا ہو گئے تھے، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شاہ ویز اس قدر گھٹیا اور کم ظرف نکلے گا، بے بسی سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں، وڈیو کے نیچے ایک تحریر درج تھی۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ یہ وڈیو سوشل میڈیا پر وائرل نہ ہو تو جہاں میں بلاؤں تم وہاں آ کر مجھ سے ملو۔'' انوش نے جملہ پڑھا اور روتے ہوئے موبائل زمین پہ دے مارا، چند کمزور لمحوں کی پکڑ کر شاہ ویز کو اپنا سائبان سمجھ لینے کی سزا اتنی تکلیف دے ہو سکتی تھی؟ یہ انوش نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔

☆☆☆

آفاق منزل میں سب پری کو ایسے ٹریٹ کر رہے تھے جیسے وہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہو یا پھر کسی پرستان کی پری ہو۔

کھانے کی میز پر جس طرح پیار سے اسے بار بار کھانا کھانے پہ اصرار کیا جاتا وہ واقعی شرمندہ ہو جاتی، سب گھر والوں کی والہانہ محبتوں پہ [illegible] پھر ایک دو دن میں ہی یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ انزک نے نکاح کر لیا ہے اور اس کی بیوی بہت خوبصورت ہے، سو محلے کی عورتوں کا پری کو دیکھنے کے لئے تانتا بندھ گیا تھا وہ بری طرح سے تھک جاتی اور رزادی کے کمرے

میں ہی سو جاتی۔

"السلام علیکم دادی!" انزک دادی کے کمرے میں داخل ہوا۔

"شش...... آہستہ بولو......" پری سو رہی تھی دادی نے منہ پہ انگلی رکھ کر انزک کو خاموش کروایا۔

"ٹھیک ہے دادی پری کو یہیں سونے دیں، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" انزک نے ایک نگاہ دادی کے بستر پہ سوئی پری کو دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

بہت عرصے کے بعد وہ یوں بغیر سلیپنگ پلز کے گہری نیند سوئی تھی، صبح جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے، انزک گھر پہ نہیں تھا، ستارہ بوتیک کے کپڑے دینے گئی ہوئی تھی زارا اسکول جا چکی تھی، صابرہ اور بے جی سبزی بنانے میں مصروف تھیں، سامنے کومل آئرن اسٹینڈ پہ کپڑے پریس کر رہی تھی۔

"اٹھ گئی میری شہزادی؟" صابرہ نے اسے دیکھ کر پیار سے کہا۔

"السلام علیکم!" پری نے جھجک کر انہیں سلام کیا اور ان کے قریب آئی، دادی اور صابرہ بیگم نے اسے سر پہ پیار دیا۔

"جیتی رہو میری بچی، اللہ تمہیں سدا سہاگن رکھے۔" دادی نے اسے دعا دی۔

"طبیعت کیسی ہے میری پری کی؟" صابرہ نے سبزی بناتے ہوئے پری کا حال پوچھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"ناشتے میں کیا کھائے گی میری بیٹی؟" صابرہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"آنٹی میں صرف بلیک کافی لوں گی۔"

"ہاہاہا پتر وہ جو زہر ورگی کوڑی ہوتی ہے کالے رنگ کی؟" دادی کی بات پہ پری بے اختیار مسکرائی۔

"بھابھی میں آپ کے لئے ابھی کافی بنا کر لائی۔" کومل نے استری کا سوئچ نکالا۔

"پری میری جان تم جا کر فریش ہو جاؤ، کومل تب تک تمہارا ناشتہ تیار کرتی ہے۔" صابرہ بیگم نے اسے پیار سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گئی۔

"صابرہ، انزک کی بیوی تو ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔" دادی نے مٹر چھیلتے ہوئے کہا تو صابرہ مسکرائیں۔

"ہاں بے جی واقعی...... بہت پیاری ہے ہماری پری۔" صابرہ ہنوز مسکراتے ہوئے بولیں۔

"لیکن بولتی بہت کم ہے۔" دادی نے قیاس کیا۔

"بے جی نئی جگہ ہے نئے لوگ نیا گھر نیا ماحول، ہم سب میں گھلنے ملنے میں پری کو تھوڑا وقت تو لگے گا ناں؟"

"ہاں صابرہ کہتی تو بالکل ٹھیک ہو تم، اچھا یہ بتاؤ، دوپہر کھانے میں کیا بنا رہی ہو؟ پری کے لئے کوئی چٹنی سی چیز بنانا۔"

"بے جی آپ بے فکر ہو جائیے، آلو گوشت بنا رہی ہوں اور پری کے لئے کومل انگریزی کھانا بنائے گی، خیر آپ یہ مٹر نکالنا چھوڑیں، باقی کے میں خود نکال لوں گی، آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔" صابرہ بیگم نے سبزی کا باؤل اٹھایا۔

"چل ٹھیک ہے اللہ تیرا بھلا کرے، بہت خیال رکھتی ہو میرا، اللہ تمہیں اس خدمت کا صلہ دے۔" بے جی نے دعا دی۔

"بے جی یہ میرا فرض ہے کوئی احسان تھوڑی ہے؟"

"صابرہ تم دیکھنا، ایک دن میری دعائیں تمہیں بہت رنگ لگائیں گی۔"

"انشاءاللہ بے جی۔"

"صابرہ انزک نے آج ذری کے بھائی کے دفتر بھی تو جانا تھا؟"

"ہاں بے جی آج وہیں تو گیا ہوا ہے، دعا کریں وہاں انزک کی نوکری کی بات بن جائے، وہاں کمپنی بڑی سہولتیں دیتی ہے۔"

"انشاءاللہ صابرہ، اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے، میرا رب سوہنا اپنی کرم نوازی کرے گا، تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" بے جی نے صابرہ کو تسلی دی تھی۔

☆☆☆

شام کے آنچل میں چھپا ہوا تھکا ہارا سورج نا جانے اسے کیوں اداس کر گیا تھا؟ وہ اس وقت برآمدے میں دادی کے تخت پہ بیٹھی ڈوبتے سورج کی کرنوں کو دیکھ رہی تھی۔

آج اسے عارفہ بیگم کی بہت یاد آ رہی تھی۔

اس کا دل بہت اداس تھا، وہ اپنے حلیے سے بے نیاز گھٹنوں پہ ٹھوڑی رکھے بیٹھی تھی، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے کھلے بالوں کو چھیڑتا اور گزر جاتا، اس کی نظریں سامنے کیاری میں لگے پھولوں پر مرکوز تھیں جن پہ بھٹک کر کہیں سے ایک تتلی آ بیٹھی تھی، ستارہ پھپھو موڑھے پہ بیٹھی کسی قمیض پہ کاج بٹن لگا رہی تھیں، پری کے قریب ہی تخت پہ بے جی بیٹھی تسبیح میں مصروف تھیں، جب پری کافی دیر خاموش رہی تو انہیں تشویش ہوئی۔

"پری، میری شہزادی اتنی چپ کیوں ہے؟ کیا بات ہے؟ انزک سے کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" بے جی نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"نہیں دادی ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر کیا بات ہے میری بچی، میں کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں تم بالکل چپ چاپ بیٹھی ہو، ماں تو نہیں یاد آ رہی؟" بے جی کی بات پہ ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

"ارے پری یہ کیا؟ تم رو رہی ہو؟" سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے قریب آئی تھی۔

"ہائے میری شہزادی، ایسے کیوں رو رہی ہے؟ بات کیا ہے آخر کچھ تو بتاؤ؟" بے جی نے اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔

نا جانے وہ بے جی کے پیار پہ روئی تھی یا عارفہ بیگم کی بے حسی پہ؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، بس وہ روئے جا رہی تھی۔

"نہ رو میری بچی، میں انزک سے کہوں گی وہ تمہیں تمہاری ماں کے پاس لے جائے۔" بے جی نے اسے تسلی دی۔

"بے جی ٹھیک کہہ رہی ہیں پری، ہم جا کر تمہاری ماما کو منا لیں گے، ان کی ناراضگی دور کر دیں گے، تم پھر سے انہیں ملنے لگو گی۔" ... نے بھی اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اور یوں کافی دیر رو لینے کے بعد اس کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

"تمہارے رونے سے تو میرا دل ... رہا تھا۔" بے جی نے اس کے بال ... ہوئے کہا تھا۔

اور وہ دل ہی دل میں ان سب کی مقروض ہو رہی تھی، آفاق منزل کے مکینوں نے اپنی بے لوث محبتوں سے اسے حیران ... اس کا دل جیت لیا تھا، اسی اثنا میں گیٹ پر ... کی بائیک کا ہارن سنائی دیا تھا۔

"انزک بھیا آ گئے۔" اندر سے زارا ... ہوئی آئی تھی، اتنے میں انزک گیٹ ... بائیک لئے اندر آیا۔

''السلام علیکم۔'' انزک نے خوشی سے سب پہ نگاہ ڈالتے سلام کیا اور آخر میں سر جھکائے پری پہ اس کی نگاہ ٹھہر گئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' بے جی اور ستارہ نے اس کے سلام کا جواب دیا، انزک آئس کریم زارا کو پکڑانے کے بعد برآمدے میں آیا۔

''آج بڑا خوش لگ رہا ہے میرا بچہ؟'' بے جی نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

''دادی بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' وہ ہنوز مسکراتے ہوئے دوسرا موڑھا کھینچ کر ستارہ کے قریب بیٹھا۔

''انزک کیا بنا اس کام کا؟'' ستارہ نے پوچھا۔

''انزک لو یہ فالسے کا شربت، گرمی میں آئے ہو۔'' صابرہ اندر سے گلاس لئے حاضر ہوئیں اور گلاس انزک کی جانب بڑھایا۔

''تھینکس ماں۔'' اس نے گلاس پکڑ کر لبوں سے لگایا اور اگلے ہی لمحے خالی بھی کر دیا۔

''آپ سب کے یہ ایک گڈ نیوز ہے۔'' خالی گلاس صابرہ کو پکڑاتے ہوئے وہ مسکرایا۔

''کیسی گڈ نیوز؟'' سب نے جواب طلب نظروں سے انزک کو دیکھا۔

''میں زری خالہ کے بھائی کے پاس گیا تھا اپنی سی وی لے کر، انہوں نے میرا انٹرویو لیا اور مجھے سلیکٹ کر لیا۔'' وہ از حد خوشی سے دمکتے چہرے سے بتا رہا تھا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے، بے شک تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' صابرہ کی خوشی سے آنکھیں نم ہوئیں۔

''ارے واہ پھر تو بہت بہت مبارک ہو انزک۔'' ستارہ بھی خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

''وے ادھر آ میرے پاس۔'' بے جی نے انزک کو شفقت سے لپٹا لیا تھا۔

''میرا اللہ اپنے بندوں کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔''

''بے شک بے جی، دیکھ لیں، میری بہو کے اس گھر میں قدم رکھتے ہی میرے انزک کو نوکری مل گئی؟'' صابرہ نے مسکراتی نظروں سے پری کو دیکھا تو وہ سر جھکا گئی۔

''بڑی کرما نوالی ہے ہماری پری۔'' بے جی نے بھی صابرہ کی تائید کی تھی۔

''کیسے عجیب لوگ تھے، خلوص اور محبت کی مٹی سے گندھے ہوئے لوگ چھوٹی چھوٹی خوشیوں پہ خوش ہونے والے اور وہ لوگ بڑی بڑی خوشیاں پا کر بھی بے سکون رہتے تھے۔''

''شکر ہے اللہ نے ہماری سن لی، تنخواہ کتنی ہے انزک؟'' ستارہ نے پوچھا۔

''چالیس ہزار روپے ہے پھپھو۔''

''ماشاء اللہ۔'' صابرہ پھولے نہ سما رہی تھیں، پری کے موبائل کی رنگ ٹون بجی تو پری تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایکسیکوزمی۔'' پری موبائل لئے اندر چلی گئی تھی، سمیرا اسے کال کر رہا تھا۔

''وے انزک ادھر آ میرے پاس۔'' دادی کے بلانے پہ وہ موڑھا کھینچ کر ان کے قریب آیا۔

''جی دادی!''

''مجھے ایک بات تو بتا؟'' انہوں نے راز داری سے کہا۔

''کیا بات ہے دادی؟''

''پری تجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کرتی، میرا مطلب ہے جس طرح نئی نویلی دلہنیں اپنے خاوندوں کو دیکھ کر شرماتی ہیں مسکراتی ہیں، میں نے پری کو کبھی نہیں دیکھا، سچ سچ بتا، کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں چل رہا تم دونوں کے بیچ؟'' دادی

کی بات پہ ازک دھیرے سے مسکرایا۔

"ارے نہیں دادی ایسا کچھ بھی نہیں ہے، یہ جو پڑھی لکھی اور ماڈرن لڑکیاں ہوتی ہیں ناں، یہ شرماتی ورماتی نہیں ہیں اور رہی بات لڑائی جھگڑے کی تو پری کی ایسی مجال کہ وہ مجھ سے خفا ہو؟" ازک نے شرارت سے کہا۔

"اللہ تم نے ہماری پری کو اس قدر انڈر پریشر رکھا ہے۔" ستارہ نے اس کے کندھے پہ چپت رسید کی۔

"اور انہیں تو کیا۔" صابرہ نے بھی اسے گھورا۔

"ازک میری بات غور سے سن لو، خبردار جو تم نے ہماری پری پہ رعب جھاڑا، ایک تو اس وچاری نے تمہاری خاطر اپنا گھر بار اپنی ماں اور دنیا کے ہر سکھ کو چھوڑا اوپر سے تم اس پہ رعب جھاڑتے ہو؟ وڈا آیا چوہدری کہیں کا۔" بے جی نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی۔

"لو جی پری کے آتے ہی آپ سب نے مجھے پرایا کر دیا؟ لگتا ہے اس گھر میں میری اب کوئی ویلیو نہیں رہی، اس کے آتے ہی میرے لاڈ پیار ختم۔" ازک مظلوم بنتے ہوئے بے چارگی سے بولا، تو سبھی مسکرا دیئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میرے چاند، بس ایک بات کا خیال رکھنا پری نے تمہاری خاطر بہت بڑی قربانی دی ہے کبھی پچھتاوے کا احساس اس کے دل میں جگہ نا بنا پائے، وہ ہمیشہ اپنے انتخاب پہ ناز کرتی رہے۔" صابرہ نے اسے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

"دو دن میں ایسا کون سا جادو کر دیا ہے آپ نے میرے گھر والوں پہ؟ آپ کے آتے ہی ان کی گڈ بک سے میرا نام خارج ہو گیا ہے؟"

وہ بیڈ پہ لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی، جب ازک دستک دینے کے بعد کمرے میں آیا تھا۔

"میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا، تمہارے گھر والے خود بہت اچھے ہیں۔" وہ لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کرتی بیڈ سے اٹھی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" وہ اسے اٹھتا دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

"ازک میں تمہیں یہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔" اس نے غصے سے جواب دیا تھا۔

"دیکھئے میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ ابھی باہر مت جایئے، دادی مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ ہم دونوں کے بیچ کوئی ناراضگی چل رہی ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ دادی یا گھر میں کسی اور کو ہم پہ شک ہو۔" ازک نے التجا آمیز لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی، اسی اثناء میں کومل دستک دے کر اندر آئی۔

"بھیا، بھابھی میں آپ کی چائے یہیں لے آؤں یا آپ باہر پئیں گے؟"

"کومل ہم باہر سب کے ساتھ چائے پئیں گے۔" ازک کے کہنے پہ کومل باہر نکل گئی تھی۔ اور پھر جب وہ دونوں لاؤنج میں آئے تو پرتکلف چائے تیار تھی۔

"ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔" صابرہ نے محبت سے بہو اور بیٹے کو دیکھا، پری جز بز سی ہوئی صوفے پہ ستارہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"پری تم چائے میں کتنی چینی لو گی؟" ستارہ ان دونوں کے لئے چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔

"صرف ایک چمچ۔" مختصر جواب۔

"او کے۔" ستارہ نے چائے بنا کر پیالا پری کو تھمائی۔

"کل کومل کی ساس اور نندیں آ رہی ہیں

پری کو دیکھنے۔ انزک تم ایسا کرو چائے پی کر پری کو بازار لے جاؤ اور پری کو کچھ کپڑے دلا دو۔"
صابرہ نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"نہیں آنٹی میرے پاس سب کچھ ہے، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" پری نے فوراً انکار کیا۔

"میں جانتی ہوں پری تم بہت بڑے گھر سے آئی ہو، یہ گھر اور اس گھر کا سب کچھ تمہارے شایان شان تو نہیں میری شہزادی لیکن تم اسے میری محبت کہو یا خلوص، میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم انزک کے ساتھ جا کر اپنی پسند کے کچھ کپڑے خریدو۔" صابرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واہ بھابھی ساس ہو تو آپ جیسی۔" ستارہ مسکرائی۔

پری کو بے اختیار سارہ بیگم کا ناروا سلوک یاد آیا اور اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"ڈونٹ وری ماں، میں لے جاؤں گا پری کو۔" انزک نے ہامی بھری تو پری نے اسے خشمناک نظروں سے دیکھا۔

"بھابھی یہ شامی کباب لیجئے ناں۔" کنول نے اسے شامی کباب سرو کیئے، انزک چائے ختم کرتے ہوئے اپنی نشست سے اٹھا۔

"پری میں ذرہ اپنا والٹ لے آؤں، تب تک آپ بھی ریڈی ہو جائیے۔" انزک اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد پری بھی کمرے میں آئی۔

"تم نے مجھے باہر لے جانے کی ہامی کیوں بھری؟ مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔" وہ لٹھ مار انداز میں غصے سے صوفے پہ بیٹھی۔

"ماں آپ کو اتنی محبت سے کہہ رہی تھیں، مجھ سے انکار نہیں ہو سکا۔" انزک نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل سے اپنا والٹ اٹھا کر جینز کی پچھلی پاکٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہارے گھر والوں کا یہ پیار اور محبت میری پرابلم نہیں ہے شکر کرو تمہارے ساتھ میاں بیوی کے اس جھوٹے ڈرامے میں خاموشی سے اپنا رول پلے کر رہی ہوں۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بولی تو انزک دکھ اور تاسف سے اسے دیکھتا رہا۔

"ویسے انتہا کی خود غرض ہیں آپ، میرے سادہ لوح اور محبتوں سے لبریز گھر والے جتنی محبتیں آپ پہ نچھاور کر رہے ہیں، وہ آپ یقیناً Deserve نہیں کرتیں، بدلے میں آپ رتی بھر مروت لحاظ تک نہیں رکھ سکتیں؟ وہ آپ کی خوشی کا کس حد تک خیال رکھتے ہیں آپ بدلے میں معمولی سا مان تک نہیں رکھ سکتی ان کا؟" وہ جو کہہ رہا تھا بالکل سچ کہہ رہا تھا، پری نظریں چرا گئی۔

"آئم سوری، وہ ایکچوئلی میں سمیر کے حوالے سے اتنی ڈسٹرب ہوں کہ......" وہ نہایت شرمندگی سے بولی۔

"اینی وے کب چلنا ہے؟" اس نے انزک کے پھولے منہ کو دیکھا۔

"اب رہنے دیں۔" خفگی سے انکار کیا گیا۔

"انزک پلیز...... میں سوری کہہ تو رہی ہوں ناں۔" وہ ہنوز شرمندہ انداز میں بولی۔

"اوکے میں باہر بیٹھا ہوں، فریش ہو کر آ جائیے گا۔" وہ اسے کہہ کر خود کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

جب وہ فریش ہو کر لاؤنج میں آئی تو وہ اپنے گھر والوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

"چلیں؟"

"ارے پہلی بار انزک کے ساتھ باہر جا رہی ہو، نہ بناؤ سنگھار؟" دادی نے اسے جینز کے

اوپر کرتا پہنے دیکھ کر کہا۔

"دادی پری کو بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہے یہ ویسے ہی بہت حسین ہیں۔" انزک نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے دادی کو کہا، تو پری نظریں جھکا گئی، اسے انزک کی تعریف پہ سخت غصہ آیا تھا۔

"اوئے ہوئے..... کیا بات ہے؟" ستارہ اور کومل انزک کی بات پہ مسکرائیں۔

"اوکے چلتے ہیں ہم۔" انزک باہر نکل گیا، اس کے پیچھے پری بھی آئی۔

"تم نے میری تعریف کیوں کی؟" وہ بائیک کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی بات پہ رک گیا اور پلٹ کر پری کو دیکھا۔

"سوری غلطی سے کر دی۔" اس نے جھوٹ بول کر جان چھڑائی، انزک کی بات پہ وہ خاموش ہو گئی، انزک بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

"کیا ہم اس بائیک پہ جائیں گے؟" وہ حیران ہوئی۔

"جی میرے پاس مرسڈیز اور اسپورٹس کار تو ہے نہیں۔"

"مگر میں کبھی بائیک پہ نہیں بیٹھی۔" وہ ہچکچائی۔

"تو آج بیٹھ جائیے۔"

"میں گر جاؤں گی۔" وہ ہنوز پریشان تھی۔

"میں آپ کو گرنے نہیں دوں گا، یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔" انزک نے اسے یقین دلایا اور بائیک گیٹ سے باہر نکالنے لگا۔

وہ جھجک کر بائیک پہ بیٹھ گئی، ایک ہاتھ سے بائیک کی سیٹ پکڑے دوسرا ہاتھ انزک کے کندھے پہ رکھے وہ بہت خوفزدہ ہو رہی تھی، حالانکہ انزک بہت احتیاط سے بائیک چلا رہا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی مس پری، نہیں گر آپ۔" انزک نے پھر سے اسے یقین دلایا کے وجود سے اٹھنے والی ڈیوڈ آف کول پرفیوم کی مہک نے پری کو اک بھلا سا اح دلایا تھا، اس کی نظریں بے اختیار انزک کے چوڑے شانوں پہ پڑیں اور پھر وہ نظریں ا گردن سے اس کے سیاہ بالوں میں ٹھہر گئیں وہ اچھا خاصا ہینڈسم نوجوان تھا، معاً ایک جگہ بریکر آیا تھا اور وہ ایک جھٹکے سے اس سے ٹکرائی اور لاشعوری طور پر پری نے اس کے دو کندھوں پہ مضبوطی سے ہاتھ رکھ لئے تھے۔

"سوری اچانک اسپیڈ بریکر آ گیا تھا۔" نے گردن موڑ کر کہا وہ اس کے بے حد قریب نازک سی البیلی سی موم کی گڑیا جیسی میں گر تھی، وہ روہانسی ہوئی۔

"میں نے کہا ناں میرے ہوتے ہو آپ نہیں گریں گی۔" انزک نے اسے تسلی دی، باقی کے تمام راستے اس کا نازک سا ہا انزک کے کندھے پہ رہا، کچھ ہی دیر کے بعد ایک شاپنگ مال کے سامنے موجود تھے، انزک نے بائیک روک دی اور وہ احتیاط سے نیچے آئی۔

"This is a dangerous ride" انزک اس کی بات پہ مسکرایا۔

"اور میرے لئے یہ پراڈو سے کم نہیں اس نے برے وقتوں میں بہت ساتھ دیا میرا۔" انزک نے بائیک کو لاک کیا اور پھر دونوں مال کے اندر آ گئے۔

"مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا، یوں تمہارے روپوں سے شاپنگ کرنا۔" پری نے اظہار کیا۔

"ادھار سمجھ کر، کر لیجئے۔" انزک نے ا

ٹالا، پری اپنی فیورٹ ڈیزائنر کی آؤٹ لٹ کی طرف بڑھی۔

"یہ پرپل کیسا ہے؟" اس نے ایک پرپل کلر کا ہینگ کیا ڈریس ازک کو دکھایا۔

"بہت اچھا ہے۔" ازک نے جواب دیا۔

اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ ایک اسٹائلش سے بلیک ڈریس کی طرف اشارہ کرتی بولی۔

"اور یہ کیسا رہے گا؟"

"بہت سوٹ کرے گا آپ پہ۔" بے اختیار ازک کے منہ سے نکلا۔

"میرا مطلب ہے کہ بہت اچھا ہے۔" اور پھر پری نے وہ دو سوٹ ہی لیے۔

"کچھ اور لینا ہے آپ کو، شوز، بیگ وغیرہ؟"

"نہیں اور کچھ نہیں۔" پری نے نفی میں سر ہلایا، ازک نے پے کیا اور وہ دونوں آؤٹ لٹ سے باہر نکل آئے۔

"کچھ کھائیں گی آپ؟" ازک نے پھر سے پوچھا۔

"نہیں، گھر چلتے ہیں۔"

"او کے ایز یو وش۔" وہ مال کے داخلی دروازے کی جانب بڑھے۔

"واٹ آ بیوٹی یار قیامت ہے۔" ایک لڑکے نے قریب سے گزرتے ہوئے پری کو دیکھ کر اپنے ساتھ چلتے دوست کو متوجہ کیا، تو ازک وہیں رک گیا۔

"کیا بکواس کی ہے ابھی تم نے؟" ازک نے اس لڑکے کا گریبان پکڑا۔

"خوبصورت چیز کو خوبصورت نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے بھائی تم ہی بتا دو؟" اس لڑکے کا اتنا کہنا تھا کہ ازک نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس لڑکے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم اس پہ گندی نظر ڈالو؟"

"ازک چھوڑو...... یہ...... یہ کیا کر رہے ہو؟ پلیز...... چھوڑ دو اسے۔" پری روہانسی ہو رہی تھی اور ازک کو روک رہی تھی، بہت سے لوگ اس جھگڑے کو ختم کروانے کے لیے آگے بڑھے۔

"دیکھ لوں گا تمہیں، ایک ایک زخم کا حساب لوں گا تم سے۔" اس لڑکے کا دوست اسے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا اور وہ جاتے جاتے ازک کو دھمکیاں دے رہا تھا۔

"او جا جا...... جو کرنا ہے وہ کر لے...... بہت دیکھے ہیں تیرے جیسے۔" ازک نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"پلیز ازک خدا کے لیے چلو یہاں سے۔" پری نے زبردستی اس کا بازو پکڑ کر اسے مال سے باہر نکالا۔

"ازک تمہیں کیا ضرورت تھی یہ ڈرامہ کرنے کی؟" پری نے اسے ڈپٹا۔

"وہ شخص آپ کو چھیڑ رہا تھا اور میں بے غیرتوں کی طرح خاموش کھڑا رہتا؟ آپ اس وقت میرے نکاح میں ہیں آپ کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا مجھ پہ فرض ہے، آنکھیں نوچ لوں گا میں ہر اس شخص کی جو گندی نظر ڈالے گا آپ پہ۔" وہ شدید غصے میں بول رہا تھا، بے اختیار پری کو سمیر کے ساتھ وہ قصہ یاد آیا، جب ایک لڑکے نے اسے چھیڑا تھا اور وہ کتنی آسانی سے اگنور کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

"چلیں بیٹھیں۔" ازک نے بائیک اسٹارٹ کی اور وہ خاموشی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بائیک پہ بیٹھ گئی، تمام راستے ازک کا جملہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

"آپ اس وقت میرے نکاح میں ہیں آپ کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا مجھ پہ فرض ہے۔" آنکھیں نوچ لوں گا میں ہر اس شخص کی جو گندی نظر ڈالے گا آپ پہ۔

☆☆☆

"تم کیا سمجھتے ہو؟ تم مجھے بلیک میل کرو گے اور میں دوڑی چلی آؤں گی؟ تو مسٹر شاہ ویز سن لو، یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہو گی، میں تمہارے خلاف قانونی کاروائی کروں گی۔" انوش کے بھرے لہجے پہ شاہ ویز ہنسا۔

"ارے واہ چیونٹیوں کے بھی پر نکل آئے؟"

"تم ابھی چیونٹیوں کی طاقت سے واقف نہیں ہو۔" ان کے کاٹنے سے بڑے بڑے ہاتھی تڑپ اٹھتے ہیں۔

غصے سے بھرپور آواز شاہ ویز کے کانوں سے ٹکرائی، وہ انوش کے غصے سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"تم مجھے واقعی بہت اچھی لگی تھی، پہلی ہی نظر میں کلین بولڈ کر دیا تھا، تم نے مجھے لیکن قسم ہے تم مجھے وہ تھپڑ نہ مارتی تو بات یہاں تک ہرگز نہ پہنچتی۔" شاہ ویز نے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، میں فون بند کر رہی ہوں اور آئندہ مجھ سے کسی بھی قسم کا رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" انوش نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ورنہ؟" وہ مسکرایا۔

"ورنہ کیا ہو گا یہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔" دوٹوک انداز میں کہا گیا۔

"ویسے غصہ تم پہ بہت سوٹ کرتا ہے انوش۔" شاہ ویز نے محبت سے کہا۔

"خبردار جو تم نے اپنی گندی زبان سے میرا نام بھی لیا تو۔" اسے شدید غصہ آیا۔

"اچھا جی؟" وہ ایک بار پھر ہنسا۔

"آئی لو یو انوش۔" شاہ ویز نے اسے چھیڑا، انوش نے موبائل آف کر دیا، وہ شخص اس کے لئے وبال جان بن گیا تھا، معا اس کے دروازے پہ دستک ہوئی۔

"یس کم ان۔" ماہین اس کے کمرے میں آئیں۔

"کیا بات ہے انوش؟ تمہارا موڈ کیوں خراب لگ رہا ہے؟" وہ اسے غصے میں دیکھ کر اس کے قریب آئیں۔

"کچھ نہیں ماما، میرے کچھ ضروری نوٹس نہیں مل رہے، سارا گھر چھان مارا ہے۔" انوش نے بات بدلی۔

"مل جائیں گے میری جان، چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے اتنا پریشان نہیں ہوتے۔" ماہین نے مسکراتے ہوئے اس کے جھنجلائے چہرے کو دیکھا۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں ماما؟"

"ہاں میں یہی بتانے آئی تھی کہ میں [illegible] عارفہ کی طرف جا رہی ہوں، کچھ دنوں سے ان کی طبیعت ناساز ہے، تم لنچ پہ میرا انتظار مت کرنا۔"

"ماما کیا ہوا عارفہ آنٹی کو؟" انوش حیران ہوئی۔

"پری نے دوسری بار سمیر کی خاطر گھر چھوڑا ہے، اسی بات کا اسٹریس لیا ہے عارفہ نے، دو دن سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔" ماہین نے اسے تفصیل بتائی۔

"اوہ نو۔" انوش کو افسوس ہوا۔

"میں اب چلتی ہوں۔" ماہین واپس دروازے کی جانب پلٹیں اور پھر رک گئیں۔

"تمہارا باپ صبح سے نظر نہیں آ رہا؟"

...پس جانے کی تیاری تو نہیں کر رہا؟" ماہین نے
...نس سے انوش کی طرف دیکھا، انوش دھیرے
...سے مسکرائی۔

"آپ بھی تو یہی چاہتی ہیں نا کہ ڈیڈ واپس
چلے جائیں؟"

"جہاں مرضی جائے میری بلا سے۔" ماہین
لڑ بڑا کے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

"یعنی آپ کو اب ڈیڈ کی پروا ہونے لگی
ہے۔" وہ زیر لب بولی تھی۔

☆☆☆

وہ عارفہ کی خیریت دریافت کرنے کے بعد
...سپتال سے باہر نکل رہی تھی جب ایک وہیل چیئر
...بیٹھے وجود نے ماہین کو توجہ اپنی جانب مبذول
...لی تھی ان کے پاؤں وہیں جم گئے تھے آنکھیں
گویا پتھرا گئی تھیں، اس بوڑھے وجود کو وہیل چیئر
گھسیٹ کر کوئی انہیں ہاسپٹل کے دروازے کی
جانب بڑھ رہا تھا، ماہین کو اس سے کوئی سروکار نہ
تھا۔

ان کی نظریں وہیل چیئر پہ بیٹھی شخصیت پہ
مرکوز تھیں، ایک بجلی سی ان کے وجود میں کوندی تھی
اس سے پہلے کہ وہ شخصیت ان کی نظروں سے
اوجھل ہوئیں۔

کسی آسمانی طاقت نے انہیں قدم اٹھانے
پہ مجبور کیا تھا اور ماہین اردگرد سے غافل تقریباً
دوڑتے ہوئے اس شخصیت کی جانب لپکی تھیں۔

"بی جان...... بی جان۔" وہ بے قراری
سے انہیں پکارتے ہوئے وہیل چیئر کے پاس
آئیں تھیں اور بی جان سے دیوانہ وار لپٹ
گئیں۔

"ماہین...... میری بچی...... میری جان......
میری زندگی...... میری ماہی۔" بی جان کرلاتے
ہوئے اسے اپنے سینے میں بھینچے دیوانہ وار چوم
رہی تھیں۔

"ماہی...... میری بچی...... تمہاری جدائی
نے مجھے ختم کر دیا۔" بی جان کی آنکھوں سے آنسو
بہہ رہے تھے۔

"میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا بی جان، پھر
کسی نے بتایا کہ عرفان بھائی آپ سب کے
ساتھ دوبئی شفٹ ہو گئے ہیں۔" ماہین نے اپنے
آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا۔

"تمہارے جانے کے بعد کسی سے نظریں
ملانے کی ہمت نہ رہی تو یہ ملک چھوڑ دیا۔" بی
جان کی بات پہ ماہین نظریں چرا گئی، اچانک اس
کی نظر وہیل چیئر کو تھام کر کھڑے نوجوان پہ
پڑی۔

"بی جان یہ پارس ہے ناں؟ تب تو صرف
دو سال کا تھا۔" وہ خوشی سے اسے گلے لگانے کے
لئے آگے بڑھی۔

"نہیں یہ پارس سے چھوٹا ہے شاہ ویز، میرا
بہت خیال رکھتا ہے، میرے چیک اپ کے لئے
مجھے یہاں لایا تھا۔" بی جان نے خوشی سے بتایا۔

"ماشاء اللہ ہو بہو عرفان بھائی کی کاپی
ہے۔" ماہین نے آگے بڑھ کر شاہ ویز کا ماتھا
چوما۔

"پھپھو، مجھے لگتا ہے میں نے پہلے بھی آپ
کو کہیں دیکھا ہے۔" شاہ ویز نے قیاس کیا۔

"ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے کہیں دیکھ لیا
ہوگا میری جان۔" ماہین نے محبت سے شاہ ویز کو
دیکھا۔

"میں نے بی جان سے وعدہ کر رکھا تھا، کہ
میں انہیں آپ سے ضرور ملواؤں گا، دیکھ لیجئے،
تقدیر نے ملوا دیا۔"

"ہاں بیٹا، میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا
کروں وہ کم ہے، اس نے مجھے میری بی جان

سے ملوا دیا۔" ماہین فرط جذبات میں ایک بار پھر بی جان سے لپٹ گئیں۔

"میری بچی...... میری جان...... تمہاری جدائی میں بیس سال میں نے بیس صدیوں کے برابر گزارے ہیں۔" بی جان اسے سینے سے لگائے بتانے لگیں۔

"کیوں نا اس اموشنل سین کو اب گھر جا کر مکمل کر دیا جائے؟" شاہ ویز مسکرایا۔

"ماہین شاہ ویز ٹھیک کہہ رہا ہے، تم میرے ساتھ گھر چلو۔"

"مگر بی جان عرفان بھائی مجھ سے سخت خفا ہیں میں کیسے ان کا سامنا کروں گی؟" ماہین شرمندگی سے بولی۔

"پھپھو آپ اس بات کی ٹینشن مت لیں، ڈیڈ آپ کو دیکھتے ہی اپنی ساری ناراضگی بھول جائیں گے۔" شاہ ویز نے انہیں تسلی دی۔

"ہاں ماہین بہن بھائیوں میں وقتی جدائی، ان کے خون میں شامل محبت کو کبھی ختم نہیں کر پاتی، عرفان بھی سب بھول جائے گا۔" بی جان نے بھی اسے تسلی دی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

☆☆☆

"دادی کیا میں آپ کے کمرے میں سو سکتی ہوں؟" وہ گزشتہ ایک ہفتے سے بے جی کے کمرے میں سو رہی تھی، بے جی نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"انزک اور تمہارے بیچ کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا؟"

"نن...... نہیں دادی۔"

"تو پھر کیا بات ہے میری بچی؟ تم شادی شدہ ہو ایسے روز روز تمہارا میرے کمرے میں سونا چنگا نہیں لگتا۔" انہوں نے پری کو پیار سے سمجھایا۔

"دادی وہ کیا ہے کہ آپ کے کمرے میں مجھے بہت سکون ملتا ہے دادی کا پیار کیا ہوتا ہے اس کا احساس مجھے آپ کے پاس آ کر محسوس ہوتا ہے۔" پری کے لہجے میں حسرت تھی۔

"میں صدقے جاؤں اپنی شہزادی کے میں تمہاری دادی ہی تو ہوں۔" بے جی نے اسے سینے سے لگایا۔

"تو پھر سونے دیں ناں مجھے اپنے کمرے میں۔" اس کی معصوم سی فرمائش پہ دادی مسکرائیں۔

"دیکھ میری چندا، ابھی تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے روز روز تمہارا میرے کمرے میں سونا دونوں میاں بیوی میں دوری پیدا کرے گا۔ جانتی ہو، میاں بیوی کو ایک دوسرے سے دور کرنا شیطان کا سب سے من پسند کام ہے، بیوی کو شوہر کے نصف ایمان کا وارث کہا گیا ہے۔ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جس سے اس کے شوہر کو سکون حاصل ہو۔" بے جی اس کے بال سنوارتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

"اس لیکچر کا مطلب ہے کہ میں آپ کے کمرے میں نہیں سو سکتی؟" اس نے مایوسی سے کہا، بے جی مسکرائیں۔

"چلو شاباش اٹھو اور اپنے کمرے میں جاؤ انزک تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔" بے جی نے اسے اپنے بستر سے اٹھایا۔

"دادی ویسے آپ بہت ظالم ہیں۔" مایوسی کے عالم میں ان کے بستر سے اٹھ گئی۔

"اس معاملے میں، میں ظالم ہی بھلی۔" بے جی نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ چار و ناچار اسے انزک کے کمرے میں جانا پڑا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ کمرے میں داخل

ہوئی تو انزک بیڈ پہ گہری نیند سو رہا تھا، وہ احتیاط سے چلتی صوفے پہ بیٹھ گئی اور کشن سر کے نیچے رکھے اسی صوفے پہ لیٹ گئی اور پھر اگلے ہی لمحے اسے سمیر کا خیال آیا تھا، اس کے ساتھ گزرے وقت کی پرچھائیاں اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگیں۔

اس کی سنگت نے پری کو اب تک صرف دکھ ہی دکھ دیئے تھے، وہ کبھی کبھی خود بھی حیران ہوتی وہ سمیر کی خاطر نا جانے کیوں اتنے دکھ، تکلیفیں اٹھا رہی تھی؟ سچ تو یہ تھا کہ وہ عارفہ بیگم نہیں بننا چاہتی تھی اور یہی کوشش اسے سمیر کی زیادتیوں کو معاف کر دینے پہ مجبور کر دیتی تھی۔

☆☆☆

بارش کی آواز پہ انزک کی آنکھ کھلی تھی، اس نے دیوار پہ لگی وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے چار بج رہے تھے، موسم بارش کی وجہ سے خوشگوار ہو گیا تھا، بیڈ کے قریب کھلی ہوئی کھڑکی سے بارش کی ہلکی ہلکی پھوار اندر آ رہی تھی، اچانک اس کی نظر سامنے صوفے پہ سوئی پری پہ پڑی تو وہ حیرت سے اٹھ بیٹھا، نا چاہتے ہوئے بھی اس کی نظریں پری کے حسین چہرے پہ مرکوز ہو گئی تھیں، وہ سوئی ہوئی اس قدر معصوم لگ رہی تھی کہ نظریں ہٹانا مشکل ہو رہا تھا، وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا، تیز برستی بارش صحن میں لگے، درختوں اور پودوں پہ جمی تمام گرد دھو رہی تھی، اچانک اسے پیاس کا احساس ہوا تھا اور وہ پانی پینے کی غرض سے صوفے کے سائیڈ پہ رکھے جگ اور گلاس کی جانب بڑھا، اسی لمحے کروٹ بدلتی پری کی ایک لمحے کے لئے آنکھ کھلی تھی اور انزک کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ گھبرا کر صوفے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''تت...... تم میرے قریب کیوں آ رہے ہو؟'' وہ خوف کے عالم میں اتنا ہی کہہ پائی تھی، اس کی بات پہ ایک دلفریب سی مسکراہٹ نے انزک آفاق کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔

''پیاس لگی تھی اور مجبوری یہ کہ پانی کا جگ آپ کے پاس رکھا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی انڈیلا۔

''تت...... تم سچ کہہ رہے ہو ناں؟'' وہ اب بھی خوفزدہ تھی۔

''محترمہ اب میں آپ کو اسٹام پیپر پہ لکھ کر تو دینے سے رہا۔'' وہ مسکراتے ہوئے پانی پی کر دوبارہ اپنے بستر پہ لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا، لیکن پری کو دوبارہ نیند نہ آئی۔

☆☆☆

ستارہ بس سے اتر کر اپنی گلی کی جانب بڑھی تو وہاں کھڑا اسکندر اس کی طرف لپکا۔

''ستارہ میری بات سنو۔''

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔'' ستارہ اسے دیکھ کر تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

''خدا کے لئے ستارہ ایک بار صرف ایک بار، مجھے معاف کر دو اور مجھے میری بیٹی سے ملوا دو۔''

''میں اور زارا اسی دن مر گئی تھیں تمہارے لئے، جس دن تم نے مجھے دھکے مار کر اپنے گھر سے نکالا تھا۔'' ستارہ کے قدم رک گئے تھے اور اس کا لہجہ زخمی تھا۔

''میں نے تمہارے ساتھ جو ظلم کیئے، اللہ نے مجھے ایک بدکار عورت کے ہاتھوں خوب سزا دی، میرے پاس کچھ نہیں بچا ستارہ، میں ترس گیا ہوں اپنی زارا کو دیکھنے کے لئے۔'' سکندر کی آواز دکھ سے پھٹی جا رہی تھی۔

''زارا وہی بچی ہے سکندر جسے تم نے اپنی

بیٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" وہ تنفر سے بول رہی تھی، اس کی نظروں میں سکندر کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

"پاگل ہو گیا تھا میں، دماغ خراب ہو گیا تھا میرا، آنکھوں پہ ایک بے حیا اور مکار عورت کی جھوٹی محبت کی فریبی پٹی بندھ گئی تھی۔" سکندر بولتے بولتے رو پڑا تھا۔

میلا سوٹ، بڑھی ہوئی شیو، ٹوٹا ہوا جوتا، یہ وہ سکندر تو ہر گز نہیں تھا جسے اپنی دولت پہ بڑا غرور ہوا کرتا تھا۔

"سکندر تم مرد لوگ عورت کو آخر سمجھتے کیا ہو؟ پیر کی جوتی، کہ جب چاہا نئی خرید لی؟ ریت کا گھروندہ؟ کہ جب چاہا ٹھوکر ماری اور گرا دیا؟ یا کوئی کھلونا؟ کہ جب جی چاہا کھیلا، دل بہلایا اور توڑ دیا" ستارہ کا وجود ایک بار پھر کسی ٹوٹے ہوئے کانچ کی طرح بکھر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ماضی رستے ہوئے لہو کی مانند نظر آ رہا تھا، اس کی آواز کو بیتی ہوئی تلخیوں نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا۔

"میں گمراہ ہو گیا تھا ستارہ، بھول گیا تھا کہ دنیا میں نیک عورت مقدر والے مرد کو ملتی ہے میں نے تمہاری شرافت اور نیک نامی کی قدر نہیں کی، اسی لئے آج دھکے کھا رہا ہوں، مجھے رات کو نیند نہیں آتی، معاف کر دو ستارہ تمہیں اس محبت کا واسطہ جو کبھی تمہیں مجھ سے تھی۔" وہ روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

"سکندر وہ محبت کہیں ڈوب مری ہے جو کبھی میرے اندر تمہارے نام کے سانس لیا کرتی تھی جو کبھی تمہاری آرزو کیا کرتی تھی۔" وہ بھیگے لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

شام کو کومل کے سسرال والے آ رہے تھے پری سے ملنے، کومل اور ستارہ نے اسے بلیک سوٹ پہننے پہ مجبور کر دیا تھا، اس کے ہ پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگا کر کومل نے اس خوبصورت براؤن بال کھول دیئے تھے۔

"یار کومل پلیز بس کرو، سسرال تمہارے آ رہے ہیں اور تیار تم مجھے کر رہی دیکھو کتنی اوور لگ رہی ہوں میں۔" پری آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے ناں انہیں بھی پ کہ ہماری بھابی بھی لاکھوں میں ایک ہیں، ٹکڑا ہیں۔" کومل نے خوشی سے اس کی ٹھو چھوا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" جھینپ گئی۔

"تو اور کیا سچ ہی تو کہہ رہی ہے کومل، پری تو سچ مچ پرستان کی پری لگتی ہے اور آ انزک کے ہوش اڑنے والے ہیں۔"

ستارہ نے بھی اسے محبت پاش نظروں دیکھا، تو وہ جز بز سی ہو گئی، آفاق منزل کے کی محبت اسے شرمندہ کر دیا کرتی تھی، وہ ان کی پرخلوص محبتوں کی حقدار ہر گز نہیں تھی۔

اور پھر ویسا ہی ہوا تھا کومل کے والے پری سے مل کر از حد خوش ہوئے کے جانے کے بعد صابرہ لال مرچوں سے نظر اتار رہی تھیں۔

"آنٹی یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"تمہاری نظر اتار رہی ہوں، سب اتنی تعریف کر رہے تھے اور آج تو میری لگ بھی اتنی خوبصورت رہی ہے۔" ما نے جس قدر پیار سے کہا تھا اس کی آنکھوں کو نے بھیگ گئے تھے، بے جی الگ دم کر کے اس پہ پھونک رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" اسی اثناء میں انزک اندر داخل ہوا تھا۔

پہلی نظر ہی پری کی جانب اٹھی تھی اور اس کا دلکش سراپا انزک کی آنکھوں میں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔

"آہم...... آہم۔" ستارہ نے اس کی وارفتگی دیکھ کر گلا کھنکارا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدل گیا تھا۔

"لگا رہی ہیں نا بھابی حسین و جمیل؟" کومل نے مسکرا کر انزک کی جانب دیکھا۔

"چلے گئے تمہارے سسرال والے؟" انزک نے بات بدلی اور صوفے پہ آبیٹھا۔

"ایکسکیوزمی، میں ذرہ چینج کر لوں۔" پری وہاں سے اٹھ گئی۔

"ہاں چلے گئے، کومل کی نندیں تو پری کے ساتھ تصویریں ہی بنواتی رہیں۔" ستارہ انزک کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"پری آپی ہیں ہی اتنی کیوٹ۔" ننھی زارا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"بھئی ایسا کیا گھول کر پلا دیا ہے آپ کی پری آپی نے سب کو؟ مجھے تو کوئی لفٹ ہی نہیں کرواتا اب؟" انزک نے زیر لب مسکراتے ہوئے زارا کو اٹھا کر اپنی گود میں بیٹھا لیا۔

"کیسے میسنے بن جاتے ہو، دل میں تو لڈو پھوٹتے ہوں گے جب پری کی تعریف ہوتی ہو گی۔" ستارہ نے اسے چھیڑا۔

"توبہ ہے پھپھو آپ کے سامنے تو بات کرنا محال ہے۔" وہ کھسیایا۔

"ہائے دادوے آج کھانے میں کیا بنا ہے؟" اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری پسند کی چکن بریانی، شامی کباب اور شاہی ٹکڑے۔" صابرہ نے بتایا۔

"ارے واہ پھر تو آپ جلدی سے کھانا لگوائیں میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ دستک دے کر کمرے میں آتا تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی ٹشو سے لپ اسٹک صاف کر رہی تھی،

انزک کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ اسے لپ اسٹک صاف کرنے سے روک دے اس کی سفید رنگت پہ ریڈ لپ اسٹک جچ رہی تھی، وہ دل کی خواہش رد کرتا صوفے پہ بیٹھا، ٹائی اتار کر کف لنکس اتارنے لگا۔

"کیسی ہیں آپ اور دن کیسا گزرا؟" انزک نے پوچھا۔

"اچھا رہا۔" وہ لپ اسٹک صاف کر کے آئینے کے آگے سے ہٹ گئی۔

"تم کیسے ہو؟" پہلی بار اس نے انزک کا حال پوچھا۔

"بہت اچھا۔" اب وہ شوز اتار رہا تھا۔

"آفس میں کام کیسا چل رہا ہے؟" وہ کھلے بالوں کو لپیٹتے ہوئے پوچھنے لگی، انزک نے حیرت سے اسے دیکھا، اس نے پہلے کبھی اس طرح انزک کا حال احوال نہ پوچھا تھا۔

"الحمدللہ بہت اچھا۔"

"وری گڈ۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، کپڑے وہ چینج کر چکی تھی ڈھیلے ڈھالے سے ٹراؤزر شرٹ پہ چھوٹا سا اسٹولر اس نے شانوں پہ لپیٹ رکھا تھا۔

"کچھ پتہ چلا سمیر واپس کب آ رہے ہیں؟"

"انشاء اللہ جلدی ہی۔" وہ مسکرائی، خلاف معمول وہ آج بہت اچھے موڈ میں تھی۔

"اس کا مطلب ہے آپ یہاں مہمان ہیں کچھ دنوں کی؟" انزک کا دل ڈوبا۔

"کہہ سکتے ہو تم۔" ہنوز مسکراتے ہوئے پری نے کہا۔

"مس پری پھر تو خوب خاطر داری بنتی ہے آپ کی؟" بولتے ہوئے اس کے دل کو تکلیف ہو رہی تھی، نا جانے کیوں ازک کو خود پہ حیرت ہوئی۔

"ازک تمہاری فیملی آل ریڈی میرا بہت خیال رکھتی ہے، کبھی کبھی تو مجھے ان کی بے پایاں اور بے لوث محبتیں شرمندہ کر دیتی ہیں اور میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاتی، ماں، دادی، ستارہ پھپھو اور کومل ان سب کی محبتوں کی مقروض ہو گئی ہوں، سوچتی ہوں میں کیسے ان کی محبتوں کے قرض چکاؤں گی؟ سمیر کے آتے ہی مجھے یہاں سے جانا ہوگا، لیکن میں آفاق منزل کے مکینوں کی بے لوث محبتوں کو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔" تشکر سے بولتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ازک، میں کن لفظوں میں ان محبتوں کا شکر ادا کروں؟"

"مس پری، محبتوں کے قرض کبھی چکائے نہیں جاتے، محبت آنکھوں میں اترنے والی ایک خوبصورت شام کی طرح ہوتی ہے جو چپکے سے پلکوں پہ حسین خواب سجا کر خود کسی کونے میں چپ کی بالکل مار کے بیٹھ جاتی ہے اور دل کی دھڑکنوں کو محال کر دیتی ہے، محبت محبت کرنے والے کے علاوہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی، کبھی ستارہ بن کے نشان منزل کی روشنی دیتی ہے اور کبھی آرزوؤں کا چاند بن کر آنکھ کی بینائی میں کہیں گم ہو جاتی ہے اور ویسے بھی محبتوں کے شکر ادا نہیں کیے جاتے مس پری۔"

وہ نہ تو شاعر تھا اور نہ ادیب، لیکن محبت کا فلسفہ بہت خوبصورتی سے سمجھا گیا تھا۔

"تم سچ کہتے ہو، محبتوں کے قرض کبھی چکائے نہیں جاتے، میں بھی کبھی چکا نہیں پاؤں گی۔" وہ تشکرانہ انداز میں بولی تھی۔

☆☆☆

تازہ پھولوں کی دلفریب مہک سے اس کی آنکھ کھلی تھی، انوش کے بیڈ کے دونوں اطراف رکھے سائیڈ ٹیبلو پہ تازہ پھولوں کی خوبصورت باسکٹس رکھی تھیں، اس نے مسکراتے ہوئے دائیں طرف رکھی باسکٹ میں سجے پھولوں کو چھوا، باسکٹ کے ساتھ ایک خوبصورت کرسٹل کا باکس رکھا تھا، اس نے تجسس سے وہ باکس اٹھا کر کھولا، اس میں ایک چابی رکھی تھی اس نے حیرت سے اس چابی کو دیکھا اور پھر خوشی سے بیڈ سے چھلانگ لگا کر کھڑکی سے جھانکا۔

باہر چمچماتی زیرو میٹر جی ایل آئی گاڑی کھڑی تھی، وہ ہنوز حیرت و خوشی سے اب اپنے کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی، ٹی وی لاؤنج میں ذوریز آفندی بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"ہیپی برتھ ڈے میری جان۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

"تھینک یو سو مچ ڈیڈ، اتنا خوبصورت گفٹ۔" وہ خوشی سے بے ساختہ ذوریز کے گلے آ لگی، خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"میری بیٹی کی خوشیوں کے آگے کچھ بھی نہیں ہے یہ سب۔" ذوریز نے پیار اور شفقت سے اس کا کندھا تھپکایا تھا۔

"ڈیڈ میں ان خوشیوں کے ایک ایک پل کو ترسی ہوں، پلیز مجھے چھوڑ کر مت جائیے گا۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تو ذوریز مسکرا دیے۔

"نہیں جاؤں گا میری جان۔" انہوں نے اپنی جان سے بڑھ کر پیاری بیٹی کے ماتھے پہ

بوسہ ثبت کیا تھا۔

''اور آپ مجھے ایک ہفتے میں ڈرائیونگ سکھائیں گے اور آج رات ہم تینوں لانگ ڈرائیو پہ بھی جائیں گے۔'' انوش کی خوشی دیکھتے ہوئے زوریز مسکرائے۔

''اوکے بابا سکھاؤں گا ضرور سکھاؤں گا، فی الحال تو آج رات تمہارے ماموں نے ہمیں ڈنر پہ انوائٹ کر رکھا ہے۔'' زوریز نے بتایا۔

''ماما کل سے بہت خوش ہیں اتنے سالوں میں، میں نے انہیں کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا۔'' انوش نے اظہار کیا۔

''بیس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا، جدائی انسان کو تار تار کر دیتی ہے، میری خاطر ماہی نے بہت بڑی قربانی دی تھی، اپنی ماں اور بھائی کو چھوڑ دیا زمانے کے ہر سکھ اور آسائش کو چھوڑ دیا، صرف میرے لئے۔'' زوریز نے سچائی بتائی۔

کچن سے لاؤنج میں آتی ماہین زوریز کی بات پہ دروازے میں ہی رک گئی تھی۔

''لیکن اتنی قربانیاں دے کر بھی مجھے کچھ حاصل نہ ہوا اور چند لمحوں میں تم نے میری ذات کو میری قربانیوں کو میری محبت کو بے مول کر دیا تھا، زندہ درگور کر دیا تھا۔'' ماہین کے لہجے میں وحشت تھی، نہ بھرنے والے زخموں کی اذیت تھی، شکایت تھی، خودغرضی کے قدموں میں کچلے ہوئے جذبوں کا دکھ تھا، زوریز آفندی پہلو بدل کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ آج بہت خوش تھی، اتنی کہ آج اسے اپنے ساتھ ساتھ پوری کائنات مسکراتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، بیس سال کے بعد اسے اس کی جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملی تھی بیس سال کے بعد وہ اپنے اکلوتے بڑے بھائی ملک عرفان سے ملنے والی تھی، بیس سال کے بعد وہ اپنی شفیق بڑی بہنوں جیسی بھابھی اور اپنے بھتیجوں سے ملنے جا رہی تھی۔

بیس سال کے بعد اس کے لئے اس کی جنت کے دروازے کھولے گئے تھے، وہ خوش کیوں نہ ہوتی؟ سارا دن اس نے بے چینی میں گزارا تھا، بار بار گھڑی کی سوئیوں کو دیکھ کر وقت گزارا تھا۔

خدا خدا کر کے دن کے اجالے کو اس کی زندگی کی خوبصورت شام نے اپنے دامن میں سمیٹا تھا اور وہ اپنے عزیز از جاں بھائی ملک عرفان اور بھابھی حمیرا کے عندیئے پہ ڈنر کے لئے تیار ہو رہی تھی، جنت پیلس میں انہیں ڈنر پہ مدعو کیا گیا تھا، میرون کلر کی خوبصورت اور نفیس ساڑھی نے اس کے حسین سراپے کو مزید چار چاند لگا دیئے تھے، میرون لپ اسٹک لگانے کے بعد اس نے بندے پہنے تھے، اب وہ گلے میں گلوبند پہن رہی تھی، جب اس کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

''ییس کم آن۔''

برانڈڈ ڈنر سوٹ میں زوریز آفندی اندر داخل ہوئے، بے ساختہ دونوں کی نظریں ایک دوسرے کی جانب اٹھیں تھیں اور پھر کتنے ہی پل یونہی بیت گئے تھے، معاً زوریز آفندی آنکھوں میں محبت لئے گنگناتے ہوئے آگے بڑھے۔

بلبل نے گل سے گل نے بہاروں سے کہہ دیا
اک چودویں کے چاند نے تاروں سے کہہ دیا
دنیا کسی کے پیار میں جنت سے کم نہیں
اک دلربا ہے دل میں جو حوروں سے کم نہیں

وہ اسے وارفتگی سے دیکھتے اور گنگناتے ہوئے اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔

بھولے سے مسکراؤ تو موتی برس پڑیں

پلکیں اٹھا کے دیکھو تو کلیاں بھی ہنس پڑیں

ماہین دھیرے سے نظریں جھکا گئی، ذوریز کے قیمتی کلون کی مسحور کن مہک نے اس کی وارفتگی کی طرح ماہین کے دھڑکتے دل کو اپنے سحر میں جکڑنا شروع کر دیا تھا۔

خوشبو تمہاری زلف کی پھولوں سے کم نہیں
تم بادشاہ حسن ہو حسن جہاں ہو

ذوریز نے گاتے ہوئے اس کے بالوں کو چھوا تھا اور پھر اس کی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

جان وفا ہو اور محبت کی شان ہو
جلوئے تمہارے حسن کے تاروں سے کم نہیں

محبت روبرو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوری شدت سے گنگنا رہی تھی، ماہین کا دل سکڑ رہا تھا، گویا محبت ماہین کے چرنوں میں بیٹھ گئی تھی اور ضد کرنے لگی تھی، اس کے دل کے بند کواڑوں پہ دستک دینے لگی تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟ ہٹو یہاں سے۔''

''یہاں کسی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی اور نہ ہماری عمر ہے ایسے چونچلوں کی۔'' ماہین نے خفگی سے اسے دور کیا۔

''وقت تمہیں چھو کر بھی نہیں گزرا۔'' محبت سے لبریز لہجے میں کیا کہا۔

''میں اپنی نہیں تمہاری بات کر رہی ہوں۔'' دوبارہ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے گلوبند کی ہک لگاتے ہوئے بولی تو ذوریز اس کی بات پہ ہنسے۔

''اتنا ہینڈسم شخص کہاں سے بڈھا نظر آتا ہے تمہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے عقب میں آ کھڑے ہوئے ماہین سے گلوبند کی ہک بند نہیں ہو رہی تھی، ذوریز نے ہاتھ بڑھا کر گلوبند کی ہک بند کی، آئینے میں اب وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب کھڑے نظر آئے، ماہین کی نظر آئینے پر پڑی تو وہ گھبرا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

''دروازہ کیوں ناک کیا تھا تم نے؟'' ماہین نے بات بدلی۔

''شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا ہے یہ لگوانے آیا تھا۔'' ذوریز نے ٹوٹے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

''آپا بی سے کہو وہ لگا دیں گی، میں ابھی مصروف ہوں۔'' نظریں چراتے ہوئے اس نے اپنا دراز کھولا۔

''آپا بی اپنے کوارٹر چلی گئی ہیں، انوش کو لگانا نہیں آتا۔'' ذوریز نے ہنوز اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔

''کوئی اور شرٹ پہن لو۔'' مشورہ۔

''اس سوٹ کے ساتھ یہی شرٹ میچ ہوتی ہے لگا دو ناں پلیز، ورنہ دیر ہو جائے گی ہمیں۔'' ذوریز نے وال کلاک کی جانب اشارہ کیا، جو رات کے آٹھ بجا رہی تھی۔

ماہین نے جھنجھلا کر الماری سے سوئی دھاگے کا ڈبہ نکالا، سوئی میں دھاگا ڈالا اور اس کے قریب آئی۔

''سب بہانے میں تمہارے جانتی ہوں میں سب۔'' وہ بڑبڑائی۔

''تمہارے پاس آنے کے لئے بہانے کی ضرورت نہیں ماہی، تم سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔'' وہ اس کے مقابل کھڑی اس کی شرٹ کا بٹن لگا رہی تھی اور ذوریز آفندی کی نظریں اس کے چاند سے چہرے پہ مرکوز تھیں، ماہین کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''یقین میں تم سے ہار گیا۔'' دکھ ذوریز کے لہجے سے عیاں تھا، بے ساختہ ماہین نے اپنی نظریں اٹھائیں تھیں، کیا نہیں تھا ذوریز کی نظروں

میں، تڑپتی ہوئی محبت، بے بس جذبوں کی بے بسی
کرلاتی ہوئی جدائی، آنکھوں کی بستی میں تنکا تنکا
ہوا اعتبار و فا روتی ہوئی سچائی، گھبرا کر اس نے پھر
سے نظریں جھکا لیں اور بٹن لگانے لگی۔

”کینیڈا میں ٹوٹے ہوئے بٹن کون لگاتا
تھا؟“ ماہین نے بٹن لگانے کے بعد دھاگا توڑتا
ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

”ریکھا اگروال۔“ بے ساختہ ان کے منہ
سے نکلا، ایک بار پھر حیرت سے ذوریز آفندی کو
دیکھا گیا۔

”تمہاری گرل فرینڈ؟“ اسے اپنی ہی آواز
اجنبی سی لگی یہ پوچھتے ہوئے، وہ سوئی دھاگے کا
ڈبہ واپس الماری میں رکھنے لگی، تھوڑی دیر پہلے
دل کے آنگن میں اترنے والی سرشاری کی کیفیت
یاسیت میں بدل گئی۔

”نہیں میری بزنس پاٹنر۔“ ٹائی کی ناٹ
لگاتے ہوئے کہا گیا۔

”خیر مجھے کوئی سروکار نہیں کہ وہ تمہاری
بزنس پارٹنر ہے یا لائف پارٹنر؟“ وہ الماری زور
سے بند کرنے کے بعد اپنے سائیڈ ٹیبل کے دراز
سے گولڈ کی رنگز اٹھا کر پہننے لگی۔

اس کے انداز پہ ذوریز آفندی کے لبوں پہ
دھیمی سی مسکراہٹ مچل گئی تھی اور وہ پھر سے
گنگناتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے اور وہ
غصے میں خالی دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

گاڑی ایک پوش ایریا میں ایک نہایت
خوبصورت بنگلے کے بڑے سے آہنی گیٹ کے
سامنے رک گئی تھی۔

ذوریز آفندی نے گاڑی کا ہارن دیا اگلے
ہی لمحے باوردی گیٹ کیپر نے گیٹ کھولا گاڑی کو
اب ایک وسیع ڈرائیو وے سے پورچ کی جانب
لے جایا گیا، جہاں پہلے سے تین قیمتی گاڑیاں
موجود تھیں، ذوریز آفندی نے گاڑی روک دی۔

بڑے سے سرسبز لان میں انواع اقسام کے
پودے اور پھول اپنی بہار دیکھا رہے تھے۔

انوش ”جنت پیلس“ کو حسرت و حیرت سے
دیکھ رہی تھی، کیا ٹھاٹھ تھے اس کے اکلوتے
ماموں کے، وہ ماہین اور ذوریز آفندی کی معیت
میں مین انٹرنس کی جانب بڑھی جہاں عرفان اور
حمیرا پہلے سے موجود تھے، حمیرا اور عرفان نے ان
تینوں کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔

”ماہین تم آج بھی ویسی کی ویسی ہو۔“
حمیرا نے ماہین کو گلے لگاتے ہوئے پیار سے کہا
تھا، تو وہ مسکرا دی۔

”میں تو اس شہزادی کو دیکھ کر حیران ہو رہا
ہوں ماشاء اللہ، انوش تو ہو بہو تمہاری کاپی ہے۔“
ملک عرفان شفقت سے انوش کے سر پہ ہاتھ
پھیرتے ہوئے مسکرائے تھے۔

”آپ لوگ اندر آئیں نا باقی کی باتیں بی
جان کے پاس بیٹھ کر کرتے ہیں۔“ وہ بے صبری
سے انتظار کر رہی ہیں۔

حمیرا نے اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے
کہا تو سب نے قدم اندر کی جانب بڑھائے۔

(باقی آئندہ ماہ)

شہر دل کا راستہ

تحسین اختر

"موحد کتنے دن ہو گئے ہم باہر گھومنے نہیں گئے، ہم نے باہر گول گپے، چاٹ اور دہی بھلے نہیں کھائے۔" شاید دامن کوہ میں ملی اس آنٹی کی باتوں کا اثر تھا کہ وانیہ نے خود کو کچھ دیر کے لئے ڈپریشن کے فیز سے نکال کر موحد سے کہا تھا۔

"بیگم یہ سہانے سپنے دیکھنے چھوڑ دیں اب، جیب میں پیسہ نہ ہو تو یہ عیاشیاں کہاں ممکن ہیں۔"

موحد نے پھر سے اسے ڈپریشن کی وادی میں دھکا دے دیا تھا۔

"پچاس روپے کی پلیٹ گول گپے کھانا اور سو روپے میں چاٹ کھانا یہ عیاشی نہیں محض تفریح ہے۔" وہ جو آنکھوں میں کھٹکتی تھی اسے سو پچاس کی ابھی بھی قدر نہیں تھی۔

"وانیہ! تمہارا کیا خیال ہے جس کی جیب میں ایک آنہ نہ ہو اسے سو پچاس کی رقم، رقم نہیں

ناولٹ

لگتی، ارے تب تو یہ بھی لاکھوں کے برابر لگتے ہیں۔"

"اچھا نہیں لے کے جانا تو نہ لے کے جائیں۔" وہ منہ پھلا کر اٹھ گئی تھی۔

"ہونہہ، عورتوں کے پاس یہ ادائیں ہی تو ہوتی ہیں جن سے میرے جیسا مرد بھی قابو میں آ جاتا ہے، اتنے بڑے باپ کی بیٹی سے شادی اسی لئے تو کی تھی کہ ایک ایک روپے کے لئے ترسنا نہ پڑے مگر یہاں تو نوبت فاقوں تک آنے لگی ہے۔" وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا اور دوسری طرف وانیہ حیران و پریشان تھی کہ آنٹی تو کہہ رہی تھیں، عورت صاف ستھری اور اچھے حلیے میں ہو تو مرد کا دل خود بخود بہل جاتا ہے آج تو اس نے خود کو بہت سنوارا تھا مگر موحد کی نظر اس کے ہار سنگھار سے زیادہ اس کی باتوں پر تھی، اسی لئے تو وہ بدمزہ ہو کر اٹھ گئی تھی۔



تیرویں قسط



موحد وانیہ سے محبت کرنے والا مرد نہیں تھا، اصل محبت تو اسے حریم سے تھی، وانیہ کی دولت کی چکا چوند اور کچھ وانیہ خود اس کی طرف دل و جان سے راغب ہوئی تھی، اس لئے وہ دولت اور حسن کے جال میں پھنس گیا تھا اور اب یہ نشہ آہستہ آہستہ اترتا جا رہا تھا۔

"کیا فائدہ اس سنورنے اور سجنے کا۔" کمرے میں آ کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی چیزیں ہاتھ مار مار کر گرانی شروع کر دی تھیں۔

"کیا فائدہ ایسی محبت کا جو پل بھر کی خوشی نہ دے سکے۔" اس نے کانوں سے بندے نوچے تھے، گلے سے لاکٹ اتار پھینکا تھا، ہاتھ میں پڑی کانچ کی چوڑیاں اتارنے لگی تھی کچھ ٹوٹ گئی تھیں اور کچھ اتر گئی تھیں۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" شور کی آواز سن کے وہ دروازے پر آیا تو وہاں کا منظر ہی عجیب تھا۔

"ہاں میں پاگل ہوں، پاگل ہوں، تمہیں اب پتہ چلا کہ میں پاگل ہوں، میں پاگل ہوا اور ساری دنیا کو پاگل کر کے چھوڑوں گی۔" وہ اب کمرے کی باقی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی تھی۔

"وانیہ!" موحد نے آگے بڑھ کر اسے قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔

"چھوڑو مجھے، میں تنگ آ گئی ہوں اس گھٹن سے، تنہا رہتے رہتے۔"

"مجھے چیخنے دو، چلانے دو، مجھے اپنے اندر کا غبار باہر نکالنے دو۔" وہ موحد کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، چیخو چلاؤ جتنا دل کرے چلاؤ۔" وہ غصے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

"تم نے مجھے اپنایا ہی چھوڑنے کے لئے تھا، یا خدا میں کیا کروں، میں نے اپنے ماں باپ کا دل دکھایا تھا اور میرا دل خوش کیسے رہ سکتا تھا مجھے بھی تو دکھوں کی آگ میں جلنا تھا نا، کوئی ماں باپ کا دل اجاڑ کر کیسے بس سکتا ہے۔"

"ماما، پاپا پلیز آ جائیں کہاں ہیں آپ، پلیز ایک بار تو آ جائیں۔" وہ زمین پر بیٹھ کر اب اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

موسموں نے خبر سنا دی ہے
پھول کھلنے کی رت تمام ہوئی
زرد سورج کا چہرہ کہتا ہے
دن کے ڈھلنے کا وقت آ پہنچا
میرے ہاتھوں سے پھسلا ہاتھ اس کا
اور بچھڑنے کا وقت آ پہنچا
میری آنکھوں نے پڑھ لیا ہے نصیب
بخت ڈھلنے کا وقت آ پہنچا
اپنے سب فیصلوں پہ جان حیات
زید ہاتھ ملنے کا وقت آ پہنچا

☆☆☆

"بیٹا میری زندگی جانے کتنی ہے پھر تم اور حریم یوں آزادانہ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے ویسے بھی ہمارے دین میں بھی جوان لڑکی اور غیر لڑکے کا ملنا منع ہے، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے رشتے کو جلد از جلد کوئی نام دو۔" نہال کی امی سنجیدگی سے اسے کہہ رہی تھیں۔

"جی امی جان میں آپ کی بات سمجھتا ہوں مگر یہ جو آپ نے پہلی بات کی ہے نا اس پر میں آپ سے شدید ناراض ہوں، خدا پاک میری زندگی بھی آپ کو لگائے آپ نے ایسی بات کیوں کی۔"

"بیٹا اس میں ناراضگی والی کون سی بات

ہے جو حقیقت ہے وہی تو بتا رہی ہوں۔"
"پھر بھی امی جان، میرے سامنے ایسی بات دوبارہ مت کیجئے گا۔"
"اچھا نہیں کرتی، مگر میں یہ نیک کام جلدی کرنا چاہتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"
اس نے فرمانبرداری سے سر جھکا کر کہا تھا۔
پھر یہ بات حریم تک پہنچی تو اس نے بھی نہال کی طرح سر جھکا دیا تھا، اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا، اس کا اپنا آپ بھی تو کٹی پتنگ کی طرح ادھر اُدھر ڈول رہا تھا، اب تو آگے کوئی رہا تھا اور نہ پیچھے کوئی اور دنیا بڑی ظالم تھی کسی اژدھے کی مانند ہمہ وقت منہ کھولے رکھتی تھی کہ کب کوئی بے سہارا بے اماں آن ٹکرائے اور وہ اسے سالم نگل جائے۔
یوں نہال اور حریم کے نکاح کا دن جمعتہ المبارک مقرر کیا گیا تھا، اب حریم اپنا سارا ساز و سامان اٹھا کر نہال کے گھر آ گئی تھی، دو دن نکاح میں باقی تھے اور آنٹی اسے یہ دو دن ہاسٹل میں نہ رکھنا چاہتی تھیں۔
"یا اللہ یہ تیرا کیسا نظام ہے، سگے سوتیلے بن گئے اور جن سے کبھی دور کا واسطہ بھی نہ تھا وہ دل و جان کے قریب آ گئے ہیں۔"
رات سکھ چین کے درخت کے نیچے اتنا اندھیرا نہیں تھا جتنا اندھیرا اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہا تھا، رات چونکہ گہری تھی اس لئے پاؤں کے نیچے نمی کپکپانے پہ مجبور کر رہی تھی مگر اس وقت یہ احساس کب تھا، اس وقت تو بس اپنے یاد آ رہے تھے اور ٹوٹ کر یاد آ رہے تھے۔
کل اس کا نکاح تھا، پھر یہ گھر اور اس گھر کے مکین جن سے ابھی تک صرف محبت اور چاہت کا رشتہ تھا یہ رشتہ بہت گہرا ہو جانا تھا کبھی نہ ٹوٹنے والا، مگر آج جب ابھی تک اس کے نام کے ساتھ باپ کا نام جڑا تھا، مرحوم ماں اور باپ جو کہ زندہ تھا مگر دور تھا وہ ان کی یاد میں تڑپ رہی تھی۔
"نیند نہیں آ رہی کیا۔" نہال جو کب سے کھڑکی میں کھڑا اس کی بے چینی دیکھ رہا تھا، اس کے پیچھے آئے بنا نہ رہ سکا تھا۔
"نہیں۔" اس نے شال کو مزید اپنے گرد لپیٹا تھا۔
"کیوں۔"
"بس ایسے ہی۔"
"گھر والے یاد آ رہے ہیں۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا تھا۔
آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پر پھسلنے لگے تھے اور یہی آنسو نہال کے سوال کا جواب تھے۔
"حریم میں تمہارا ہر دکھ بانٹ سکتا ہوں، مگر یہ والا دکھ کیسے بانٹوں، مجھے بتاؤ، مجھے پتہ ہے اپنوں سے بچھڑنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے، میں تمہاری یہ تکلیف کیسے کم کر سکتا ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ صاف شفاف موتی اپنی پوروں سے چنے تھے، وہ کیا بتاتی اسے تو خود پتہ نہیں تھا۔
"اچھا چلو ایسے کرتے ہیں شادی کے بعد میں تمہیں خود تمہارے گھر لے کر جاؤں گا اور ہم دونوں مل کر تمہارے ابا کو منا لیں گے۔"
"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" وہ پرنم آواز میں بولی تھی۔
"کوئی بھی کام جتنا مشکل نظر آتا ہے اتنا مشکل نہیں ہوتا۔"
"آپ صحیح کہہ رہے ہیں نا۔" کوئی امید سی جاگی تھی، دور آسمان پر اک تارہ سا چمکا تھا۔
"ہاں میں نے کبھی تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے جو اب بولوں گا، چلو اب اندر جاؤ اور جا

کر سو جاؤ۔" نہال نے نرمی سے کہا تھا، حریم سر ہلا کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جمعتہ المبارک کی پرنور ساعتیں حریم اور نہال کی زندگی میں رنگ بھرنے کو تیار تھیں، نہال کے چند قریبی لوگ تھے مگر گھر میں خوبصورت سی چہل پہل بہت اچھی لگ رہی تھی، حریم پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا، یہ سادہ اور پروقار سی تقریب تب اختتام پذیر ہوئی جب حریم کو امی جان کے کمرے سے نہال کے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

نہال کے دوستوں نے کمرہ بہت خوبصورتی اور نفاست سے سجایا تھا، سرخ گلاب کے پھولوں کی خوشبو کمرے کی ہر چیز میں رچ بس گئی تھی اور ہر شے ایک خمار تلے محسوس ہوتی تھی۔

نہال سب مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد کمرے میں آیا تو دلہن گھونگھٹ اٹھائے آنسو بہا رہی تھی، اس کے آنسو دیکھ کر نہال کے قدموں تلے سے زمین نکل جایا کرتی تھی سو اس وقت بھی نکلی تھی۔

"یار یہ گھونگھٹ کیوں ہٹایا، میں خود ہٹاتا نا۔" اس کی خواہش دل میں ہی رہ گئی تھی۔

"ایسے تو مت گھورو آج تم میری دلہن ہو کوئی لیگ نہیں۔" وہ اور زور سے رونے لگی تھی۔

"اب کیا ہوا؟"

"چاندنی یاد آ رہی ہے۔" وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اس موقع پر اور اس وقت، یار یہ چاندنی صاحبہ کچھ عجیب وقت پر یاد نہیں آ رہی۔" وہ کان کھجلاتے ہوئے بولا تھا۔

"ہم دونوں نے کبھی ایسے نہیں سوچا تھا کہ جب وہ دلہن بنے گی تو میں اس کے پاس نہیں ہوں گی اور جب میری شادی ہو گی تو وہ میرے پاس نہیں ہو گی، مگر ایسا ہو گیا، اس کی شادی پہ میں نہیں جا سکی اور اب میری شادی ہوئی تو وہ میرے پاس نہیں ہے۔" حریم نے اپنا لمبا چوڑا دکھ نہال کو بتایا تھا، نہال کی ہنسی نکل گئی تھی۔

"حریم تم تو بہت مضبوط تھی، تم اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان اور رونے والی لڑکی تو نہ تھی، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیوں ایسا بی ہیو کر رہی ہو۔"

"حالات نے مجھے کمزور بنا دیا ہے۔"

"پاگل اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تمہیں کمزور نہیں پڑنا، مضبوط سے مضبوط تر ہونا ہے۔" وہ اس کے ٹھنڈے برف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا تھا، حریم کو اس لمس نے یاد دلایا تھا کہ وہ آج کس حیثیت سے اور کہاں بیٹھی تھی، جو شرم اب تک جانے کہاں جا سوئی تھی، وہ ایک دم جاگی تھی اور اس نے نہال سے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے، نہال نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا، وہ سمٹ کر رہ گئی تھی۔

نئے دلوں کے نئے سفر میں دھیان رکھنا
خاموش، چپ چاپ
کچھ نہ کہتی ان ساعتوں نے
سونپ ڈالے نئے تقاضے رفاقتوں کے
دھیان رکھنا
کہ اپنے حصے کے سب تقاضے
نبھانے ہیں
ساتھ چلتے ہوئے سفر میں
ہر اک ذکر
چاہتوں کے گلاب لکھنا
ورق ورق اعتماد جس میں
حرف حرف میں ہو جاں نثاری
نئی خوشیاں نئے مناظر
نئی مثالیں، نئے حوالے
بس ایک ایسی ہی محبتوں کی کتاب لکھنا

☆☆☆

''نہال کی شادی مگر کب اور کیسے۔'' مشائم کو جب سے پتہ چلا تھا وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکارے جا رہی تھی۔

''وہ کسی اور سے شادی کیسے کر سکتا ہے، محبت تو میں اس سے کرتی ہوں، ٹوٹ کر تو میں نے اس کو چاہا ہے، عشق تو میں نے اس کے ساتھ کیا ہے، پھر وہ کیسے کسی اور کو اپنی زندگی بنا سکتا ہے۔'' اس نے اپنا کمرہ اور کمرے کی ہر ایک چیز تہس نہس کر دی تھی، جو جو اس کے ہاتھ میں آ رہا تھا سب بکھرتا جا رہا تھا، وہ یہ خبر سن کر اپنے آپ میں کب رہی تھی۔

فواد تنویر کا فون آیا تھا اس نے موبائل اٹھا کر دیوار پر مارا تھا، موبائل چکنا چور ہو گیا تھا، ساتھ ہی فواد تنویر بھی، اس وقت تو بس نہال کا بھوت تھا جو سر پر کھڑا ناچ رہا تھا، گھر میں کوئی نہیں تھا، یاسر آفس اور پنکی دوبئی گئی ہوئی تھی اور ماما پاپا ہمیشہ کی طرح اپنی اپنی ایکٹویٹیز میں بزی تھے اور وہ اکیلی تھی جو بہنوں سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اکیلی ہی رہی تھی اور آج بھی اپنے دکھ پر اکیلی ہی کرلا رہی تھی۔

''نہال نہال میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی، تم نے کبھی میری محبت کو قبول نہیں کیا، مجھ میں کس چیز کی کمی تھی، نہال جواب دو مجھے۔'' دل سے اٹھتے سوال وہ اب نہال کو محبت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھنا چاہتی تھی۔

اس نے اِدھر اُدھر موبائل تلاشنا چاہا مگر موبائل تو کچھ دیر پہلے وہ دیوار پر مار کر چکنا چور کر چکی تھی، وہ کمرے سے باہر نکلی اور اوپر رکھے لینڈ لائن نمبر پر نہال کا نمبر ملایا تھا، نہال کا نمبر اسے یوں ازبر تھا جیسے یہ حرف دل پہ نکلتے ہوں، پہلی بیل پر ہی فون ریسیو کر لیا گیا تھا، شاید مشائم کے گھر یہ نمبر نہال کے علم میں نہیں تھا۔

''ہیلو۔'' وہ نئی زندگی کے نئے خمار میں تھا، پرسکون سی آواز میں بولا تھا، اس سکون نے مشائم کے اندر کی آگ کو اور بھڑکایا تھا۔

''تو تم نے شادی کر لی۔'' اس کی روتی کرلاتی آواز نہال کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''کون؟'' ایک پل کو تو اسے بھی سمجھ نہیں آئی کہ فون پر کون ہے، آواز میں درد ہی اتنا تھا کہ وہ پہچان نہ سکا تھا، آج تک جس آواز میں غرور، نخوت، بڑائی اور خودسری یہ چیزیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوں اس آواز میں اتنا ہی کرب، تڑپ، درد اور بے چینی آن بسے تو وہ آواز کیسے پہچان پاتا۔

''ہاں اب کیوں پہچانو گے۔''

''بولو کیوں فون کیا ہے۔'' وہ اب پہچان گیا تھا اور آواز میں خود بخود نفرت در آئی تھی، ویسے بھی کچھ عرصہ پہلے اس کے بھائی یاسر علوی نے جو کچھ حریم کے ساتھ کیا تھا اس نے مشائم سے نفرت کو دوگنا کر دیا تھا۔

''میں تو تم سے سچی محبت کرتی تھی پھر تم نے کسی اور سے شادی کیسے کر لی نہال، تم ایک بار میری محبت کو قبول کر کے تو دیکھو، میں تمہاری منت کرتی ہوں، تمہیں خدا کا واسطہ میری محبت کو قبول کر لو، نہال میں نے تم سے محبت نہیں عشق کیا ہے عشق، مگر تم اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے ہو۔'' وہ رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بولی تھی۔

''ابھی تک یہ بھوت تمہارے دماغ سے اترا نہیں مشائم علوی، ویسے یہ دورہ تمہیں مزید کتنے دن تک رہنے والا ہے، جاؤ شاباش دوبئی، سنگاپور، ملائیشیا کہیں بھی چکر لگا آؤ باپ اور بھائی کے ناجائز پیسوں پر، تمہارا دل بہل بھی جائے گا

اور سنبھل بھی۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا، پھر مشائم بار بار اس کا نمبر ڈائل کرتی رہی تھی اس نے موبائل سائیلنٹ پر لگا کر بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

☆☆☆

نہال ہنی مون کے لئے کہیں بھی جانا نہیں چاہتا تھا اس کی وجہ صرف اور صرف امی جان تھیں جن کو وہ چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا اور ان کے گھومنے پھرنے کا شوق بھی سب سے زیادہ امی جان کو ہی ہو رہا تھا، وہ اٹھتے بیٹھتے نہال سے پوچھتی رہتی تھیں کہ آخر وہ لوگ کب گھومنے پھرنے جا رہے ہیں۔

"حریم بیٹا تم ہی نہال کو سمجھاؤ نا، وہ میری بات سمجھتا کیوں نہیں آخر۔" تنگ آ کر انہوں نے حریم سے کہا تھا۔

"امی جان نہال صحیح تو کہہ رہے ہیں ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں، یہ تو ہم کبھی نہ کریں گے، چلیں ایسا کرتے ہیں ایک کام کرتے ہیں، میں آپ کی یہ بات مان لوں گی بلکہ نہال سے بھی منوا لوں گی مگر اس کے بدلے میں آپ کو میری بھی ایک بات ماننا ہو گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"اچھا تو اب ماں کے ساتھ سودے بازی ہو گی۔" انہوں نے حریم کے سر پر پیار سے ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

"ہاں بالکل، آپ کو تو پتہ ہے نا پیار میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"اچھا چلو بتاؤ، کیا بات ہے۔"

"وہ یہ کہ ہم ایک شرط پر جائیں گے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

"ارے کیا، پاگل تو نہیں ہو گئی ہو، تم دونوں کے ساتھ میرا بڈھی کا کیا کام، ویسے بھی کبھی آج تک سنا ہے بیٹے اور بہو کے ساتھ کوئی ماں ہنی مون پر گئی ہے۔"

"چلیں آج تک نہیں سنا مگر اب لوگ سن بھی لیں گے اور دیکھ بھی لیں گے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"اور پیاری امی جان ہم آپ کو سوات میں خالہ گل مینے کے پاس چھوڑ دیں، وہ کتنا کہتی ہیں آپ کو کہ آپ ان کے پاس سوات آئیں، مگر آپ کبھی ملنے نہیں جا سکیں۔" نہال ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا، آگے بڑھ کر اس نے ماں کے گلے میں بازو ڈالے تھے اور نیا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

"مگر بیٹا میں اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتی ہوں، تمہیں پتہ ہے نا میں گھٹنوں کے دردوں کی ہے......"

"ارے امی چھوڑیئے نا، یہ دردیں وردیں سب ٹھیک ہو جائیں گی۔" نہال نے ماں کی بات کاٹی تھی۔

"ہائے کتنا مزہ آئے گا جب ہم آپ کے ساتھ سوات جائیں گے۔" حریم نے خوشی سے ان کا منہ چوم لیا تھا، بہو اور بیٹے کی خوشی دیکھ کر وہ بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

سفر شروع ہوتے ہی نہال نے پورٹر کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دیئے تھے، حریم اور امی دونوں ہی بہت دلچسپی کے ساتھ سوات کی تاریخ سن رہی تھیں۔

"لگتا ہے آتے ہوئے سوات کی تاریخ رٹ کر آئے ہو۔" حریم نے اسے خاموش ہوتے دیکھ کر چھیڑا تھا۔

"معزز خواتین، یہ ساری باتیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ کو پتہ ہو کہ جس جگہ آپ جا رہی ہیں اس کا محل وقوع کیا ہے، آپ لوگوں کو پتہ ہے میری زندگی کا تجربہ ہے کہ جہاں کا سفر اختیار کرو اس جگہ کے بارے میں آپ کو مکمل معلومات ہونی

ہے تا کہ آپ کو کسی بھی قسم کی مشکلات کا سامنا
کرنا پڑے۔"

"ہاں تو اچھی بات ہے نا، ہم کون سا بور ہو
رہے ہیں، بلکہ ہم تو ان معلومات کو انجوائے کر
رہے ہیں، کیوں امی جان۔"

"بالکل بیٹا باقی خود جا کر اپنی آنکھوں سے
دیکھ لینا۔" نہال شاید بولتے بولتے تھک گیا تھا،
…ٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا تھا۔

☆☆☆

مشائم نے ماما کی سلیپنگ پلیز نکالی تھیں اور
…را ڈھیر پانی کے ساتھ نگل لیا تھا، تھوڑی دیر بعد
…دوائی نے اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور وہ بے
…ش ہو کر نیچے زمین پر گر گئی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد ملازمہ اسے کھانے کا
…چھنے آئی تھی اور دروازہ چونکہ لاکڈ نہیں تھا اس
…ئے ایک دو بار دستک دینے کے بعد اندر آ گئی تھی
…اندر آ کر اس نے جو منظر دیکھا اس منظر نے
…ما کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی، اس
…نے جلدی سے صاحب کو فون لگایا تھا ان کا نمبر
…ی جا رہا تھا، پھر اس نے بیگم صاحبہ کا نمبر ملایا تھا
…کا نمبر ہی بند تھا، اس نے پھر جلدی سے مریم کا
…ڈائل کیا تھا اور ساری صورتحال بتائی تھی، مریم
…تی ہوئی "علوی ہاؤس" پہنچی تھی۔

"مشی...... مشی...... آنکھیں کھولو۔" اس
…نے پہلے ایمبولینس کو کال کی تھی اور پھر مشائم کے
…ل بیٹھ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے
…لگی، چند ہی منٹوں میں ایمبولینس پہنچ گئی تھی
…ر وہ مشائم کو لے کر ہاسپٹل روانہ ہو گئی تھی اور
…تھ ہی ملازمہ کو تاکید کر گئی تھی کہ بار بار ماما، پاپا
…کے نمبر ڈائل کرتی رہے اور ان کو مشائم کے
…رے میں بتائے۔

مشائم کو ٹریٹ منٹ دی جا رہی تھی مگر چونکہ
اسے سلیپنگ پلیز کھائے ہوئے کافی دیر ہو چکی
تھی اور دوائی اپنا اثر دکھا چکی تھی اس لئے
ڈاکٹروں کو اسے بچانے اور ہوش میں لانے کی سر
توڑ کوشش کرنا پڑ رہی تھی، منصور کو فون کر کے مریم
اپنے پاس بلا چکی تھی، ورنہ اس معاملے کو وہ اکیلی
ہینڈل کر ہی نہ سکتی تھی، مشائم کی حالت دیکھ کر تو
اس کی اپنی جان نکل گئی تھی، یاشر کو کال مل گئی تھی
اس لئے وہ بھی سب مصروفیات چھوڑ کر بھاگتا ہوا
آیا تھا۔

"سوری، ہم آپ کی سسٹر کو نہیں بچا سکے۔"
ڈاکٹر باہر آیا تھا اور آتے ہی اس نے یاشر کے
کندھے پر ہاتھ رکھ کر نہایت بری خبر سنائی تھی۔

"کیا...... مشائم...... میری مشی۔"
مریم نے یہ خبر سنی تو اس کی چیخوں نے ہاسپٹل کے
در و دیوار کو ہلا دیا تھا، منصور کی آنکھوں سے بھی
آنسو جاری تھے مگر وہ حوصلہ جمع کر کے مریم کو
سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔

"کیا؟" یاشر بھی دھاڑیں مار مار کر رونے
لگا تھا، جب مشائم جان سے چلی گئی تب ماں
باپ آگے پیچھے دوڑتے ہوئے ہاسپٹل پہنچے
تھے۔

"کہاں تھے آپ لوگ، جب مشی نے اپنا
یہ حال کیا، آپ لوگوں نے کیسے اسے اتنا اکیلا
چھوڑ دیا کہ وہ اکیلی ہی چلی گئی۔" مریم باپ کا
گریبان پکڑے چیخ رہی تھی، علوی صاحب جیسا
مضبوط بزنس مین بھی اس وقت آنسوؤں کے دریا
بہا رہا تھا اور مسز علوی اپنے بیٹے یاشر علوی کے
سینے سے لگی دھاڑیں مار رہی تھی۔

مشائم ضدی اور خودسر تھی اور اس میں اس کا
اپنا کوئی قصور نہیں تھا، ایسا اسے حالات نے اور
اس کے ماں باپ نے بنایا تھا۔
اس کی تربیت نے بنایا تھا اور اب جب وہ

دنیا چھوڑ گئی تھی اسی ضد اور انا پرستی میں تو سب کو پچھتاوا ہو رہا تھا۔

ریشم جب تک امریکہ سے آ نہیں گئی تھی تب تک اس کی ڈیڈ باڈی سرد خانے میں ہی رکھی رہی تھی، پھر باپ کا پیسہ، ماں کی طاقت، بھائی کا بزنس اور اثر و رسوخ کچھ بھی اس کو منوں مٹی تلے جانے سے نہ روک سکا تھا، ریشم آپی کے پاس بیٹھا فواد تنویر مشائم کو رو رہا تھا۔

''مشی اتنی بے وقوف تو نہ تھی کہ اتنی مقدار میں سلیپنگ پلز کھا لیتی۔''

''وہی تو میں سوچ سوچ کر پاگل ہوں کہ آخر ایسی کون سی بات تھی جس نے مشی کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔'' ریشم آپی بھی سوجی آنکھوں کو مزید صاف کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''یہی تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی، ابھی دو دن پہلے تو ہم جم خانے میں ملے ہیں اور وہ بالکل نارمل تھی ہم نے اکٹھے چائے پی اور پھر میں نے اسے بڑے خوش گوار موڈ کے ساتھ گھر چھوڑا تھا۔''

''ہوں۔'' ریشم نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا تھا، مگر مصیبت تو یہی تھی کہ سوچ کی ہر حد اس بات پر آ کر ختم ہو جاتی تھی کہ آخر مشائم نے خودکشی کیوں کی اور کس کے لئے۔

''ممی آج گھر یہ کیسے نظر آ رہی ہیں۔'' مریم نے سفید ساڑھی میں ملبوس مسز علوی سے تلخی سے پوچھا تھا۔

''کیا مطلب، آج میری بیٹی کا سوئم ہے، تم دیکھ نہیں رہی ہو اتنے سارے لوگ تعزیت کے لئے آ رہے ہیں اور میں یہ سب چھوڑ کر باہر جاؤں گی۔'' انہیں مریم کی ذہنی حالت پہ بھی شبہ ہوا تھا۔

''اچھا، جب بیٹی زندہ تھی یہاں موجود ہوتی تھی تب تو آپ اتنا کانشس کبھی نہیں ہوئیں، تب تو آپ نے کبھی اپنی بیٹی کو وقت دینے کا نہیں سوچا، کبھی اس کے اندر کی بات جاننے کی کوشش نہیں کی اور وہ جانے کیا غم اندر ہی اندر دبا کر بھری جوانی میں اس دنیا سے چلی گئی پھر اب آپ کو کیوں احساس ہو رہا ہے کہ آپ کو گھر میں رہنا ہے۔''

''بتایئے کہاں گئی ہیں آپ لوگوں کی سوشل ایکٹیویٹیز۔'' علوی صاحب بھی آ کر بیٹھے تو انہوں نے لفظوں کی دو دھاری تلوار پاپا کی طرف موڑ لی تھی۔

''اب تو وہ آ کے نہیں دیکھے گی کہ آپ لوگ سارا کچھ چھوڑ کر اس کے لئے بیٹھے ہیں، میں اور ریشم بھی اپنے گھر چلے جائیں گے پھر آپ کو کیا فائدہ اس گھر کو وقت دینے کا، آپ کی تینوں بیٹیاں تو ٹھکانے لگیں جائیں آپ دونوں اس دنیا کو وقت دیں، ہماری فکر چھوڑیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

''مریم پلیز سنبھالو خود کو۔'' ریشم اندر فواد تنویر کے پاس بیٹھی تھی اس کی بلند آواز سن کر بھاگتے ہوئے باہر آئی تھی۔

''نہیں، مجھے نہیں سنبھالنا خود کو، میں مشی کے کمرے میں جاتی ہوں تو اس کی ایک ایک چیز مجھے رلاتی ہے۔''

''اف خدایا میں کیسے سہہ پاؤں گی اتنا بڑا صدمہ۔'' مریم سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، ریشم بھی اس کے برابر بیٹھ کر آنسو بہانے لگی تھی۔

☆☆☆

امی جان کو اپنی پرانی سہیلی کیا ملی تھیں وہ تو جیسے ہر بات بھول گئی تھیں اور خالہ گل مینے جنہوں نے پانچ سال امی جان کی پڑوسن سہیلی اور پھر بہن ہونے کا اعزاز حاصل کیے رکھا تھا ان کو تو مانو

گویا بڑا خزانہ مل گیا تھا، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ اس کے پاس یوں اچانک سوات آ سکتی ہیں، حریم اور نہال ماں کو اتنا خوش دیکھ کر اور دونوں سہیلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بڑی دیکھ کر اپنے آپ میں مگن ہو گئے تھے، وہ صبح کے نکلے شام کو گھر واپس آتے تھے، سوات کے حسین مناظر نے تو حریم کو گنگ ہی کر دیا تھا، اس نے خواب میں بھی اتنا حسن کبھی نہ دیکھا تھا اور پھر نہال کے ساتھ ان جگہوں پر پھرنے کا جو مزہ تھا وہ دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز پا کر بھی نہ مل سکتا تھا۔

آج سارے دنوں کی نسبت زیادہ سردی تھی، ہوا ٹھنڈی اور برفیلی تھی اور آج پہاڑوں پر برف گرنے کا بھی امکان تھا، حریم بھی آج کچھ تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی اس لیے آج وہ دونوں کمبل میں دبکے خالہ گل مینے کی سکھائی ہوئی خشک خوبانیاں کھا رہے تھے اور ساتھ اس قہوے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے جو خالہ گل مینے نے خاص قسم کی جڑی بوٹیاں ڈال کر اپنی بہو سے بنوایا تھا۔

نہال کو فراغت ملی تو اس نے اپنے موبائل پر نیٹ آن کیا تھا، ورنہ یہاں آ کر تو وہ نیٹ ویٹ سب کچھ بھول گیا تھا، وہ جو سرخ پھولوں والی مخمل کی رضائی اوڑھے لیٹا تھا ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' حریم نے قہوے کی چسکیاں بھرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''حوری یہ دیکھو۔'' موبائل نہال کے ہاتھ میں کانپ گیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ، مشائم کی خودکشی اور پھر موت۔'' حریم نے بھی سر تھام لیا تھا، ان دونوں کو مشائم سے اس بے وقوفی کی توقع کبھی نہیں تھی، نہال کو یاد آیا تھا کہ مشائم نے جب اس کی شادی کا سن کر اسے فون کیا تھا تو روتے ہوئے یہ کہا تھا کہ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی اور وہ واقعی مر گئی تھی، تو کیا وہ اپنی محبت میں سچی تھی، تو کیا وہ واقعی نہال سے محبت نہیں عشق کرتی تھی۔

اور اس نے نہال کے پیچھے اپنی جان بھی دے دی، حریم افسوس کرتے ہوئے باہر چلی گئی تھی اور نہال گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا، مشائم جب تک زندہ رہی تھی کبھی نہال کو اس قابل بھی نہیں لگی تھی کہ وہ اسے اپنی سوچوں میں جگہ دیتا مگر اس کی خاطر مر گئی تو کیا وہ اس بے وقوف لڑکی کے بارے میں سوچتا بھی نہ۔

''دنیا واقعی تماشا گاہ ہے اور اس میں کیسے کیسے لوگ بھرے پڑے ہیں۔''

اگلی صبح پہاڑوں کے درمیان ویسی ہی حسین تھی، رات کے کسی حصے میں برف باری بھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہر طرف دھند اور سفیدی کا گمان ہوتا تھا، باہر نکلو تو سردی ٹھٹھرانے پر مجبور کرتی تھی، سب لوگ نرم گرم بستروں میں دبکے پڑے تھے، نہال کی ساری رات بھی بے چینی میں گزری تھی، وہ فجر کی نماز پڑھ کر گرم کپڑے چڑھا کر باہر نکل آیا تھا۔

عجیب اداسی تھی، عجیب ویرانی تھی، وہ لڑکی کبھی اچھی نہیں لگی تھی، حالانکہ اگر اسے خوبصورتی کے معیار پر جانچا جاتا تو وہ حسین نہیں بے حد حسین تھی، مگر اپنے دل کی بات ہوتی ہے، نہال کے معیار پر وہ کبھی پوری نہیں اتر سکی تھی بلکہ اسے وہ جب بھی دیکھتا نفرت سے ہی دیکھتا تھا، اس کے کام، اس کا غرور، اس کی ضد، اس کی بے باکی سب سے اسے نفرت تھی اور وہ اتنی نفرت لے کر بھی اس کی محبت میں مر گئی تھی۔

عجیب لڑکی تھی
عجیب محبت تھی

پتہ نہیں کیسا عشق تھا
جانے کیسی چاہت تھی

نہال کے دل میں آج بھی اس کی چاہت نہیں جاگی تھی، ہاں اک رحم تھا ہمدردی تھی تاسف تھا، ملال تھا جو کل شب سے اسے گھیرے ہوئے تھا۔

''میں دیکھ رہی ہوں نہال تم کل سے ڈسٹرب ہو۔'' وہ گم صم بیٹھا تھا جب حریم خود کو بڑی سی شال میں لپیٹے مندی مندی آنکھوں سے جیسے نیند سے زبردستی اٹھ کر آئی ہو اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں ہوں۔''

''میں بھی ہوں، مجھے بھی مشائم کی خودکشی نے شاک پہنچایا ہے۔'' وہ دو لفظوں کے پیچھے چھپے درد سمجھ گئی تھی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حد تک چلی جائے گی۔''

''ہاں ضدی تھی، خود سر تھی، مگر اس حد تک۔''

''چلو اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔'' کافی دیر چپ رہنے کے بعد حریم نے کہا تھا۔

وہ بے شک اس سے محبت نہیں کر سکا تھا، مگر دو بول مغفرت کے تو اس لڑکی کا حق تھے، دونوں نے دعا کے لئے اکٹھے ہاتھ اٹھائے تھے۔

☆☆☆

''تم نے تو میری زندگی عذاب بنا دی ہے، جانے تم میرے کس گناہ کی سزا ہو۔'' موحد کے پاس پیسہ ختم ہو گیا تھا، وانیہ کا بھی بینک بیلنس زیرو تھا، اوپر سے وانیہ کو پڑنے والے ڈپریشن کے دورے بڑھنے لگے تھے، موحد کے ہاتھ کیا آیا تھا، بیمار اور کنگال بیوی، ٹینشن اور ڈپریشن، دربدری، اس کو تو اپنی زندگی عذاب لگنی ہی تھی، وانیہ نے اب اس کی باتوں کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''اٹھو میرے ساتھ چلو۔'' جب وانیہ اس کی کسی بات پر ٹس سے مس نہ ہوئی تو وہ اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگا تھا۔

''کہاں؟''

''سائیکاٹرسٹ کے پاس۔''

''کیوں؟''

''ابھی بھی پوچھ رہی ہو کیوں؟ بلکہ مجھے اپنے اوپر حیرت ہو رہی ہے کہ مجھے پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔''

وانیہ اٹھ پڑی تھی اور موحد اس کو ایک اچھے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے آیا تھا۔

مسلے ہوئے کپڑے، بکھرے بال، لال آنکھیں اور بے چینی کا غماز چہرہ، جب اس کی باری آئی تو ڈاکٹر نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا کہ مریض کی ذہنی حالت کس قدر ڈسٹرب ہے۔

''کیا مسئلہ ہے انہیں؟'' ڈاکٹر نے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

''یہ آپ ان سے ہی پوچھ لیں تو بہتر ہے۔'' موحد بیزار سے انداز میں بولا تھا۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو پھر مجھے اکیلے میں مریض سے بات کرنے دیں۔'' ڈاکٹر نے موحد کی بے زاری نوٹ کی تھی اور شائستہ لہجے میں موحد سے کہا تھا۔

''جی کیوں نہیں۔'' موحد اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

''وانیہ آپ چائے لیں گی یا ٹھنڈا۔'' ڈاکٹر نے فائل کے اوپر سے اس کا نام پڑھ کر اسے کہا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''کیوں؟ کیا آپ کو کچھ بھی پسند نہیں۔''

"کبھی پسند تھا مگر اب تو جیسے ہر چیز سے دل
ٹ ہو گیا ہے۔" وہ بڑی جلدی ڈاکٹر پر کھلنے
ی تھی، ڈاکٹر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پہلے فقرے
ی اس طرح کاری ایکشن دے گی۔
"وانیہ مگر کیوں، آپ جیسی ایج میں تو ہر چیز
ی لگتی ہے نا کہ ہر چیز سے دل اچاٹ ہو جاتا
ے، آپ کیوں اتنی مایوس ہیں۔"
"ڈاکٹر صاحب مجھے اپنے ماما، پاپا سے ملے
ے دو سال ہونے کو آئے ہیں، آپ کو پتہ ہے
پچھلے دو سالوں سے میں نے ان کی آواز نہیں سنی
ن کا چہرہ نہیں دیکھا۔"
"کیوں؟"
"کیونکہ میں خود انہیں اپنے گھر بار کو ہر چیز
و چھوڑ کر ٹھوکر مار کر موحد کے ساتھ آ گئی تھی، میں
ی دن ان لوگوں کے لئے مر گئی تھی، میں نے
وچا تھا ایک محبت ہی کافی ہوتی ہے جینے کے
لئے، جب ایک بندہ آپ کو اپنا دین ایمان سب
کچھ لگنے لگ جاتا ہے تو پھر آپ کو کسی اور شے کی
ضرورت نہیں رہتی، مگر میرا یہ خیال غلط تھا، جیسے
یسے ٹائم گزرتا گیا مجھے اپنے ماما پاپا شدت سے یاد
نے لگے ہیں۔" وانیہ بے ربط سے انداز میں
پنی کہانی سنائی گئی تھی۔
"اوہ۔" ڈاکٹر کو ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی۔
"موحد صاحب کیا جاب کرتے ہیں۔"
"کچھ نہیں، کاروبار چلتا نہیں اور نوکری
سے ملتی نہیں، یہ ہمارے گھر ڈرائیور تھے اور
یرے پاپا شہر کے مشہور بزنس مین اور میں ان کی
کلوتی بیٹی وانیہ عماد، اب موحد اپنی بدقسمتی کا ذمہ
دار مجھے سمجھتا ہے، میں کیا کروں میرا اس میں کیا
قصور ہے، میں بھی تو چاہتی ہوں کہ موحد نوکری
کرے اور میں سکون کے ساتھ اس کے ساتھ
زندگی گزاروں۔"

ڈاکٹر وانیہ کا مسئلہ سمجھ گیا تھا، اس نے موحد کو بلوایا تھا، چند سوالات موحد سے پوچھے تھے اور وانیہ کے لئے ڈپریشن کی میڈیسن اور ڈاکٹر نے وقتاً فوقتاً مشاورت کا مشورہ دیا تھا، موحد ڈاکٹر کا شکریہ ادا کر کے وانیہ کو لے آیا تھا۔

"اب یہ نیا خرچہ، تمہیں اتنی مہنگی دوائیاں کون لے کر دے گا۔" ڈاکٹر نے موحد کو وانیہ کا بہت خیال رکھنے اور محبت سے پیش آنے کو کہا تھا، موحد کو اسے ڈاکٹر کے پاس لانے کا بہت شوق تو تھا مگر باہر آتے ہی اپنی عادت کے مطابق بولنے لگا تھا۔

"میں نے تو نہیں کہا تھا کہ موحد تم مجھے لے کر ڈاکٹر کے پاس آؤ۔" وہ جیسے ڈاکٹر کو اپنا دکھ سنا کر ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

"تم نے تو نہیں کہا تھا مگر پھر میں تمہارا اور کیا کرتا۔" وہ جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔

"اچھا اگر پیسے نہیں ہیں تو مت لے کر دو میڈیسن۔" وانیہ اس کی جھنجھلاہٹ پر بڑبڑائی تھی اور دونوں اسی طرح منہ موڑے گھر واپس آ گئے تھے۔

☆☆☆

مشائم ان سب کی زندگیوں میں تھی تو کسی کو اتنا احساس نہیں تھا کہ گھر کی سب سے آخری اولاد ان کے لئے اس قدر اہم ہو گی، وہ چلی گئی تھی تو ہر ایک جیسے اپنے اپنے دل کو خالی پا رہا تھا، بہنوں کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کا ایک حصہ کہیں گم ہو گیا ہے، ماما پاپا کو الگ اس کی یاد ستاتی تھی اور یاشر اس کو جتنا مس کر رہا تھا وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔

"یاشر آپ کب آفس جوائن کریں گے۔"

وہ منہ پر بازو رکھے اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا جب پنکی نے اس کا بازو ہٹایا تھا اور اس کے سر

بلا نے بیٹھ کر اس کے بال سہلاتے ہوئے بولی تھی۔

''ہوں، چلا جاؤں گا، ابھی دل نہیں کر رہا۔'' اس نے پنکی کا نرم و ملائم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

''ڈپریس ہیں۔''

''ہاں، مشائم کی ڈیتھ نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا ہے، میرا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے مگر مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جا سکتا۔''

''پلیز یہ ڈائیلاگ بہت پرانا ہے، اس فقرے سے کسی کا غم کم نہیں ہو سکتا، مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا، مگر جو مر جاتے ہیں ان کے بغیر رہا بھی تو نہیں جاتا۔'' وہ بے بسی کے ساتھ بولا تھا، یاشر علوی اپنے سرکل میں مضبوط شخص کے نام سے مشہور تھا، اس کا ٹھنڈا میٹھا لہجہ مخالف کے اندر دو دھاری تلوار بن کر اترتا تھا اور اپنی مرضی کے شگاف ڈالنے کی صلاحیت رکھتا تھا، جو کام لوگ تلخ لہجے اور رعب داب سے نہیں لے سکتے تھے وہ ایک مسکراہٹ میٹھے لہجے سے لے لیا کرتا تھا ایسے ہی تو لوگ اس پہ نہیں مرتے تھے، وہ ہمیشہ کام سیدھی انگلیوں سے نکالنے کا عادی تھا اسے اپنے کام کے حصول کے لئے کبھی انگلیاں ٹیڑھی کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی، مگر مشائم کی بے وقت موت نے اس کی ساری پرسنالٹی کو ماند کر دیا تھا، اسے اپنی ہر چال ہر شعبدہ بھول گیا تھا، یاد رہا تھا تو بس بہن، موت، بے بسی اور آنسو۔

''وہ ٹھیک ہے مگر یاشر آپ کب تک ایسے ہی لیٹے رہیں گے، آپ کو اپنا بزنس بھی تو دیکھنا ہے آخر۔''

''میں نے کب منع کیا ہے کہ میں مشائم کی موت پر جوگ لے لوں گا، ہر کام چھوڑ دوں گا، جنگلوں میں نکل جاؤں گا، مجھے پتہ ہے پنکی کہ مجھے سب کچھ پہلے کی طرح ہی کرنا ہے، اس دنیا کا نظام تو چلتا رہتا ہے، مگر سنبھلنے کے لئے تو کچھ وقت چاہیے ہوتا ہے، زخم پر جتنا مرضی مرہم لگاتے جائیں اس کو بھی مندمل ہونے کے لئے ٹائم چاہیے ہوتا ہے، مجھے بھی کچھ وقت چاہیے اپنی مشائم اپنی مشی کا غم کم کرنے میں۔''

''چائے لاؤں۔'' پنکی جتنا یاشر کو جوڑنے کی کوشش کرتی وہ اسی قدر زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار دکھائی دیتا۔

''رہنے دو، ابھی دل نہیں کر رہا۔'' وہ کمبل سینے تک کھینچ کر بولا تھا۔

''کیوں دل نہیں کر رہا، میں بس لینے جا رہی ہوں، آپ تب تک اٹھ کر بیٹھ جائیں۔'' پنکی زبردستی کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی، یاشر اسی طرح سست سے انداز میں لیٹا رہا تھا۔

''نہیں جانو، میرا دل نہیں چاہ رہا کہیں بھی جانے کو۔'' مسز علوی نے آج کل اس نوجوان گلوکار کی دوستی چھوڑی ہوئی تھی جس کی وجاہت نے مسز علوی کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا مگر بس چند مہینوں کے لئے، آج کل وہ ایک سیاست دان کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں، مشائم کی موت سے چند دن پہلے ہی ان کی دوستی ہوئی تھی اور دنوں میں ہی دوستی عروج پر پہنچ گئی تھی، میڈیا والے ہمیشہ کی طرح مسز علوی اور ملک آفتاب کی دوستی کو خوب نمک مرچ لگا کر پیش کر رہے تھے، ابھی بھی ملک آفتاب کا فون آیا تھا، مسز علوی انہیں کہہ رہی تھیں۔

''تم ایک بار میرے پاس آؤ تو میں تمہارے سارے غم غلط کر دوں گا۔'' ملک آفتاب

نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا تھا، مسز علوی میں اب تک وہی شباب وہی لگاوٹ اور وہی مقناطیسیت تھی جو مدمقابل کو اپنی طرف کھینچنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے ایک بار جو بھی ان کی قربت میں آ جاتا تھا جلدی اس حصار سے نکل نہیں سکتا تھا۔

"ماما... صاحب مجھے ہر وقت یاد آتی رہتی ہے۔" وہ نم لہجے میں بولی تھی، دوسری طرف ملک صاحب کے دل پر چھریاں سی چل گئی تھیں۔

"ہمیں بھی اس کا بہت دکھ ہے، ڈارلنگ سنبھالو اپنے آپ کو، میں بس آدھا گھنٹہ دے رہا ہوں، آدھے گھنٹے میں آپ کو میرے پاس ہونا چاہیے۔"

"مگر ملک صاحب!" انہوں نے کمزور سا احتجاج کیا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں، بس میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔"

"اوکے، کمنگ۔" وہ بولی تھیں، ملک صاحب نے فاتحانہ انداز میں مونچھوں کو بل دیئے تھے۔

☆☆☆

اداسی کی
کوئی تو آخری حد ہو
کہ جس کے بعد
ممکن نہ رہے کچھ اور غم سہنا
یا پھر یوں ہو کہ
غم سہنے کی عادت اس طرح کچھ ہو
کہ سہہ کر بھی
نہ جنبش ابروؤں میں اور نہ ماتھے پہ بل
آئے
شکستہ ٹوٹتے اعصاب پر طاری تھکن نہ ہو
لبوں سے بے ارادہ آہ نہ نکلے
نہ دل ڈوبے
کبھی ہلکی نمی رخسار پر
آنکھوں سے نہ اترے
لبوں کو سی لیا جائے
نمی کو پی لیا جائے
چبھن میں اور تھکن میں
خاموشی سے جی لیا جائے
اداسی کی کوئی تو
آخری حد ہو

وانیہ کو میڈیسن نہ ملی تھی، کمپنی نہ ملی تھی، محبت نہ ملی تھی، اس نے ڈپریشن میں اپنی کلائی کی رگ کاٹ لی تھی، وہ شکر تھا کہ موحد اپنا موبائل گھر بھول گیا تھا، وہ لینے واپس آیا تو وہ خون میں لت پت پڑی تھی، اس نے جلدی سے اس کے بہتے خون پر کپڑا لپیٹا تھا اور اسے ہاسپٹل لے آیا تھا۔

بروقت طبی امداد نے وانیہ کو بچا لیا تھا، ورنہ جانے کیا ہو جاتا، وہ نقاہت سے بیڈ پر پڑی تھی اور موحد پریشانی سے سر تھامے اس کے بیڈ کے کنارے لگا ہوا تھا۔

"میں ہر وقت تو تمہارے ساتھ بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا، اس لئے جیسے ہی تم ٹھیک ہوتی ہو تو میں تمہیں گاؤں اماں کے پاس چھوڑ آؤں گا۔"

"مجھے گاؤں نہیں جانا۔" وہ ضد سے بولی تھی۔

"گاؤں نہیں جانا تو پھر اور تمہارا کیا کروں، کیا تمہیں پاگل خانے میں داخل کروا دوں۔"

"ہاں کروا دو، بلکہ ایسا کرو کہیں سے مجھے زہر لا دو تا کہ میرا کام ہی ختم ہو جائے۔"

"اور بعد میں تھوڑا سا زہر خود بھی چاٹ لوں تا کہ تمہارا اور میرا کام ایک ساتھ تمام ہو۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔

"آپ انہیں یہ میڈیسن لا دیں۔" وہ ابھی جانے اور کیا کچھ کہتا کہ نرس نے آکر اسے پرچی تھمائی تھی، وہ نرس کو گھورتا ہوا اس کے ہاتھ سے پرچی لے کر میڈیسن لانے چلا گیا تھا۔

"تم اتنی خوبصورت ہو، پھر تمہارا شوہر تم سے کیوں جھگڑا کر رہا تھا۔" نرس باتونی تھی، وہ موحد کے جانے کے بعد وانیہ سے پوچھنے لگی تھی۔

"کیا جو لڑکیاں خوبصورت ہوتی ہیں ان کے شوہر ان سے جھگڑا نہیں کرتے۔" وانیہ نے اس سے الٹا سوال پوچھ لیا تھا۔

"کرتے ہیں مگر کم کرتے ہیں، جو ہم جیسی بس پوری پوری شکل وصورت کی ہوتی ہیں ان کے شوہر تو ان سے ہر دم بیزار ہی رہتے ہیں۔" وہ اپنے سانولے رنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تمہارا شوہر حسن پرست ہوگا، میرا ایسا نہیں، اسے نہ میرے حسن کی چاہ ہے اور نہ میری۔" وہ دکھ سے بولی تھی۔

"اچھا، عجیب بندہ ہے، ورنہ میرا خیال تھا کہ دنیا کا ہر مرد ہی حسن پرست ہوتا ہے۔" نرس کے لہجے میں اپنا تجربہ بول رہا تھا۔

"میری تو لو میرج تھی، میں امیر باپ کی بیٹی اور میری صورت بھی تمہارے سامنے ہے مگر میرا شوہر پھر بھی مجھ سے خوش نہیں ہے۔" اب تو دل اتنا ہلکا ہوگیا تھا کہ کوئی بھی ملتا وانیہ دل کھولنے میں دیر نہیں لگاتی تھی۔

"بس تمہاری قسمت۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولی تھی۔

"ہاں ایک قسمت ہی تو بچتی ہے جسے ہم بڑی آسانی سے پکڑ لیتے ہیں، جب ہمارے بس میں کچھ نہیں بچتا تو پھر ہم قسمت بیچاری کو پکڑ لیتے ہیں۔"

"پھر اور کیا کریں، ہم عورتیں مجبور ہیں اس معاشرے میں اور یہی بات مردوں سے پوچھ لو تو ان سے بڑا مظلوم اور کوئی نہیں۔" وانیہ ابھی اور کچھ کہتی کہ موحد دوائیاں لے کر اندر داخل ہوا تھا۔

"لاؤ ادھر بازو کرو میں تمہارے یہ ڈرپ لگا دوں۔" موحد کے اندر آنے پر نرس چپ کر گئی تھی اور وانیہ سے بولی تھی۔

☆☆☆

"حر عباس آیا ہے، تم سے مشائم کی تعزیت کرنا چاہتا ہے۔" منصور نے مریم سے اندر کمرے میں آکر کہا تھا۔

"کون؟" اسے سننے میں کچھ غلطی محسوس ہوئی تھی۔

"حر عباس۔" منصور نے نام دہرایا تھا۔

"تو آپ کر لیتے تعزیت۔"

"وہ تم سے کرنا چاہتا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں آتی ہوں۔" مریم بال بنا رہی تھی، چٹیاں کر کے پیچھے ڈالی تھی اور منصور کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آئی تھی۔

نیلی مدھ بھری آنکھیں اس کے قدموں سے چپکی ہوئی تھیں مگر مریم کو لگ رہا تھا کہ یہ نشہ اس کے قدموں سے ہوتا ہوا سیدھا دل تک جارہا ہے، وہ حر عباس کے سامنے بیٹھی تھی اور بہت مشکل سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"بہت افسوس ہوا آپ کی بہن کی ڈیتھ کا، میں جنازے میں بھی شریک ہوا تھا، لیکن آپ سب لوگوں کو اس وقت کیا خبر تھی کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے۔"

"جی۔" وہ اس کی بات کے جواب میں مختصراً بولی تھی۔

"یہ تعزیت وغیرہ تو بس رسم دنیا ہے ورنہ

باتوں یا لفظوں سے کب کسی کا غم کم ہوا ہے۔"

"صحیح کہا حرتم نے، وہ جب بھی آتی میری اور اس کی خوب بیٹھک جمتی تھی، اچھی ذہین بچی تھی، بس عمر بہت تھوڑی لکھوا کر لائی تھی۔" منصور نے کہا تھا، مشائم کے ذکر پر مریم کی آنکھوں میں نمی عود آئی تھی، وہ ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے آنکھوں کی نمی صاف کرنے لگی تھی مبادا کہ یہ آنسو بن کر چہرے پر نہ چھلک پڑے۔

"اوہ سوری، میں نے ایک بار پھر آپ کو دکھی کر دیا، اصل میں یہ جو ہم لوگ ہوتے ہیں نا یہ کسی اپنے کا دکھ کم نہیں ہونے دیتے، ویری سوری۔" حر نے کہا تھا۔

"مریم، بی بریو۔" منصور نے پاس بیٹھی ہوئی مریم کے گرد اپنا بازو پھیلا کر اسے خود سے لگا کر تسلی دی تھی، حر عباس کے دل پر چھریاں چل گئی تھیں۔

ملازمہ چائے لے آئی تھی، مریم نے ٹرالی اپنے سامنے کی تھی اور چائے بنانے لگی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" چائے ان دونوں کے سامنے رکھ کر وہ باہر آ گئی تھی، نیلی بدھ بھری آنکھوں کے سامنے وہ اور کتنا ٹھہرتی یہ اس کے بس سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔

"میں امی کے گھر جا رہی ہوں، صاحب کو بتا دینا۔" باہر آ کر اسے یاد آیا تھا کہ آج ریشم واپس امریکہ جا رہی تھی اور اس وقت اس سے ملنا بہت ضروری تھا، اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور ملازمہ کو بتا کر آ گئی تھی۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو گاڑی وہ اندر لے آئی تھی، جیسے ہی اپنے گھر کے لان پر اس کی نظر پڑی تو اسے مشائم بری طرح یاد آئی تھی، وہ جب بھی آتی تھی مشائم اکثر ہی اسے باہر لان میں ملتی تھی، اسے بیل بوٹے اور پھول بہت پسند تھے، وہ کمرے میں بند رہنے کی بجائے اپنا فارغ وقت باہر لان میں گزارنا پسند کرتی تھی ہاں جب جب موڈ اچھا ہوتا اور اگر کبھی اس کا موڈ کسی بات پر بگڑا ہوتا تو پھر اس کے قریب جانا اپنی شامت آپ بلوانا تھا۔

وہ مشائم کو یاد کرتے ہوئے اندر آ گئی تھی، سنسان لاؤنج بھائیں بھائیں کر رہا تھا، گویا آہستہ آہستہ سب کچھ اپنی روٹین پر آتا جا رہا تھا، اس نے ریشم کو دیکھا تو وہ اپنی پیکنگ میں مصروف تھی، مریم کو دیکھ کر اس کے گلے ملی تھی۔

"لائیے میں کچھ ہیلپ کروا دوں۔"

"نہیں، اب تو سب ہو گیا۔" وہ سوٹ کیس کی زپ بند کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"منصور نہیں آیا۔" ریشم آپی نے پوچھا تھا، اور یہ پہلی فرد تھیں اس گھر کی جنہوں نے منصور کے بارے میں پوچھا تھا، ورنہ اب تک منصور بھی کسی کی گڈ بک میں نہیں آ سکا تھا۔

"آنا تو ان کو بھی تھا مگر ان کے دوست آ گئے تھے، وہ ان کے ساتھ بزی ہو گئے تو میں اکیلی ہی آ گئی، ممی کہاں ہیں۔" مریم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ملک آفتاب کے ساتھ ان کے ہاسپٹل کے افتتاحی تقریب میں گئی ہیں۔"

"یہ ممی کو جانے کیا مزہ آتا ہے مشہور ہونے میں اور ہر وقت خبروں میں ان رہنے میں، مجھے تو حیرت پاپا پہ ہوتی ہے وہ بھی ان کو منع نہیں کرتے۔"

"جانو یہ باتیں تم ہم بچپن سے ڈسکس کرتے آ رہے ہیں، آج تک کوئی حل نکلا ایسی باتوں کا، جواب نکلے گا، اس لئے تم اس ٹاپک کو چھوڑو، وہ میری فلائٹ کے ٹائم تک آ جائیں گی واپس۔"

"شکر ہے آپ کو بھی آف تو کرنے آئیں گی، ابھی سے مل کر نہیں چلی گئی کہیں۔"
"ہوں یہ بھی ان کی مہربانی ہے۔"
"یاشر۔" اس نے پوچھا تھا۔
"یاشر آفس گیا ہے اور پنکی اپنے کمرے میں ہے۔"
"موموآؤ ذرا مارٹ تک چلتے ہیں مجھے کچھ لینا ہے۔" ریشم نے اسکارف گلے میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔
"کیا لینا ہے؟" موموبھی اٹھتے ہوئے بولی تھی۔
"کچھ خاص نہیں، بس ایسے ہی چھوٹی موٹی چیزیں۔"
"حیرت ہے لوگ امریکہ سے شاپنگ کرکے پاکستان لاتے ہیں اور آپ پاکستان سے شاپنگ کرکے امریکہ لے جارہی ہیں۔"
"دیکھ لو پھر۔" وہ دونوں ہنستے ہوئے آگے پیچھے باہر آگئی تھیں۔

☆☆☆

"یہ ہم کہاں جارہے ہیں۔" وانیہ کو چھٹی مل گئی تھی، وہ گھر آئی تھی موحد سامان پیک کرنے لگا تھا۔
"گاؤں۔"
"کیوں؟"
"میں جارہا ہوں تمہیں چھوڑنے اور تم جارہی ہو وہاں رہنے، اماں کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔"
"مگر کیوں مجھے بس یہیں رہنا ہے تمہارے پاس، اسلام آباد۔" گاؤں کی زندگی اور گاؤں کا ماحول اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں رہنے کا سن کر ہی ڈرگئی تھی۔
"یہاں تم کیا کرتی ہو، کل کلائی کاٹی آج گلا کاٹ لوگی اور کچھ نہیں تو کیا پتہ میرا ہی گلا کاٹ دو، نا بابا مجھے اب تم سے ڈر لگنے لگا ہے، وہاں اماں ہیں نا تمہارا خیال رکھنے کو۔"
"اماں یہاں آجاتی۔"
"نہیں، اماں بھی اب یہاں آنے کو تیار نہیں، وہ تمہاری خاطر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا گھر اپنا گاؤں نہیں چھوڑ سکتیں۔"
"موحد ڈاکٹر نے تو تمہیں کہا تھا کہ مجھے تمہاری محبت اور توجہ کی ضرورت ہے اور تم مجھے خود سے اتنا دور بھیج رہے ہو۔" آج اس کی ذہنی حالت کچھ ٹھیک تھی اس لئے کافی اچھی اچھی باتیں کررہی تھی۔
"ایسی کی تیسی ڈاکٹروں کی، بس میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تمہیں اب گاؤں میں ہی رہنا ہے۔" موحد نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا، وانیہ اس ضدی اور ہٹ دھرم شخص کو دیکھ کر رہ گئی تھی اور تو وانیہ سے بھی ضد میں ایک نمبر آگے نکلا تھا۔
وہی کھیت تھے اور وہی کھلیان اور وہی دھول مٹی سے اٹی ہوئی کچی پکی گلیاں، اس بار اماں نے اس کا استقبال بھی سرد سے انداز میں کیا تھا، ان کے انداز میں بھی پہلے جیسی چاہت مفقود تھی، شاید اس لئے کہ اس بار ان کا بیٹا اپنی جان چھڑانے کو اسے یہاں پھینک کر جارہا تھا۔
"ہائے ماں صدقے، میرے پتر کا کیا حال ہوگیا۔" حال وانیہ کا برا تھا کمزوری اور نقاہت نے اسے پیلا زرد کر رکھا تھا اور یہ ذہنی ٹینشن اس کے ابتر حلیے سے بھی ظاہر تھی مگر اماں کو بہو کی بجائے بیٹا کمزور اور پریشان نظر آیا تھا۔
"بس اماں جب ہر وقت پریشانی میں رہنا ہے تو وہاں صحت کیا خاک بنے گی۔" وہ صحن کے کونے میں بنے نل کے نیچے دھول زدہ ہاتھ پاؤں دھوتے ہوئے بولا تھا، وانیہ صحن میں

درمیان میں بچھی چارپائی پر اپنا بیگ رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔
''چل اب ادھر آ، صبح سے تمہارے لئے کھانا پکانے میں لگی ہوئی ہوں، اپنے پتر کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں۔'' اماں نے تولیہ اس کی طرف بڑھایا تھا اور ساتھ ہی بڑے لاڈ سے کہا تھا وہ تولیے سے ہاتھ منہ پونچھتے ہوئے اماں کے پاس پڑی چوکی پر چولھے کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
''واہ اماں اس چوکی پر بیٹھ کر گرم گرم کھانے کا بھی اپنا ہی سواد ہے۔''
''ہاں یہ تو ہے۔'' اماں نے پھونک مار کر آگ جلائی تھی اور کھانا گرم کرنے لگی تھی۔
''اب تو بھی آ جا۔'' پہلے جو کبھی مالکن تھی، پھر چاند سا ٹکڑا بہو کہلائی تھی اور وہ اس کے رعب داب میں اس طرح تھے کہ اس سے مخاطب ہوتے بھی ہچکچاتے تھے اور اب اسی کو یوں مخاطب کیا جا رہا تھا جیسے اس کی کوئی وقعت نہ ہو، وہ اس آواز پرسی ان سی کر کے بیٹھی رہی تھی، اماں نے ابرو کے اشارے سے موحد کو کہا تھا کہ وہ اسے آواز دے، موحد نے اس کی طرف دیکھ کر ناک منہ چڑھایا تھا، اماں کو اور ہنسی آئی تھی، وہ دن بھی بیت گیا تھا اور رات بھی، اگلا دن اسی طرح چڑھا تھا جس طرح گاؤں میں ہر روز کی طرح چڑھتا تھا، اماں کے لئے آج کل سے بھی زیادہ مصروفیت تھی کہ کل اس کے پتر نے آنا تھا اور وہ اس کے آنے کی خوشی میں پکائے جا رہی تھی اور آج اس لئے زیادہ مصروف تھی کہ آج اس کے پتر نے اسلام آباد واپس جانا تھا اور وہ اس کے ساتھ کھانا پکا کر دینا چاہتی تھی کہ جا کر اس کے پتر کو پریشانی نہ ہو اور ایک وانیہ تھی جو گم صم بیٹھی تھی، جس طرح وہ کل پریشان آئی تھی اسی طرح آج بھی پریشانی میں بیٹھی تھی، اماں اور موحد کو اب اس کی پریشانی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا، جس طرح گھر کے ایک فالتو پرزے کو باہر نکال دیا جاتا ہے اسی طرح موحد نے بھی اس کو نکال باہر کیا تھا اور جس طرح فالتو سامان کو گھر کے ایک کونے میں جگہ دی جاتی ہے اسی طرح اماں نے اس کو بھی گھر کے ایک کونے میں جگہ دے دی تھی۔
''اپنا خیال رکھنا پتر۔'' شہر جانے والی بس آ گئی تھی اور اماں نے سامان تیار کر دیا تھا اب موحد سے الوداعی کلمات کہے جا رہے تھے۔
''چلتا ہوں، جلدی آؤں گا، خیال رکھنا۔''
موحد باہر نکلتے وقت اس کے پاس ذرا دیر کو رکا تھا اور جانے کس دل سے کہا تھا، وانیہ کے آنسو گالوں پر قطار در قطار بہنے لگے تھے، ماں باپ کو ٹھکرا کر کی جانے والی اور حاصل کی جانے والی محبت ایسی ہی ہوتی ہے، وہ چلا گیا تھا۔
اماں اس کو بس تک چھوڑنے گئی تھی، وہ اٹھ کر دہلیز تک آئی تھی اور بس دھول اڑاتی چلی گئی تھی، اس گھر کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ بس کی چھت اندر صحن میں کھڑے بھی دکھائی دیتی تھی، وہ چلا گیا تھا، اسے چھوڑ کر، اسے خود سے جدا کر کے، اسے تنہائی دان کر کے، اس کے دل کی دھڑکن بند ہونے کی بجائے تیز تیز چلنے لگی تھی اور وہ وہیں چوکھٹ پر گر گئی تھی۔
''ہائے میں مر گئی۔'' اماں نے اندر آ کر اسے یوں پڑے دیکھ کر دہائی دی تھی۔
(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆



پندرہ سال بعد:۔

وہ بے چینی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، رات کے اڑھائی بجے کا ٹائم تھا، سارا عالم خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا، مگر چین سکون اور آرام جیسے الفاظ تو برسوں سے اس کے لئے اجنبی بن چکے تھے، گزرتا وقت اس کی اذیتوں میں ایک تواتر سے اضافہ کر رہا تھا، وہ بار بار بیڈروم کی کھڑکی سے باہر دیکھتی بالآخر وہ تھک کر اور مایوس ہو کر جا بیٹھی اور جب بھی وہ مایوس ہونے لگتی وہ آ جاتا، آج بھی ایسا ہی ہوا، اسی لمحے دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

''آپ نے...... آج پھر...... ڈرنک کیا ہے؟'' وہ دکھ سے نڈھال ہوتی اس کے قریب آئی اور اسے سہارا دینا چاہا، مگر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے آگے آنے سے روکا اور لڑکھڑاتا ہوا بیڈ کی جانب بڑھا، وہ خاموش تماشائی بنی اسے

ستروین قسط



ناولٹ

دیکھتی رہی، چند لمحوں میں وہ بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا۔

''آخر کب تک؟'' وہ اس کے پیروں میں سے جوتے اتار رہی تھی، اس کی آنکھوں سے خاموش اور بے بس آنسو نکلنے لگے تھے، اس کی راتیں ایسے ہی گزرتی تھیں، نشے میں ڈوبے شوہر کو سنبھالتے اور ٹوٹے ہوئے دل کو بہلاتے ہوئے، وہ اذیتوں کی ایسی سولی پر لٹک رہی تھی

جس سے نجات نظر نہ آتی تھی، اس کے چار سو گہری کھائیاں تھیں، اندیشوں، وسوسوں، بے یقینیوں اور بے اعتباریوں کی۔

وہ رات بھی اس نے اذیتوں کے سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے گزاری تھی، وہ اللہ سے اپنے شوہر کے لئے بہت دعائیں کرتی تھی، مگر اس کی کوئی دعا قبول نہ ہوتی تھی۔

رات اختتام پذیر ہوئی تھی اور دن کا اجالا

پھیلنے لگا تھا، مگر دن کی روشنی اس کے نصیبوں پر پھیلنے والی سیاہی کو کم نہ کر سکتی تھی، وہ بے دلی سے ناشتہ بنا رہی تھی جب فارقلیط حسن کچن میں آیا تھا۔

''گڈ مارننگ۔'' اس کی فریش آواز عروبہ غضنفر کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ تیزی سے مڑی، وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' عروبہ غضنفر نے سلام کیا، وہ اس کی شکوہ کناں نظروں کو دیکھ کر مسکرایا اور چیئر پر جا بیٹھا۔

''برسوں گزر گئے ساتھ رہتے، مگر تم بدلی نہ میں۔'' گڈ مارننگ کے جواب میں اس کا سلام کرنا فارقلیط حسن کو پہلے بہت پسند تھا، مگر اب عجیب لگتا تھا۔

''آپ بدلے ہیں، میں نہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور دوبارہ ناشتہ بنانے لگی۔

''تم پیکنگ کر لو، بچوں سے بھی کہو، اپنا سارا ضروری سامان پیک کر لیں، ہم اگلے ہفتے پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔'' عروبہ غضنفر کی سماعتوں پر گویا بم بلاسٹ کیا گیا تھا، وہ بے یقینی کے عالم میں مڑی تھی۔

''اتنا بڑا فیصلہ، یوں اچانک؟'' وہ چاہ کر بھی یہ نہ کہہ سکی کہ اسے بتائے بنا، اس سے پوچھے بغیر کیسے یہ فیصلہ کر لیا اس نے۔

''بابا بہت اکیلے ہیں، بیمار رہنے لگے ہیں، انہیں ضرورت ہے ہماری۔'' عروبہ غضنفر حیران سی تھی، فارقلیط حسن کے منہ سے ایسی باتیں برسوں بعد سن کر اسے اچنبھا ہوا تھا۔

''وہ تو پچھلے پندرہ سالوں سے اکیلے ہی ہیں، انہیں تو تب بھی ہماری ضرورت تھی۔'' وہ کہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی، بہت وقت لگا تھا اسے سنبھلنے میں، یہاں سیٹل ہونے میں اور اب اسے دونوں بچوں کی پڑھائی کی بھی فکر تھی۔

''ہر بات میں بحث کرنا کیا ضروری ہوتا ہے؟'' عروبہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا تھا، اسی وقت ماہ وش اندر داخل ہوئی تھی۔

''ہیلو مام، ڈیڈ۔'' جینز کے اوپر لانگ کوٹ پہنے بالوں کی اونچی پونی بنائے اس کا فریش دمکتا چہرہ فارقلیط حسن کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

''ہیلو مائے چائلڈ۔'' وہ سیدھی فارقلیط حسن کی طرف آئی، اس کی پشت کی جانب کھڑی ہو کر بازو اس کے گلے میں ڈالے اور ذرا سا آگے کو جھک کر اس کی چائے اٹھا لی۔

''تیاری کر لو، ہم پاکستان جا رہے ہیں۔'' اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے وہ بولا تھا، ماہ وش تیزی سے سیدھی ہوئی اور اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''کون پاکستان جا رہا ہے؟'' شہیر بولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

''ہم۔'' ماہ وش نے اطلاع دی، عروبہ غضنفر ہنوز خاموش تھی۔

''سچ پاپا؟'' ماہ وش پر اشتیاق لہجے میں بولی تھی۔

''بالکل سچ۔'' وہ مسکرا دیا، ماہ وش اور شہیر کا جوش اور خوشی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی، اس نے پھر فارقلیط حسن سے کوئی بات نہ کی، سب کچھ ٹھیک اور بہت اچھا چل رہا تھا، وہ زندگی سے مطمئن تھی، اس کے پاس سب کچھ تھا، گھر چاہنے والا شوہر، بچے سکون، مگر کچھ عرصے سے فارقلیط حسن کو نا جانے کیا ہو گیا تھا، وہ گھر دیر سے آنے لگا تھا، بات بات پر دونوں کی بحث اور جھگڑا ہونے لگا اور پھر فارقلیط حسن نے ڈرنک شروع کر دیا، اس کے لئے ایک مرتبہ پھر پریشانیوں، بے چینیوں اور بے سکونیوں کے دروازے کھلنے

لگے تھے اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا، جیسے فارقلیط حسن پاکستان بھی ڈیڈی کے لئے نہیں جا رہا تھا، وہ صرف اسے اذیت دینا چاہتا تھا اور دونوں بچے تو دادا کے پاس جانے کا سن کر بے حد خوش تھے۔

☆☆☆

نویلہ ابھی آ کر اپنے روم میں بیٹھی ہی تھی کہ سسٹر مائدہ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

''ڈاکٹر نویلہ ایمرجنسی آئی ہے، پلیز آپ چل کر دیکھ لیں۔'' وہ پچھلے سترہ گھنٹوں سے آن ڈیوٹی تھی، اب اس کے سر میں درد ہو رہا تھا اور وہ چائے بنانے کا سوچ رہی تھی، کہ ایک مرتبہ پھر اسے اٹھنا پڑا، اس نے کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے گویا ہمت مجتمع کی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی، سسٹر مائدہ اس کے ساتھ ہی تھی۔

''مریضہ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' وہ معائنہ کر کے تیزی سے مڑی، کچھ دیر ٹریٹمنٹ دینے سے جب وہ نہ سنبھلیں تو وہ مائدہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ڈاکٹر زارا کو بلائیں۔'' وہ متفکر دکھائی دیتی تھی، ڈاکٹر زارا آئیں تو نویلہ کی سانسیں بحال ہوئیں، جلد ہی مریضہ کی حالت پر قابو پا لیا گیا تھا۔

''ڈاکٹر نویلہ میرے ساتھ آئیں۔'' ڈاکٹر زارا اسے ساتھ لے کر اپنے روم کی جانب بڑھیں۔

''میرا خیال ہے اب آپ گھر جا کر آرام کریں، بہت تھکی ہوئی لگتی ہیں۔'' اس کی بات پر وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''میں ٹھیک ہوں میم!'' اس نے گھر جانے سے انکار کیا۔

''میں جانتی ہوں آپ ایک محنتی اور انسانیت سے محبت کرنے والی ڈاکٹر ہیں، مگر یاد رکھیں آپ پیشنٹ کو تب ہی اچھے سے Kook after کر سکتی ہیں جب آپ خود فٹ ہوں۔'' وہ ڈاکٹر زارا کی بات سمجھ گئی تھی، اسی لئے خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی لیکن گھر جانے سے پہلے وہ اس مریضہ کو دیکھنے آئی تھی اور انہیں ہوش میں دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی، وہ طبعاً حساس واقع ہوئی تھی، اگر کسی مریض کی حالت زیادہ خراب ہوتی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے، جانے سے پہلے وہ روم نمبر سات میں موجود تیرہ سالہ بچے مہروز کو دیکھنے گئی تھی، وہ بچہ دل کا مریض تھا، نویلہ اس سے بہت پیار کرتی تھی، اس کے لئے روزانہ پھول لے کر آتی تھی، وہ بھی اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔

''میں گھر جا رہی ہوں مہروز تمہیں کچھ چاہیے تو نہیں؟'' وہ استفسار کرنے لگی۔

''نہیں ڈاکٹر صاحبہ!'' اس نے اپنی براؤن خوبصورت مگر اداس آنکھوں کو گھماتے ہوئے کہا۔

''آپ جلدی واپس آ جایئے گا۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔

''ہاں، میں جلد آؤں گی۔'' وہ گھر آ گئی جہاں برسوں سے سناٹوں، وحشتوں اور ویرانیوں کا راج تھا، علیشہ کی چھ سال پہلے تیمور عباس سے شادی ہو گئی تھی اور وہ اس کے ساتھ اسلام آباد میں مقیم تھی، غضنفر علی اپنا زیادہ وقت بزنس کو دیتے یا ٹینس کھیلنے کلب چلے جاتے اور صوفیہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے سارا دن دیواروں سے باتیں کرتیں، کبھی نوکروں سے الجھتیں اور کبھی نویلہ پر برسنے لگتیں، وہ ان کے کمرے میں آئی اور انہیں سلام کیا۔

''مل گیا وقت ماں کے پاس آنے کا؟'' وہ شکوہ کرنے لگیں۔

"ماما! بہت بزی تھی، دو آپریشنز تھے، پھر ایمرجنسی میں بھی پیشنٹس کو دیکھنا تھا۔" اس نے ان کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا تو ان کا غصہ تھمنے لگا۔

"چائے بنواؤں تمہارے لئے یا کھانا کھاؤ گی؟" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"چائے پی کر بس سونا ہے اب۔" وہ سونا چاہتی تھی مگر ان کی ناراضی کا خیال کرتے ہوئے چائے کے لئے حامی بھرلی۔

"مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" وہ چائے پی رہی تھی جب انہوں نے محتاط نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، نویلہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا، ان کا تمہیدی انداز اسے باور کروا گیا کہ وہ کیا بات کرنا چاہتی ہیں۔

"ماما پلیز۔" وہ احتجاجاً بولی۔

"میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔" اس نے انہیں بات کرنے سے روکنا چاہا۔

"برسوں گزر گئے نویلہ، اب تو مان جاؤ میری بات، بہت سی لڑکیوں کی شادی ٹوٹ جاتی ہے، پھر وہ دوبارہ گھر بسا لیتی ہیں، بہت خوشگوار زندگی گزارتی ہیں، ایک موقع تو دو زندگی کو۔" وہ منت کرنے لگی تھیں اور ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ انہیں مایوس کر کے اٹھ گئی تھی۔

"گھر اجڑ کر دوبارہ بس جاتے ہوں گے، مگر دل جب ایک بار ٹوٹتا ہے نہ، تو دوبارہ نہیں جڑتا۔" وہ ان سے نہ کہہ سکی اور اپنے روم میں آ کر چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی، شدید تھکن کے باوجود نیند آنکھوں سے روٹھ گئی تھی، وہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگی۔

☆☆☆

علیشہ کھڑکی میں کھڑی بہت غور سے دور دور نظر آتے پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی، سوچ کا پنچھی کہیں دور انجانے دیسوں کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔

"ہیلو۔" وہ اچانک اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"تیمور۔" اس نے ڈر کر سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ ہنس دیا۔

"تم ڈر گئی؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"مجھے آپ کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔" وہ پلٹتے ہوئے بولی تھی۔

برسوں پہلے جب وہ تیمور عباس کو ملی تھی اور وہ اسے سی آف کرنے آیا تھا تو اس لمحے نے اس کی زندگی بدل ڈالی تھی، اس کے جانے کے بعد اس نے ایک مسلمان عالم دین کے پاس جا کر اسلام قبول کر لیا تھا اور باقاعدہ اسلامی تعلیم حاصل کرنے لگا تھا، مگر علیشہ اس کے دل و دماغ سے نہ نکلی تھی، وہ اسے بہت یاد کرتا تھا، وہ کئی بار اس بات پر پچھتایا تھا کہ اس نے جاتے ہوئے اس کا ایڈریس کیوں نہ مانگا، مگر اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

اور پھر چار سال بعد وہ پاکستان آیا تھا، ڈاکٹرز کے ایک وفد کے ساتھ کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے اس کانفرنس میں کچھ ینگ ڈاکٹرز شامل تھے اور کچھ کا ہاؤس جاب چل رہا تھا، انہی میں ڈاکٹرز نویلہ بھی تھی، کانفرنس کے اختتام پر علیشہ اسے پک کرنے آئی تھی، دونوں کو مارکیٹ جانا تھا، واش روم سے نکلتے تیمور عباس کی اس پر نظر پڑی تھی اور وہ لمحہ بھر کو ساکت ہو گیا، مگر اگلے ہی لمحے اس نے ان دونوں کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔

"کن خیالوں میں گم ہو گئی؟" تیمور عباس نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ حال میں لوٹ آئی۔

"کچھ نہیں۔" وہ اداسی سے گویا ہوئی۔
"رپورٹس ملیں؟" اس نے آس بھرے
لہجے میں پوچھا تو وہ نگاہیں چرانے لگا۔
"چھوڑو نا یار، آؤ ڈنر کرتے ہیں اور پھر
ڈنر ساری گپ شپ۔" تیمور عباس نے اسے
بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا اور باہر کی
جانب بڑھا۔
"مجھے بھوک نہیں ہے تیمور۔" وہ سمجھ گئی اس
بار بھی اس کی دعا قبول نہیں ہوئی، اس دفعہ بھی
اسے دھتکار دیا گیا ہے۔
"رزق سے منہ موڑ کر اللہ کو ناراض نہیں
کرتے علیشہ۔" اس نے ایک نہ سنی اور اسے
زبردستی ڈائننگ ٹیبل تک لے آیا۔
"ناراض تو وہ مجھ سے بہت پہلے سے ہے،
ہم سب سے، ماما، پاپا، نویلہ اور مجھ سے، ہم
میں سے کوئی بھی تو سکون میں نہیں ہے۔" ڈاکٹر
تیمور عباس نے اس کی پلیٹ میں چاول نکالے
۔
"اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے،
اتنی جلدی نا تو ناراض ہوتا ہے، نہ ہی سزا دیتا
ہے۔" تیمور عباس نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔
"مگر جو انسان اس کے بندوں کو تکلیف
پہنچاتا ہے، وہ ان سے ناراض بھی ہوتا ہے اور
سزا بھی دیتا ہے۔" علیشہ غضنفر کا دل اسی
بات پر اٹکا ہوا تھا۔
"اگر ایسا کچھ تم سے ہوا ہے تو معافی مانگ
اللہ سے۔" تیمور عباس نے اپنی طرف سے
حل پیش کیا تھا، علیشہ خاموش ہو گئی، وہ اسے کیا
بتاتی کہ انسانوں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں پر اللہ
معاف نہیں کرتا۔

☆☆☆

پاکستان شفٹ ہونے کے بعد بچے بہت
خوش تھے، جبکہ حسن بہزاد کی خوشی تو دیدنی تھی،
دوسری طرف فارقلیط حسن بھی مطمئن نظر آتا تھا،
مگر عروبہ غضنفر کو ایک مستقل چپ لگی ہوئی تھی،
غضنفر علی اور نویلہ اس سے ملنے آئے تھے، اتنے
سالوں کے بعد ان سے ملاقات ہو رہی تھی، مگر
اس کے انداز میں کوئی گرمجوشی نہ تھی، مگر وہ خود کو
کمپوز کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔
"بچے کدھر ہیں؟" غضنفر علی نے سوال کیا
تھا اور اسی لمحے فارقلیط حسن اندر آیا تھا، ان سے
ملنے کے بعد وہ جلد ہی اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔
"عروبہ آپی! بچوں کے لے کر آیئے گا
ہماری طرف۔" نویلہ نے جانے سے پہلے اسے
گلے لگا کر کہا، عروبہ غضنفر نے صرف مسکرانے پر
اکتفا کیا۔
ان کے جانے کے بعد جب وہ روم میں
آئی تو فارقلیط حسن تیار ہو رہا تھا، عروبہ غضنفر
خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی، جبکہ وہ اسے نظر
انداز کر رہا تھا۔
"واپسی میں دیر ہو جائے گی، انتظار مت
کرنا۔" وہ خود پر پرفیوم اسپرے کرتا ہوا موبائل
اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر کی جانب بڑھا۔
"کہاں جا رہے ہیں؟" عروبہ غضنفر نے
اس کا راستہ روکا تھا۔
"سوال، جواب کرنا چھوڑ دو یار۔" اس
نے ہولے سے عروبہ کا گال تھپتھپایا اور باہر کی
جانب بڑھ گیا اور اب تو ایسا ہی ہو رہا تھا، وہ اس
کی کسی بات کو خاطر میں نہ لاتا تھا، اس کو اذیت
اور تکلیف میں مبتلا کر کے ذرا بھی پشیمان نہ ہوتا
تھا۔
"حق رکھتی ہوں میں آپ پر۔" فارقلیط
حسن اس کی بات سن کر رہا، مڑ کر اس کی جانب
دیکھا۔

''بہت عرصہ ہوا، میں نے تم پر حق جتانا چھوڑ دیا، بہتر ہے تم بھی اس اذیت سے خود کو اور مجھے آزاد کر دو۔'' وہ چلا گیا تھا، اس کی اذیت بڑھا کر، اسے تنہائیوں اور وحشتوں سے حوالے کر کے۔

بدگمانی کو بڑھا کر تم نے یہ کیا کر دیا
خود بھی تنہا ہو گئے مجھ کو بھی تنہا کر دیا

اسے حسن بہزاد نے بلوایا تھا، وہ اسٹڈی میں تھے، عروبہ ان کے پاس آ گئی، وہ آنکھوں پر چشمہ لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

''آؤ بیٹا!'' اسے دیکھ کر وہ خوشدلی سے مسکرائے تھے اور اپنے سامنے پڑی کرسی کی جانب اشارہ کیا، عروبہ بیٹھ گئی تھی۔

''کیا کر رہی تھی؟'' انہوں نے کتاب بند کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں ڈیڈی۔'' اس نے بدقت تمام مسکراتے ہوئے جواب دیا، ملازمہ چائے کے دو کپ دے کر چلی گئی تھی حسن بہزاد نے ایک کپ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا اور دوسرا اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''میری بیٹی سے زیادہ اچھی چائے کوئی نہیں بنا سکتا۔'' وہ محبت سے گویا ہوئے، عروبہ غضنفر نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''مگر اس وقت مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی، اس لئے یہاں بلوایا۔'' انہوں نے تمہید باندھی، انہوں نے کہا تو عروبہ غضنفر نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

''فارقلیط حسن کے اس رویے کی کیا وجہ ہے؟'' انہوں نے وہی سوال کیا تھا، جس سے وہ بچنا چاہتی تھی اور اس کے پاس کیا تھا، جس سے وہ بچنا چاہتی تھی اور اس کے پاس اس کا جواب بھی نہ تھا، وہ کیسے اپنے منہ سے اپنی محبت کی ناکامی کی داستان انہیں سناتی، اپنی ہار اور دل کی بربادی کے اوقعات ان کے گوش گزار کرتی۔

''میں جانتا ہوں تم یہ بات اپنے باپ کو ہرگز نہیں بتاؤ گی، مگر میں کہوں گا کہ مجھے ضرور بتاؤ۔'' عروبہ غضنفر خاموشی سے لب کچلنے لگی تھی۔

''اس نے بہت چاہت سے اپنایا تھا مجھے
اس نے زندگی میں صرف ایک بار مجھ سے لڑائی کی اور وہ بھی تمہارے لئے۔'' وہ بول رہے تھے اسے بولنے کے لئے اکسا رہے تھے، مگر وہ لبوں کو سیئے، چپ کی بکل مارے بیٹھی تھی، حسن بہزاد جانچتی نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔

☆☆☆

زین ندیم آفس سے آیا تھا اور سیدھا ماما کے پاس ان کے کمرے میں جا پہنچا تھا وہ آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں، وہ سلام کرتا ہوا ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟'' وہ استفسار کرنے لگا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ کمزور آواز میں بولیں۔

''اپنا خیال رکھا کریں ماں، میرے پاس آپ کے علاوہ اور ہے ہی کون، پلیز میری خاطر اپنا خیال رکھا کریں۔'' اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

''شادی کر لو زین۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولیں، زین ندیم نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، اس کے تاثرات ایک دم بہت سخت ہو گئے، انداز میں سرد مہری واضح تھی، ایسا برسوں سے ہو رہا تھا، انیتا بیگ کا لگایا گیا زخم تو وقت نے بھر دیا تھا، وہ دوبارہ عورت پر اعتبار نہ کر سکا تھا۔

''ایسی بات نہ کیا کریں ماں، جو پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' وہ ان سے لگا ہوا

چرانے لگا تھا، اس مقام پر آ کر وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

"تم کر سکتے ہو پورا، ہر لڑکی انیتا بیگ نہیں ہوتی۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"میں کھانا یہیں پر منگوا لیتا ہوں ماں۔" وہ اٹھنے لگا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"زین میرے مرنے سے پہلے میری یہ خواہش پوری کر دو۔" وہ ملتجی ہوئیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں۔" وہ خفگی سے گویا ہوا، وہ اس کا سب کچھ تھیں، اس کے پاس ان کے سوا اور تو کوئی رشتہ نہ تھا۔

"میں نے تمہاری زندگی کا فیصلہ درست نہیں کیا تھا، اس بات کی بہت سزا دے چکے ہو، مجھے بھی اور خود کو بھی، مگر اب بس کر دو، یہ اتنا بڑا گھر، نوکر چاکر یہ شان و شوکت کس کام، جب دلی سکون و راحت ہی نصیب نہیں۔" وہ آج اسے منا کر دم لینے کا تہیہ کیے بیٹھی تھیں۔

"ابھی کھانا کھا لیں ماما، بعد میں بات کریں گے۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"نہ میں کھانا کھاؤں گی نہ ہی میڈیسن پہلے تم وعدہ کرو کہ اب تم شادی کر لو گے۔" وہ دل میں ٹھان چکی تھیں، کیونکہ اسے ہر حال میں منانا ہے، اس کی زندگی کا سونا پن ان سے دیکھا نہ جاتا تھا۔

"ٹھیک ہے ماں۔" اس نے انہیں منانے کے لئے کہہ دیا اور وہ بے حد خوش تھیں۔

"اللہ پاک تمہارے حق میں بہت اچھا کرے گا۔" وہ چند ثانیے خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ماہ وش کا اکیڈمی میں پہلا دن تھا۔

بلیو جینز کے اوپر آف وائٹ شرٹ پہنے لاپرواہی سے اسکارف گلے میں لٹکائے بالوں میں سن گلاسز پھنسائے وہ ایک شان بے نیازی سے چلی جا رہی تھی، لمبی روش کراس کر کے وہ مین ڈور تک پہنچی اور اسے کھولا اور سامنے سے آتے کسی لمبے چوڑے وجود سے جا ٹکرائی۔

"نان سینس۔" وہ چیخی، اس کے ہاتھ میں موجود کتابیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔

"سوری، آپ اچانک سامنے آئی ہیں۔" وہ مہذبانہ انداز میں معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"یعنی آپ کا مطلب ہے غلطی میری ہے سراسر۔" اس نے تیکھے پن سے اسے گھورا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ جانے کے لئے قدم بڑھانے لگا۔

"جا کہاں رہے ہو، کتابیں اٹھا کر دو مجھے۔" اس نے رعب جھاڑا۔

"کھڑے گھور کیا رہے ہو؟ کتابیں دو اٹھا کر۔" وہ بدتمیزی سے بولی، لمحہ بھر کو کھڑا وہ اسے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ کر زمین سے کتابیں اٹھائیں اور اس کے قریب آیا۔

"دوبارہ آنکھیں کھول کر چلنا، کسی کا بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے جھٹکے کے انداز میں کتابیں پکڑیں اور بدتمیزی سے بولتی ہوئی آگے بڑھ گئی، پہلی دو کلاسز اچھی گزر گئی تھیں۔

تیسری کلاس اکاؤنٹنگ کی تھی، وہ چیئر سے ٹیک لگائے بیٹھی بے نیازی سے ببل چباتے موبائل فون پر whatsap چیک کر رہی تھی جب آواز سن کر ذرا سا اوپر دیکھا اور پلکیں جھپکانا بھول گئی۔

"سٹوڈنٹس یہ اکیڈمی کے اونر اور آپ کے اکاؤنٹنگ کے ٹیچر محترم......" یہ تو وہی شخص تھا جس سے وہ یہاں آتے ہی ٹکرائی تھی، اس کے سامنے سر تنویر کھڑے اس کا تعارف کروا رہے

تھے۔

''مائی گڈنیس۔'' اس کا جی چاہا سر پیٹ لے مگر اب پچھتائے کیا ہوت، سر تو پر نہ جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے، مگر وہ خجل سی بیٹھی کبھی سامنے دیکھتی اور کبھی نگاہیں جھکا لیتی، وہ دن اس کا اکیڈمی میں بہت مشکل سے گزرا تھا، اگلے روز وہ ڈرتے ہوئے ان کی کلاس میں آئی تھی، مگر انہوں نے نہ تو اسے کل کچھ کہا تھا اور نہ ہی آج۔

وہ بہت نارملی پڑھاتے رہے، اسے ایک دفعہ بھی ایسا محسوس نہ ہوا کہ جیسے وہ اسے گھور رہے ہوں یا انہیں اس پر کوئی غصہ ہو، وہ کلاس لے کر چلے گئے اور ٹھیک تیس منٹ بعد اس کا آفس سے بلاوا آ گیا۔

''مے آئی کم ان سر؟'' اس نے آہستہ آواز میں کہا، انہوں نے لمحہ بھر کو نظریں اٹھائیں، شاکنگ پنک شارٹ فراک اور وائیٹ کیپری میں وہ بے حد حسین دکھائی دے رہی تھی، اس کی رنگت خوب دمک رہی تھی، شاکنگ پنک لپ اسٹک لگائے، خوبصورت سلکی بال شانوں پر بکھرائے اس کے بے حد تیکھے نقوش، وہ سر تا پا قیامت تھی، اس کی ایک ایک ادا سے غرور جھلکتا تھا، وہ فوراً نگاہیں جھکا گئے۔

''لیس۔'' سر کو ہولے سے جنبش دے کر اسے اندر آنے کے لئے اجازت دی۔

''یہ آپ لائی ہیں؟'' انہوں نے ٹیبل پر پڑے سرخ گلابوں کے بکے اور سوری کے کارڈ کی جانب اشارہ کیا۔

''لیس سر!'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو یہ نہیں لانے چاہیے تھے۔'' وہ کہنے لگے، ساتھ ہی پھولوں کی جانب اشارہ کیا۔

''سر! میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے آپ سے معافی مانگنی تھی اور اس کے لئے مجھے یہی مناسب لگا۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، وہ اسے اگنور کرتے ہوئے سامنے پڑی فائل پر نگاہوں کو مرکوز کیے ہوئے تھے۔

''آپ شرمندہ ہیں یہ کافی تھا، آپ نے سوری کہا، میں نے مان لیا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے نرم لہجے میں بولے، تو ماہ وش حسن کی جان میں جان آئی، ورنہ اس نے تو سمجھا تھا کہ شامت پکی ہے، مگر دوسری طرف ایسا نرم اور مشفقانہ لہجہ اور انداز تھا کہ وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''تھینک یو سر!'' وہ جانے کے لئے مڑی۔

''یہ لیتی جائیے۔'' عقب سے آواز ابھری تھی۔

''یہ آپ کے لئے ہیں سر۔'' اس کا ازلی اعتماد عود کر آیا، گردن گھما کر بولی۔

''میں یہ نہیں لے سکتا۔'' انہوں نے صاف گوئی سے کہا، ماہ وش حسن کو یہ اپنی انسلٹ لگی تھی، مگر اب بار ضبط اور برداشت مجبوری تھی۔

''تو پھر ڈسٹ بن میں پھنکوا دیں۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں باہر نکل گئی، وہ اس کی جرأت اور اس کے کانفیڈنس پر حیران ہو رہے تھے۔

☆☆☆

زین ندیم اپنے پی اے کو کچھ ضروری ہدایات نوٹ کروا رہا تھا اور اس کے ساتھ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا پی اے تیزی سے ڈائری پر اہم پوائنٹس نوٹ کر رہا تھا۔

''ڈرائیور!'' دفعتاً زین ندیم نے اسے پکارا۔

''گاڑی روکو۔'' اس نے حکم جاری کیا، گاڑی فوراً رک گئی۔

''ہاشم! معلوم کرکے آؤ یہاں کیا ہوا ہے؟'' سامنے روڈ بلاک تھا اور بہت زیادہ رش

تھا، ہاشم (پی اے) تابعداری سے سر ہلاتا نیچے اتر گیا تھا اور کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی تھی۔

"سر! یہاں سامنے ہاسپٹل میں بچے کی ڈیتھ ہوگئی ہے، لواحقین کا کہنا ہے کہ یہ ڈاکٹرز کی لاپرواہی سے ہوا ہے اب وہ بچے کی لاش رکھے، احتجاج کرر ہے ہیں۔" ہاشم نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"گاڑی پارک کرو۔" زین ندیم نے ڈرائیور کو ہدایت کی، پیچھے آنے والی سکیورٹی کی گاڑی بھی پارکنگ میں ان کے پیچھے تھی۔

زین ندیم کے ساتھ ہاشم تھا، جبکہ پیچھے دو گارڈز بھی تھے، وہ ہاسپٹل کے اندر داخل ہو چکا تھا اور اس کے اندر داخل ہوتے ہی ہاسپٹل میں ایک افراتفری مچ گئی تھی، کمشنر کا ہاسپٹل میں آنا کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔

"سر! آپ نے کیوں تکلیف اٹھائی، آپ ہمیں حکم کرتے ہم آپ کے پاس آ جاتے۔" سامنے سے آتے ایم ایس نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب! میرے بچے کو مار دیا انہوں نے، میں منتیں کرتی رہی، مگر کسی ڈاکٹر نے میری نہیں سنی، انہوں نے مارا ہے میرے بچے کو صاحب۔" ایک غریب خستہ حال عورت اس کے پاس آئی اور رونے لگی، ایم ایس گڑبڑا گیا۔

"بی بی! آپ جاؤ یہاں سے، سر آپ آئیں، آفس میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" مگر زین ندیم کا غصے اور دکھ سے برا حال تھا۔

"صاحب مجھے انصاف چاہیے۔" وہ زین ندیم کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"یہ جھوٹ بول رہی تھی۔" پاس ہی ریسپشن پر نویلہ کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، اس ظلم اور نا انصافی پر اس کا دل کڑھ رہا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتی۔" وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

"آپ کو پورا انصاف ملے گا اماں جی۔" زین ندیم نے انہیں یقین دلانا چاہا۔

"یہ...... یہ...... ڈاکٹرنی بھی...... جانتی ہے۔" اس عورت کی نظر نویلہ پر پڑی تھی۔

"میں نے ڈاکٹر کی بہت منتیں کی، مگر وہ سارے گپیں لگا رہے تھے، چائے پی رہے تھے، اس ڈاکٹرنی کو میں کہا، یہ آئی، تب تک۔" وہ اتنا بول کر منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگی۔

"کون کون سے ڈاکٹرز موجود تھے وہاں؟" زین ندیم، نویلہ کے قریب آیا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے گئے تھے، وہ دم بخود سی ایم ایس کے کرخت چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"جھوٹ کہہ کر ظالم کا ساتھ مت دیں، سچ بتا کر مظلوم کی حمایت کریں۔" وہ بغور نویلہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ عورت آس بھری نظروں سے نویلہ کی جانب دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھ میں ٹھہرے آنسو ایک ساتھ باہر نکلے تھے اور تیز رفتار سیلابی ریلے کی مانند اس کے چہرے پر بہتے ہوئے گرنے لگے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی، بلکہ بہت تیزی سے مڑ گئی تھی، زین ندیم پر سوچ نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتا رہا، وہ عورت نویلہ کو آوازیں دے رہی تھی۔

☆☆☆

فارقلیط حسن کی روٹین میں کوئی فرق نہ آیا تھا، حسن بہزاد خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہے تھے، مگر اسے کچھ کہتے نہ تھے۔

عروبہ غضنفر کے دن کانٹوں پر ننگے پاؤں

چلتے ہوئے گزرتے تھے تو راتیں سولی پر لٹکتے ہوئے، ابھی بھی وہ نماز پڑھ کر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

اداسی تیرگی ہوتی تو شاید!
اک دیا آباد کرنے سے ہی چھٹ جاتی
مگر ایسا نہیں ہے
اداسی راستہ ہوتی!
تو اس کو اپنے پیروں سے گنا کرتے
کہیں تو جا کے گنتی ختم ہو جاتی
مگر ایسا نہیں ہے
اداسی پیڑ ہوتی تو......!
ہم اس کے بازو کاٹ کر معذور کر دیتے
زمیں سے اس کا سایہ دور کر دیتے
مگر ایسا نہیں ہے
اداسی سال ہی ہوتی!
تم ہم خود کو یہ سمجھاتے
کہ دیکھو!
تین سو پینسٹھ دنوں کی بات ہے ساری
اداسی پھر نہیں ہوگی
مگر ایسا نہیں ہے
اداسی دائرہ ہوتی!
تو ہم اس سے کسی تسطیح کے
خط کی طرح باہر نکل جاتے
کوئی تو ایسا لمحہ مل ہی جاتا
ہم سنبھل جاتے
مگر......!
ایسا نہیں ہے
اداسی تو......اداسی کے سوا
کچھ بھی نہیں ہے
یہاں جتنی بھی بارش ہو
یہ مٹی نم نہیں ہوتی
اداسی کم نہیں ہوتی......!!!

رات کے ایک بجے کا عمل ہوگا، سارا عالم خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا، ایسے میں وہ بے چینی کے ساتھ بار بار نگاہیں اٹھا کر وال کلاک کو دیکھتی، پونے دو کا وقت تھا جب وہ کوٹ کندھے پر لٹکائے، شکستہ قدموں سے چلتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہوا تھا۔

عروبہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی، نہ ہی ہمیشہ کی طرح اس کے قریب آئی اور نہ ہی اس سے کوئی بات کی، وہ بھی اس کو نظر انداز کرتا ہوا وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا۔

فریش ہو کر آیا تو عروبہ اسی جگہ، اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی، مگر فارقلیط حسن نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہ کیا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر نمبر ملایا اور ہنس ہنس کر فون پر باتیں کرنے لگا۔

''نہیں یار! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' عروبہ غضنفر نے دکھ کے عالم میں چونک کر اس کی جانب دیکھا، مگر اسے مطلق پرواہ نہ تھی، وہ خوش گپیوں میں مصروف تھا، تقریباً آدھا گھنٹہ وہ بات کرتا رہا اور اس دوران عروبہ غضنفر بے چینی سے بار بار پہلو بدلتی رہی، اس نے فون بند کر کے سائیڈ پر رکھا تو عروبہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

''کھانا نہیں کھائیں گے؟'' اس نے سپاٹ انداز میں سوال کیا، فارقلیط حسن نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اس وقت کون سا کھانا؟'' اس نے گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں آپ کا انتظار کر رہی تھی، میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔'' اس نے بتایا۔

''تو تم کھا لیتی، کتنی بار کہا ہے میرا انتظار

مت کیا کرو۔" وہ روکھائی سے کہتے ہوئے لیٹ گیا۔
"فون پر کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے استفسار کیا، فارقلیط حسن نے بازو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔
"دوست سے۔" مختصر جواب آیا۔
"اور دوست لڑکی تھی؟" اگلا سوال۔
"کیا فرق پڑتا ہے؟" اس پر ذرا جو اثر ہوتا۔
"آپ کو نہیں پڑتا، مجھے پڑتا ہے۔" وہ گویا ہوئی۔
"تو پڑا کرے میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔
"جوان بیٹی کے باپ ہیں آپ۔" عروبہ نے احساس دلانا چاہا۔
"تو؟" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"کاش آپ کو احساس ہو، کہ آپ کتنا غلط کر رہے ہیں میرے ساتھ، اپنے بچوں کے ساتھ۔" وہ دکھ سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور تمام رات وہ واپس کمرے میں نہ آئی، وہ ہر روز اسے ایک نیا زخم لگاتا تھا، ایک نئی اذیت سے دوچار کرتا تھا، جس سے چھٹکارا ناممکن تھا اور جس کا اس کے پاس کوئی علاج بھی نہ تھا۔

☆☆☆

مصعب علی بیٹھا پڑھ رہا تھا، جب فروا دبے پاؤں اس کے پاس آئی تھی، اس نے میز پر دودھ کا گلاس رکھا تھا۔
"ماما!" وہ ہنس دیا، فروا نے بازو اس کے گلے میں ڈال لئے۔
"مجھے کبھی بھی آپ کے آنے کا پتا نہیں چلتا۔" وہ اپنی شکست کو تسلیم کر رہا تھا۔

"میرا بیٹا پڑھائی میں اتنا مگن ہوتا ہے کہ اسے خبر ہی نہیں ہوتی کوئی آیا ہے۔" مصعب علی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔
"لیکن مجھے آپ کا تو پتا چلنا چاہیے نہ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور فروا کی جانب رخ کرتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی کو چوما، اس کے اس محبت بھرے انداز پر وہ نہال ہوئی تھی اور کھلکھلا کر ہنس دی۔
"I love you so much mama!" اس نے فروا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔
"میں دنیا میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، پاپا سے بھی زیادہ۔" وہ ذرا سا آگے کو جھکا تھا۔
"اور میں سب سے زیادہ اپنے بیٹے سے محبت کرتی ہوں، موسیٰ سے بھی زیادہ۔" وہ بھی ذرا سا آگے کو جھکتے ہوئے بولی تو مصعب علی مسکرا دیا۔
"دودھ پی لینا۔" وہ چلی گئی، مصعب علی آج پھر اس سے بات نہ کر سکا تھا، اس کی ماما سے بہت دوستی تھی، ہر بات ان سے شیئر کرتا تھا، مگر یہ بات نہ کہہ سکتا تھا، بہت کوشش کے باوجود۔
وہ بیڈ روم میں آئی تو موسیٰ علی ابھی جاگ رہا تھا، اس کے سامنے فائل پڑی تھی اور وہ اسے دیکھنے میں منہمک تھا۔
"مل آئی بیٹے سے؟" اس نے فائل بند کر دی۔
"جی!" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔
"مجھے وہ کچھ الجھا سا لگا۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔
"تو پوچھنا تھا، کیا وجہ ہے۔" موسیٰ علی نے فوراً سے پیشتر کہا۔

''نہیں۔'' فروا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

''میں انتظار کر رہی ہوں کہ وہ خود مجھے بتائے کہ کیا پرابلم ہے۔'' موسیٰ علی نے متشکر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''بہت شکریہ فروا! اگر عنیزہ زندہ ہوتی تو شاید وہ بھی معصب کا اتنا خیال نہ رکھتی جتنا تم رکھتی ہو۔'' وہ ممنونیت کے احساس سے گویا ہوا۔

فروا کے ہاں دوبارہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا اور اس نے اس بات پر اپنے دل کو منا لیا تھا، کیونکہ جب موسیٰ علی کو گولی لگی تھی تو اس نے اللہ سے اس کی زندگی کی بھیک مانگی تھی اور جب وہ اسے واپس مل گیا تھا تو اسے اب اللہ سے کوئی شکوہ نہ رہا تھا۔

☆☆☆

ماہ وش کو خبر نہ ہوئی تھی اور اس کے سر اس کے لئے بہت خاص اہمیت اختیار کرتے جا رہے تھے، وہ ہر وقت ان کے متعلق سوچتی رہتی، اٹھتے بیٹھتے بس ان ہی کے خیال دماغ میں گھومتے رہتے، وہ اپنی اس کیفیت پر خود بھی حیران تھی، وہ حد درجہ مغرور تھی، کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی، مگر سر جیسے جیسے اسے اگنور کرتے وہ اور زیادہ بے چین اور بے خود ہو کر ان کی جانب بڑھتی تھی۔

وہ بہت دیر سے ٹینس کلب میں ٹینس کھیل رہی تھی، مگر ذہن کھیل پر فوکس نہ کر پا رہا تھا، اچانک اس کی نظر سامنے چیئرز پر بیٹھے سر پر پڑی اور پلٹنا بھول گئی، وہ کسی سے باتیں کر رہے تھے، وہ جو ہر وقت ان کو دیکھنے کے لئے بے چین رہتی تھی، اس وقت ان کی ایک جھلک دیکھ کر سرشار ہو گئی تھی۔

وہ آدمی ان کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا، ماہ وش تیر کی سی تیزی سے ان کے قریب آئی تھی۔

''ہائے سر!'' وہ بے تکلفی سے کہتی ہوئی ان کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئی۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔'' وہ بے تکلفی سے بولی، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کر جانے لگے، ماہ وش نے ان کا راستہ روکا۔

''آپ مجھے اس طرح اگنور کیوں کرتے ہیں؟'' اس کے سوال پر ان کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

''آپ میری سٹوڈنٹ ہیں، مجھ سے بات کرنے سے پہلے اس بات کو ذہن میں رکھا کریں۔'' وہ آگے بڑھ گئے، ماہ وش بھاگ کر ان کے پیچھے آئی۔

''اگر آپ چاہیں تو ہم اچھے دوست بھی بن سکتے ہیں۔'' وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولی، وہ رک گئے اور گھور کر اسے دیکھنے لگے۔

''میری عمر کا ہی لحاظ کر لیں۔'' وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''دوستی میں عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی سر۔'' وہ ہمت نہ ہارنا چاہتی تھی، اسے یقین تھا یہ موقع دوبارہ نہ ملنے والا تھا۔

''آپ بدتمیزی کر رہی ہیں مجھ سے۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی۔

''میں ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس نے جھٹ سے کہا۔

''ٹیچر اور سٹوڈنٹ کے رشتے میں ایک حد، ایک لحاظ اور احترام ہوتا ہے اور آپ اس حد کو پار کر رہی ہیں۔'' وہ اسے احساس دلانا چاہتے تھے، کیونکہ وہ بہت تیزی سے ان کی جانب بڑھ رہی تھی اور وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ اس کے بڑھتے قدموں کو کیسے روکیں۔

”میں نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا سر!“
انہیں وہ کوئی جادوگرنی لگی تھی، جو اپنے جادو سے لوگوں کو سحر میں مبتلا کر سکتی تھی، انہیں سمجھ نہ آئی تھی کہ اسے سامنے دیکھ کر دل عجیب انداز سے دھکی کیوں ہو جاتا تھا، انہیں سرے سے ماہ وش میں کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ اس کے منہ زور جذبوں پر بند کیسے باندھیں۔
”سلی گرل۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تھے اور وہ بے بس پیاس بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

نویلہ کی طبیعت بہت خراب ہوئی تھی، اسے اس بچے کی موت کا تو دکھ تھا ہی ساتھ میں یہ بھی تھا کہ اس نے مظلوم کا ساتھ نہیں دیا، اس نے حق کو جھٹلایا اور جھوٹ کا ساتھ دیا، اس کے ساتھ ہی اسے اس آفیسر کی سرد نگاہیں بار بار یاد آتی تھیں، اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ کمشنر صاحب تھے، پوری رات وہ روتی رہی تھی اور صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور جلد ہی تیار ہو کر گاڑی لے کر گھر سے نکل گئی تھی، کمشنر ہاؤس کے باہر وہ پانچ منٹ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی رہی تھی۔
بالآخر وہ فیصلہ کن انداز میں سر کو جھٹکتے ہوئے باہر نکل آئی۔
”مجھے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں، میں صرف اور صرف حق کا ساتھ دوں گی، میں کسی مظلوم کا دل مزید ٹوٹنے کا سبب نہیں بنوں گی۔“ اس نے گیٹ پر کھڑے گارڈز کو اپنا نام بتایا اور کارڈ دکھا کر کمشنر صاحب سے ملنے کے لئے کہا، وہ اندر چلا گیا، پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا۔
”آپ اندر آ جائیں۔“ وسیع وعریض گھر جا بجا ملازم، اسے اب اکیلے آنے پر پچھتاوا ہونے لگا، مگر وہ اب واپس نہ جا سکتی تھی۔
”نا جانے کوئی اندر اور ہو گا بھی کہ نہیں۔“ وہ سوچتی ہوئیں آگے بڑھنے لگی، اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا کر ملازم غائب ہو گیا تھا۔
ٹھیک تین منٹ بعد پردہ ہلا اور ساتھ ہی وہ اندر داخل ہوا۔
”السلام علیکم!“ نویلہ کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے، وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سلام کیا۔
”تشریف رکھیں۔“ سلام کا جواب دیتے ہوئے زین ندیم نے صوفے کی جانب اشارہ کیا، وہ جھٹ بیٹھ گئی اور کچھ ڈرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، وہ اسی کو دیکھ رہا تھا، چہرے پر حد درجہ سنجیدگی تھی۔
”مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے سر!“ اس نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے تمہید باندھی۔
”سن رہا ہوں۔“ وہ سرد اور سپاٹ انداز میں بولا تو نویلہ پچھتانے لگی کہ وہ یہاں کیوں آئی۔
”وہ کل...... میں نے جھوٹ...... بولا تھا۔“ اس نے بدقت تمام کہا۔
”جانتا ہوں۔“ وہ سکون سے بولا۔
نویلہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور دوبارہ نگاہیں پھیر لیں، وہ اس کی چبھتی سرد نگاہوں کی تاب نہ لا سکتی تھی۔
”جو سچ آپ سب کے سامنے ان فیکٹ ظالم کے لئے سامنے نہیں بول سکیں، اس کی غیر موجودگی میں کہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔“ اس نے طنز کا نشتر چھوڑا۔
”یہ بزدلی ہے۔“ اس نے گھرکا۔
”جانتی ہوں۔“ اس نے پہلی بار زین ندیم کی آنکھوں میں جھانکا۔
”مگر میں جھوٹ بول کر ساری رات سو نہیں پائی، مجھے یہ احساس دامن گیر رہا کہ میں نے

مظلوم کا نہیں، ظالم کا ساتھ دیا ہے۔'' وہ جلدی جلدی کہنے لگی۔

''اور آپ کا خیال ہے اب یہاں آ کر آپ نے مجھ پر اور ان غریب والدین پر بہت احسان کیا ہے، آپ کو کل سچ بتانا چاہیے تھا، آپ نے حقیقت صرف اپنی جان بچانے کے لئے چھپائی۔'' وہ اس پر برس پڑا اور نویلہ جو پہلے ہی اپ سیٹ تھی اور رات بھر رونے سے اس کی طبیعت بھی خراب تھی، اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''ارے زین کیوں ڈانٹ رہے ہو بچی کو؟'' ماما اندر داخل ہوئیں اور اسے ٹوکا۔

''کون ہے یہ؟'' وہ دلچسپی سے پوچھتے ہوئے اشتیاق بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

زین ندیم نے مختصراً سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا، سن کر وہ پریشان ہوئیں اور نویلہ کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اس سب میں اس کا کیا قصور؟'' انہوں نے زین ندیم کو گھورا۔

''ان کا قصور ہے۔'' زین ندیم کو ان کا نویلہ کے ساتھ اس طرح بے تکلف ہونا بالکل پسند نہ آیا۔

''بیٹا ادھر دیکھا۔'' انہوں نے نویلہ کی تھوڑی کو چھو کر رخ اپنی جانب موڑا۔

''میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔'' وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے اسے پرسوچ انداز سے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''آپ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں، وہیں۔'' نویلہ نے بھی انہیں پہچان لیا تھا۔

''ہاں، بالکل بالکل، زین یہ تو اتنی اچھی ڈاکٹر ہے، اپنے مریضوں کا اتنا خیال ہے اسے کہ اوور ٹائم ڈیوٹی کرتی ہے۔'' وہ اس کی طرفداری میں بول رہی تھیں اور زین ندیم بے بس سا بیٹھا تھا۔

''بیٹا! تم شادی شدہ ہو؟'' ان کے سوال پر نویلہ نے سٹپٹا کر زین ندیم کی جانب دیکھا تھا اور دوسری طرف اس کے اردگرد بھی خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

''یہ کیسا سوال ہے ماما؟'' وہ مداخلت کرتے ہوئے بولا۔

''تم چپ رہو۔'' انہوں نے نویلہ کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا، جو اپنی عمر سے کئی سال چھوٹی دکھائی دیتی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور اٹھنے لگی، جب انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا اور پرمسرت لہجے میں بولیں۔

''ناشتہ ہمارے ساتھ کر کے جانا۔'' وہ محبت بھرا اصرار کرنے لگیں۔

''نہیں آنٹی، ہاسپٹل پہنچنا ہے مجھے۔'' اسے زین ندیم سے بے حد ڈر لگ رہا تھا، وہ جلد از جلد وہاں سے جانا چاہتی تھی، جبکہ اس کی ماما اسے آسانی سے بخشنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

☆☆☆

ناشتہ اس کے کمرے میں ہی بھجوا دیا گیا تھا، وہ انتظار کرتی رہی کہ اس کی بیٹی آئے اور اس کے پاس بیٹھے، اسے کہے کہ ''ماما پلیز کچھ کھا لیں'' اسے کھلانے کے لئے اصرار کرے، اسے کہے کہ ''پریشان مت ہوں، میں پاپا سے بات کروں گی'' مگر ایسا کچھ نہ ہوا اور اس کی زندگی میں کب ویسا ہوتا تھا جیسا وہ سوچتی تھی جس طرح وہ چاہتی تھی، اس نے ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''میرے بغیر کھا سکتی ہو؟ تم ایسی بے وفا تو نہیں۔'' اس نے گھبرا کر اردگرد دیکھا، گھمبیر لہ

اس کی رگیں کاٹنے لگا۔

اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا، پورا دن گزر گیا، شام کو باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز ابھری، وہ جلدی سے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی، آنے والا اس کا داماد تھا، اس کا جی چاہا بھاگ کر اس کے پاس جائے، اس سے پوچھے کہ کیا وہ اس ستمگر کے پاس گیا تھا اور اس نے کیا جواب دیا؟

مگر جھجک مانع آ گئی، اسے اپنی بیٹی سے ڈر محسوس ہوا، کہیں وہ خفا نہ ہو، اسے برا نہ لگ جائے اور پھر وہ پلٹ کر واپس بیٹھ گئی۔

رات کے کھانے کے لئے وہ خود اسے بلانے کے لئے آیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"آپ کو جھوٹ نہیں بولنا آتا، چلیں شاباش آ جائیں میرے ساتھ۔" وہ نرمی سے بولا، وہ اس کے ساتھ چل دی، اسے اپنی بیٹی سے خوف آیا تھا، وہ کھانے کے دوران چوروں کی طرح نگاہیں جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی، وہ اسے ایک ایک چیز پیش کر رہا تھا، مگر وہ بمشکل تھوڑا سا کھانا کھا کر اپنے روم میں آ گئی۔

"ماما! کب تک یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے آپ کا۔" وہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

"ک..... کل!" اس نے بنا سوچے سمجھے کہہ دیا اور وہ بھی مطمئن ہو گئی۔

"یہی بہتر ہے، میرے لئے بھی، اور آپ کے لئے بھی۔" اس نے یہ پوچھنے کی بھی زحمت نہ کی کہ وہ کہاں جائیں گی، ان کا کون سا ٹھکانہ ہے اب، اسے صرف پتا تھا تو صرف یہ کہ وہ یہاں سے چلی جائیں اور در پردہ وہ انہیں دھکے ہی دے رہی تھی اور اس کے ساتھ تو ہمیشہ یہی ہوا تھا، ہر ہر جگہ سے دھتکارا گیا۔

☆☆☆

شہیر اور ماہ وش اپنی پڑھائی میں مگن رہے تھے، وہ باپ کی سرگرمیوں سے لاعلم تھے اور پھر عروبہ بھی یہی کوشش کرتی تھی کہ انہیں کچھ معلوم نہ ہو۔

آج رات وہ خلاف معمول جلدی گھر آ گیا تھا، کھانا کھا کر وہ اسٹڈی میں لیپ ٹاپ لئے بیٹھا تھا، عروبہ اس کے لئے چائے بنا کر لائی تھی مگر اس کی بات سن کر ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

"میں تین دن کے لئے لندن جا رہا ہوں اور تمہیں بھی میرے ساتھ جانا ہو گا۔" وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی سب سن رہی تھی۔

"ہاہا......" فارقلیط حسن نے قہقہہ لگایا تھا۔

"بیوی!" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"بیوی سے کہوں گا آفس کے کام کے سلسلے میں پنڈی جا رہا ہوں۔" اس سے آگے وہ نہ سن سکی تھی، واپس پلٹ گئی، اسے فارقلیط حسن سے اس جھوٹ اور دھوکے بازی کی ہرگز توقع نہ تھی، وہ اپنے روم میں آئی، نماز پڑھی اور اس کا انتظار کرنے لگی، کچھ ہی دیر میں وہ آ گیا تھا۔

"میری پیکنگ کر دو عروبہ، مجھے تین دن کے لئے پن....."

"لندن جانا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولی تو فارقلیط حسن نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا، وہ خاصا حیران تھا۔

"جب آپ کو میری کچھ پرواہ ہی نہیں، مجھے کچھ سمجھتے ہی نہیں تو پھر یہ جھوٹ کیوں؟ جہاں مرضی جائیں، جس کو چاہے ساتھ لے جائیں، مگر نہیں، بات یہ نہیں ہے۔" وہ خاصی مشتعل نظر آ رہی تھی، فارقلیط حسن اسے دیکھے گیا۔

"آپ کو دھوکہ دینے کی عادت ہے، اس

کے بغیر آپ کا گزارا نہیں۔'' اس نے دکھ سے کہا۔
''پہلے جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچایا اور اب۔'' اس کا گلا رندھ گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئی تھی۔
''مجھے اس اذیت سے آزادی چاہیے۔'' وہ یکا یک التجا کرنے لگی تھی۔
''جلد مل جائے گی تمہیں آزادی۔'' وہ معنی خیزی سے بولا، عروبہ غضنفر اس کے لفظوں کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی۔

☆☆☆

''بی الرٹ سر آ رہے ہیں فرینڈز۔'' ماہ وش بھاگتی ہوئی اندر آئی اور سب اسٹوڈنٹس کو الرٹ کیا، چند سیکنڈز میں ہی وہ اندر داخل ہو چکے تھے۔
''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ڈیئر سر!'' ہر طرف خوب شور تھا، روم کو پھولوں اور غباروں سے آراستہ کیا گیا تھا، سامنے ٹیبل پر بہت بڑا سا کیک پڑا تھا، سب اسٹوڈنٹس انہیں وش کر رہے تھے، وہ حیران سے آگے بڑھے اور پھر ان کی نظر ماہ وش کے دمکتے چہرے پر جا ٹھہری اور وہ وہیں رک گئے۔
''اسٹاپ اٹ۔'' وہ زور سے دھاڑے، سب اسٹوڈنٹس وہیں خاموش ہو گئے، ایک دم سناٹا چھا گیا۔
''کس کی مرضی اور اجازت سے ہو رہا ہے یہ سب؟'' ان کے غصے نے سب کو سہما دیا۔
''جواب دیں۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے سب کو گھور رہے تھے۔
''سر! یہ میرے کہنے پر ہو رہا ہے۔'' ماہ وش نے کہا تو سب اس کی جانب دیکھنے لگے، جبکہ وہ نڈر اور بے خوف نظر آ رہی تھی۔

''ان فیکٹ یہ سب ارینج بھی میں نے ہی کیا ہے۔'' وہ مزید گویا ہوئی، سب اسٹوڈنٹس اس کے اعتماد پر حیران ہو رہے تھے، جبکہ معصب علی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، وہ بھی اسی اکیڈمی میں پڑھتا تھا اور انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ تھا۔
''آپ میرے آفس میں آئیں۔'' وہ اسے کہہ کر مڑ گئے تھے، جبکہ ماہ وش مسکراتی ہوئی ان سب کی جانب متوجہ ہوئی جنہوں نے سر کے جانے کے بعد اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔
''ابھی آتی ہوں پھر مل کر کیک کھاتے ہیں۔'' وہ باہر نکل گئی۔
''یس سر!'' وہ ان کے آفس میں داخل ہوئی تو وہ دروازے کی جانب پشت کیے گلاس وال سے باہر دیکھ رہے تھے۔
''کیا تھا یہ سب؟'' وہ سرد مہری سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے، پہلی بار ماہ وش کو ان سے خوف محسوس ہوا تھا۔
''سر آپ کا برتھ ڈے تھا تو میں نے پارٹی ارینج کی اور......''
''شٹ اپ!'' وہ غیض و غضب کے عالم میں اس کے قریب آئے۔
''میں نے آپ کو بتایا تھا مجھے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں ہے، پھر کیوں میری اجازت کے بغیر کیا یہ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے غصے سے پھنکارے اور ماہ وش کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی پتھر یا شاید کسی چٹان کے سامنے کھڑی ہے، جس سے وہ اپنا سر تو ٹکرا سکتی ہے، مگر اس کو کبھی بھی مسخر نہیں کر سکتی۔
''آپ کو یہ اچھا نہیں لگتا، مگر مجھے یہ اچھا لگتا ہے کیونکہ مجھے آپ اچھے لگتے ہیں، میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور اگر آپ نے......''
''شٹ اپ۔'' ان کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا

تھا اور وہیں معلق رہ گیا تھا۔

"میری اور اپنی نہیں تو کم از کم اپنے والدین کی عزت کا خیال کریں، جنہوں نے آپ کو یہاں پڑھنے کے لئے بھیجا ہے۔" غصے اور حیرت کے ملے جلے جذبات کا شکار ہوئے وہ اسے دیکھ رہے تھے اور اس کی جرأت پر حیران ہو رہے تھے۔

"رک کیوں گئے، ماریں نا۔" ماہ وش نے دکھ سے ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو اکیڈمی سے نکال رہا ہوں۔" وہ اس کی سرکشی سے ڈر گئے تھے، جانتے تھے سرکش محبت کا انجام کیا ہوتا ہے۔

"نکال دیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"بات تو تب ہے کہ میرے دل سے خود کو نکال کر دکھائیں۔" اس نے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا۔

"مگر ایسا آپ کبھی نہیں کر سکتے، آپ صرف اور صرف میرے ہیں، میں آپ کو حاصل کر کے رہوں گی۔" وہ تیزی سے مڑی اور باہر نکل گئی، جبکہ وہ پتھر کا بت بنے اس کے الفاظ میں کھو گئے۔

☆☆☆

علیشہ کو کسی طرح سکون نہ مل رہا تھا، شادی کو سات سال گزر گئے تھے، مگر اس کی گود ہری نہ ہو سکی تھی، ڈاکٹر تیمور عباس اسے والہانہ چاہتا تھا، وہ اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتا، مگر علیشہ کا دل ماننے سے انکاری تھا اور اب اسے یہ احساس گھیرے ہوئے تھا کہ جو کچھ ماما نے گل افزاء اور عروبہ کے ساتھ کیا تھا اس کی سزا ان دونوں بہنوں کو ملی تھی، وہ تیمور عباس کے ساتھ عروبہ سے ملنے اس سے معافی مانگنے جا رہی تھی۔

"علیشہ!" اسے دیکھ کر عروبہ بہت خوش ہوئی، علیشہ کی کبھی اس سے نہ بنی تھی، وہ ہمیشہ اس سے بدتمیزی کیا کرتی تھی اس کا دل دکھاتی تھی، عروبہ غضنفر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دو عروبہ!" وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی اور پھر اچانک نیچے جھکتے ہوئے اس نے عروبہ کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔

"علیشہ پلیز!" عروبہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

"تم میری بہن ہو، میں تم سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔" عروبہ نے اسے ساتھ لگایا۔

"تمہارا یہی ظرف، یہی بڑا پن ہمیں لے ڈوبا، میں اور نویلہ بس کر بھی نہ بس سکیں اور تم اور فروا خوش اور شادماں زندگی گزار رہی ہو، ہمیں ہماری ماں کے گناہوں کی سزا ملی، نویلہ کہتی تھی ماما کا کیا ہم دونوں کے آگے آئے گا اور میں اس کی بات نہ سمجھ سکی، اس نے ٹھیک کہا تھا، ہم دونوں کو بہت بڑی سزا ملی اور تم دونوں کو تمہاری ماں کے صبر اور تم دونوں کی نیک نیتی کا صلہ ملا۔" عروبہ نے اسے صوفے پر بٹھا دیا تھا، مگر وہ اس کے الفاظ پر ابھی تک غور کر رہی تھی، اس کو سمجھ نہ آ رہی تھی۔

"فروا تمہاری سگی بہن ہے عروبہ!" عروبہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، علیشہ اسے سب کچھ بتانے لگی۔

اب عروبہ کے آنسو نہ تھم رہے تھے، ہر حقیقت پہلی سے زیادہ تکلیف دہ تھی، فروا اس کی بہن تھی، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا، کہ اس بات پر خوش

ہو یا آنسو بہائے، اس کی ماما اس کی پیدائش پر فوت نہیں ہوئی تھیں بلکہ......

"علیشہ!" وہ اس کے گلے لگ کر بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں، تمہارے لئے بہت مشکل ہے، مگر پلیز عروبہ مجھے معاف کر دو۔" علیشہ نے ایک مرتبہ پھر اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"میں نے تم سب کو معاف کیا علیشہ۔" عروبہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے، جبکہ اپنے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

علیشہ چلی گئی تھی، اسے اذیتوں کی گہری کھائی میں پھینک کر، وہ لاؤنج کی گلاس وال میں جا کھڑی ہوئی اور باہر دیکھنے لگی۔

باہر شام خاصی گہری ہو گئی تھی، ہر سو گہری خاموشی کا راج تھا، بالکل ہی ایسی خاموشی جیسی اس کے وجود اور دل پر چھائی ہوئی تھی، دونوں بچے گھر پر نہ تھے، جبکہ حسن بہزاد، فارقلیط حسن سے ناراض ہو کر انگلینڈ چلے گئے تھے۔

"عروبہ!" اس کے عقب میں فارقلیط حسن کی آواز ابھری تھی، اس نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور مڑ کر اسے دیکھا، وہ تین دن کے لئے گیا تھا، مگر دوسرے روز ہی واپس آ گیا۔

"تم رو رہی تھی؟" وہ بغور اس کے بھیگے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں فارقلیط کہ میں کبھی کسی کے رونے کی وجہ نہیں بنی، رونا بری بات نہیں ہے، مگر کسی کو رلانا بہت غلط ہے۔" وہ معنی خیزی سے بولی تھی، وہ اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔

دفعتاً لاؤنج کا دروازہ کھلا اور ماہ وش تیزی سے اندر داخل ہوئی، اس نے بیگ اور کتابیں وہیں صوفے پر پھینک دیے اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی۔

"اسے کیا ہوا؟" فارقلیط حسن حیرت سے بولا، عروبہ تیزی سے بیٹی کے روم کی جانب بڑھی۔

"فارقلیط!" اس کی گھبرائی ہوئی آواز فارقلیط حسن کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جلدی آئیں۔" وہ کمرے کی جانب بھاگا تھا۔

☆☆☆

زین ندیم کے لاکھ انکار کے باوجود ماما نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کا رشتہ لے کر نویلہ کے گھر چلی گئیں، صوفیہ پر تو جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی، غضنفر علی سے مشورے کے بعد انہوں نے ہاں کر دی تھی۔

آج نویلہ کی رخصتی تھی، دلہن بنی بیٹھی عروبہ کی منتظر تھی، مگر عروبہ نہیں آئی تھی۔

"آپ؟" زین ندیم فروا کو نویلہ کی جگہ کے روپ میں دیکھ کر شاکڈ تھا، برسوں بعد اس سے سامنا ہوا تھا، تو اذیت کے بہت سے در وا ہونے لگے تھے۔

دوسری جانب فروا یہ جان کر ششدر رہ گئی تھی کہ وہ اتنے برسوں سے تنہا رہ رہا ہے، اسے آج اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے، یہ سب اسے تکلیف سے دوچار کر رہا تھا۔ اسے نویلہ پر ترس آنے لگا تھا۔

ثمینہ بیگم بہت چاؤ سے اسے بیاہ کر لے آئی تھیں، دل کھول کر ارمان پورے کیے تھے، خوب رسموں کے بعد اسے زین ندیم کے کمرے میں پہنچایا گیا تھا۔

"میرے بیٹے نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں، مگر مجھے یقین ہے تم اس کے غم

بہار کی نوید بن کر میرے آنگن میں اتری ہو، تمہاری پیشانی پر سچائی اور اچھائی لکھی ہوئی ہے میرے بیٹے کو اپنی محبت اور وفا سے خوشیوں پر یقین کرنا سکھا دینا۔'' وہ اس کے پاس بیٹھی محبت سے کہہ رہی تھیں، زین ندیم دستک دے کر اندر آیا تھا۔

''کیا پٹیاں پڑھا رہی ہیں بہو کو ماما؟'' اس کی آمد سے نویلہ کچھ الرٹ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''بہو کیوں، میری تو بیٹی ہے۔'' انہوں نے نویلہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پشت پر بوسہ دیا۔

''ماں، ایسے کہہ کر رشتوں میں کنفیوژن نہ ڈالیں۔'' نویلہ کو اس کی بات پر ہنسی آئی تھی، مگر وہ ضبط کیے بیٹھی تھی۔

''ماں ان سے پوچھ لیں، انہیں چائے بنانی آتی ہے۔'' وہ شریر ہوا۔

''نہیں بھئی، میں اپنی بیٹی سے چائے نہیں بنواؤں گی، نہ ہی کوئی کام کرواؤں گی۔'' نویلہ کو ان ماں بیٹے کی کچھ باتیں سمجھ آ رہی تھیں اور کچھ نہیں، ماما انہیں بہت سی دعائیں دے کر جا چکی تھیں۔

زین ندیم اس کے پاس آ بیٹھا تھا، چند ثانیے وہ اسے دیکھتا رہا، اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔

''آپ کی سچائی نے مجھے اتنا متاثر نہیں کیا، جتنا اس بات نے کہ آپ کو جھوٹ بول کر نیند نہیں آتی۔'' وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں؟'' وہ اچانک بولا۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے۔'' اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''شیور۔'' زین ندیم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''نماز تو مجھے بھی پڑھنی ہے۔'' کچھ ہی دیر میں وہ دونوں نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے اور بلاشبہ دونوں بہت اچھے لگ رہے تھے، بہت مختلف اور پاکیزہ۔

☆☆☆

ماہ وش ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی وہ بے ہوش تھی، عرویہ کو اس کی فرینڈ نے اکیڈمی میں ہونے والے واقع کے متعلق بتایا تھا۔

وہ ڈرائیور کے ساتھ اکیڈمی آئی تھی، وہ غصے کے عالم میں آفس تک آئی، دل میں ارادہ کر کے آئی تھی کہ وہ ماہ وش کے سر کو خوب کھری کھری سنائے گی، اندر قدم رکھتے ہی وہ ساکت ہو گئی، اس کی آنکھیں پتھرا گئیں، وہ بے یقینی کے عالم میں سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

(جاری ہے)

محبت بار ہوتی ہے

ندا علی عباس

یونیورسٹی سے تھکی ماندی جب وہ گھر پہنچی تو گھڑی شام کے چار بجا رہی تھی اماں کو اس نے لاؤنج میں ہی اپنا منتظر پایا آتے ہی وہ صوفے پہ ڈھیر ہوگئی تھی۔

''آج بہت دیر کر دی تم نے بچے؟'' اماں پانی کا گلاس تھامے چلی آئی، کنپٹیاں دباتے وہ اٹھ بیٹھی۔

''بس اماں آج ہڑتال تھی ٹریفک بند تھی بڑی مشکل سے ایک کلاس فیلو سے لفٹ لے کر پہنچی ہوں گھر، میرو کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' سوالیہ نگاہوں سے اماں کو دیکھا۔

''صبح بہت تیز بخار تھا اب کافی بہتر ہے تم اٹھو منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا لگاتی ہوں۔'' اماں اس کے ہاتھ سے خالی گلاس لیتے ہوئے بولی تھی۔

''نہیں ابھی نہیں پہلے میں فریش ہوں گی کھانا میں خود نکال لوں گی آپ آرام کریں۔''

ناولٹ

میز پر سے کتابیں سمیٹتے ہوئے وہ بولی اور اپنے روم کی جانب چل پڑی جس وقت وہ فریش ہو کر کچن میں آئی تو اماں میز پہ کھانا لگا چکی تھی۔

''اف اماں کہا بھی تھا میں کر لوں گی آپ بھی ناں۔'' خفگی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور اماں کے ہاتھ سے پانی سے بھرا جگ لے لیا۔

''آپ نے کھانا کھایا؟'' کرسی کھینچ کر اسے بیٹھاتے ہوئے اماں بولی تھی، تبھی ان کی نگاہ کچن کے دروازے سے اندر آتے از میر پر پڑی تھی۔

''لو آ گیا میرو بھی آؤ بچے تم بھی کھانا کھا لو اکیلے تو یہ کھا نہیں سکتی اور میں بڈھی مریض کب تک اس کے انتظار میں بھوکی بیٹھی رہو، تم لوگ کھاؤ میں ذرا ساتھ والی نسیمہ آپا کی طرف جا رہی ہوں پوتا ہوا ہے ان کا ہفتہ ہو گیا ہے اور دیکھو تم ہی نہیں ملتا مجھے۔'' اماں بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی





تھی، تھوڑی دیر کے لیے کچن میں خاموشی چھا گئی فقط پلیٹوں اور چمچوں کی آوازیں تھی۔

''بیا آئی تھی آج تمہیں نہ پا کر پریشان ہو گئی تھی تم نے اپنا نمبر کیوں آف کر رکھا ہے جانتے تو ہو تم کسی میسج کا ریپلائی نہ کرو تو وہ ٹینس ہو جاتی ہے آج تو پھر تم نے چھٹی کر لی تھی۔'' حرم نے کھانے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

''اس سے رات بات کرتے موبائل میں چارجنگ ختم ہو گئی تھی، صبح اٹھا نہیں اور موبائل دیکھا نہیں ابھی آتے ہوئے چارج لگا کے آیا ہوں۔'' لاپروائی سے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''طبیعت کیسی ہے اب؟'' حرم نے اس کی نقاہت زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کافی بہتر ہوں اب تو آپ پلیز کھانا کھا کر میرے لیے اسٹرونگ سی چائے بنا دے صبح سے اماں کے بنائے کڑوے سوپ پی پی کے منہ کا ذائقہ ہی خراب ہو گیا ہے۔'' خفگی سے کہتے میرو نے پلیٹ پرے کھسکائی تھی، حرم سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر چائے کا پانی چڑھانے لگی تھی۔

''بیا آئے گی آج شام کو تمہارا پوچھنے میں نے اسے بتایا تھا تمہارے بخار کا۔'' دودھ میں پتی چینی ڈال کر آنچ ہلکی کر کے وہ دوبارہ کرسی گھسیٹ کے بیٹھ گئی جب تک کھانا ختم ہوتا چائے تیار تھی، سکون سے کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھا میرو ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''اف حرم آپ جانتی ہے اماں کو کتنی ناپسند ہے آپ نے اسے روکا نہیں آنے سے کوئی ایشو بن گیا تو میں کیسے سنبھالوں گا دونوں کو۔'' وہ پریشانی اسے دیکھ رہا تھا، حرم نے سکون سے کھانا ختم کیا تھا۔

''وہ پڑھائی کے بہانے آئے گی اور ... بھی تم اماں کی فکر مت کرو میں اماں کو سنبھال... گی ابھی تم اٹھو اپنا حلیہ درست کرو۔'' ... برتن سنک میں رکھ کر وہ چائے کپوں میں ... لگی تھی۔

''رہنے دیں آپ میں کل یونی جاؤں ... مل لوں گا اس سے میں اسے کال کر کے منع کر... ہوں ابھی۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھتے ہوئے... تھا جب حرم نے بے ساختہ اس کا بازو تھام... اسے اٹھنے سے روکا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اسے منع کر... تم نے صبح اس کی حالت نہیں دیکھی تھی اگر موبائل آن رکھتے تو وہ زیادہ پریشان نہ ہوتی اب آ... گی تو اسے سنبھال لینا، اماں کی تم فکر نہ کرو... ہوں انہیں دیکھ لوں گی۔'' چائے کا کپ اس... سامنے رکھتے ہوئے وہ بولی تو میرو گہری... بھرتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''اب کیا ہوا۔'' حرم نے حیرت سے ا... خود کو دیکھتا پا کر پوچھا۔

''آپ اتنی اچھی کیوں ہیں؟'' لہجہ... تشکر تھا حرم نے آہستگی سے ابرو اٹھا کر ا...

''سچ میں ہر بار آپ مجھ پہ احسان کر... جاتی ہے اور میں ہر بار احسان اتارنے کا... سوچتا رہ جاتا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے آہستگی... سے حرم کا ہاتھ تھاما تھا جسے نہ محسوس طریقے... حرم نے چھڑایا اور اسے دیکھا۔

''ہم کزن کم اور دوست زیادہ ہے میرو... دوستوں میں یہ تھینک یو سوری جیسے لفظ ... استعمال نہیں ہوتے، یہ لفظ صرف اجنبیوں کے لیے ادا کیے جاتے ہیں۔''

''چلو اب اٹھو اپنی حالت ٹھیک کر لو ... کچھ ہی دیر میں پہنچ جائے گی۔'' نرمی سے

ہوئی وہ سنک کی جانب بڑھ گئی جہاں گندے برتن اس کے منتظر تھے اور پھر واقع اگلے ہی گھنٹے میں وہ اس کے سامنے تھی اماں کا اسے دیکھتے ہی پارہ چڑھا تھا جبکہ ازمیر کا چہرہ کھل اٹھا تھا ازمیر کے ساتھ اسے ڈرائنگ روم میں بھیج کے وہ زبردستی اماں کو لئے کچن میں چلی آئی۔

''یہ اب یہاں کیا کرنے آئی ہے صبح یونیورسٹی میں مل تو لیتی ہو تم لوگ؟'' اماں اس کے سر ہو گئی تھیں۔

''اماں آپ جانتی تو ہیں میرو کی چھٹی کی وجہ سے وہ پیچھے رہ جائے اس لئے میں نے بیا کو گھر بلا لیا مل بیٹھ کے ہم تینوں جو پوائنٹ رہ گئے ہیں وہ کر لیں گے، بیا نے بھی چھٹی کی تھی ناں اسی لئے میں نے کہا اسے اور میرو کو اکٹھا سمجھا دوں گی آپ نے دیکھا ناں اس کے ہاتھ میں بکس تھی۔'' حرم نے تھوڑا جھوٹ تھوڑا سچ بتا کر اماں کو رام کرنا چاہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تم نے اس کا لباس دیکھا استغفراللہ، لڑکا لگتی ہے بس اسے سمجھاؤ میرے گھر آئے تو ایسا گوروں کا لباس پہن کے مت آیا کرے۔'' اماں اس کی رام کہانی سمجھی تھی یا نہیں مگر اسے ٹوک ضرور دیا تھا، حرم نے ٹرے میں تمام لوازمات سیٹ کرتے ہوئے مسکرا کر اماں کو دیکھا تھا اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا، اماں عصر پڑھنے چل دی تھی اور وہ ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم میں چلی آئی جہاں وہ دونوں اپنے آپ میں مگن تھے، حرم نے ٹرے ان کے سامنے رکھی تھی اور اپنی بکس اٹھا کر ان سے خاصے فاصلے پر جا بیٹھی بکس اماں کو دکھانے کے لئے تھی ورنہ ایسے دو پریموں کے درمیان بیٹھ کر وہ کہاں پڑھ سکتی تھی، موبائل میں ہینڈ فری لگا کر اس نے کانوں میں ہینڈ فری ٹھونسے اور والیوم بڑھا دیا اور اردگرد سے بیگانہ ہو گئی جبکہ وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن تھے۔

☆☆☆

وہ چار سال کی تھی جب اس کی ماں کی دوسری ڈلیوری کے دوران ڈیتھ ہو گئی تھی اور ابا تو مانو اماں کے جانے کے بعد گم صم ہی رہ گئے ہر وقت بیمار رہتے بالکل ہی چارپائی سے لگ گئے تھے، وہ سات سال کی ہوئی جب ایک دن اچانک ابا بھی گزر گئے، ددھیال میں کوئی رشتہ تھا نہیں ننھیال میں فقط ایک ہی خالہ تھیں جنہوں نے اماں ابا کے گزرتے ہی اسے سگی اولاد کی طرح سینے سے لگا لیا، زلیخا خالہ کی ایک ہی اولاد تھی ازمیر، اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے انتہائی ضدی اور منہ پھٹ حرم سے چھ ماہ چھوٹا تھا مگر بلا کا پر اعتماد، حرم اس کے مقابلے میں بالکل دبو سی تھی شروع شروع میں ازمیر کی دیکھا دیکھی جب اس نے خالہ کو اماں کہنا شروع کیا تو وہ باقاعدہ لڑ پڑتا میری اماں ہے آپ کی نہیں، تو وہ ڈر جاتی گھر میں ہر وہ چیز جو ازمیر کے لئے آتی وہی حرم کے لئے بھی، تو وہ ہمیشہ ضد کرتا اس کے لئے لائی ہر چیز پہ قبضہ جما لیتا اماں بابا اسے سمجھاتے رہ جاتے مگر وہ چیزیں اٹھا کر یہ جا وہ جا، بابا نے جب حرم کا داخلہ بھی ازمیر کے سکول کروایا تو وہ بھڑک ہی اٹھا تھا۔

''بابا میرے فرینڈ کیا کہیں گے؟''

''تو بیٹا آپ کہنا آپ کی بہن ہے حرم۔'' بابا رسان سے سمجھاتے۔

''سب جانتے ہیں بابا میں اکیلا بھائی ہوں میری کوئی بہن نہیں ہے سب فرینڈ ہنسیں گے مجھ پر کہ اتنی بڑی بہن کہاں سے آ گئی ازمیر کی۔'' وہ خفا خفا سا تھا۔

''کزن بھی تو بہن ہوتی ہے ناں بیٹا نہیں تو

آپ کہہ دینا آپ کی دوست ہے حرم۔" بابا نے نئی راہ سجھائی تو وہ چونک اٹھا۔

"مگر بابا یہ میری فرینڈ کیسے ہو سکتیں ہیں یہ بہت ڈرپوک ہیں۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولا تو بابا بے اختیار مسکرا اٹھے پھر دونوں کو دائیں بائیں بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولے۔

"حرم ڈرپوک ہے تو کیا ہوا میرا بیٹا میرو تو بہت بریو (بہادر) ہے ناں وہ حرم کو بہادر بنائے گا ٹھیک ہے ناں۔"

"ٹھیک ہے بابا پھر اس سے پوچھ لیں یہ میری اچھی دوست بنے گی ناں یا پھر لڑتی رہے گی جیسے میرے دوست لڑتے ہیں۔" وہ وعدہ لے رہا تھا، حرم نے جھٹ پٹ اثبات میں سر ہلایا پھر وہ واقعی اس کا دوست بن گیا، اچھا مگر جنونی دوست جو نہ خود دوست بناتا نہ حرم کو بنانے دیتا خود کے اپنے جتنے بھی دوست تھے سب سے قطع تعلق کر دیا شروع میں حرم کو اس کا یہ انداز اچھا لگتا مگر بعد میں کچھ واقعات ایسے ہوئے جن سے وہ پریشان ہو گئی وقت گزرتا رہا وہ دونوں ساتویں کلاس میں آ گئے اس دن ازمیر کو بخار تھا وہ اکیلی ہی سکول آئی تھی بابا نے وین لگوا رکھی تھی ان دنوں کلاس میں ایک نئی لڑکی آئی تھی ساری کلاس میں اس کی خوبصورتی کے چرچے تھے سرخ سرخ سیب کی طرح پھولے گالوں والی کلثوم، حرم کو بھی بہت اچھی لگتی مگر ازمیر کے ڈر سے وہ کم ہی اسے بلاتی اس دن ازمیر چھٹی پہ تھا شومئی قسمت اس دن کلثوم خود چل کر اس کے پاس آئی اسے کچھ سوال سمجھنے تھے حرم نے بغیر کسی جھجک کے اسے سوال سمجھائے تھے کلثوم کی اچھی نیچر کے باعث چند ہی منٹوں میں ان کے درمیان اچھی دوستی ہو گئی تھی، وہ پورا ہفتہ ازمیر چھٹی پہ تھا اور اس پورے ہفتے میں وہ کلثوم کے بہت قریب آ چکی تھی

اور یہ بات ازمیر کو نہایت ناگوار گزری تھی کلاس میں موجود وہ ڈیسک جہاں وہ حرم کے ساتھ بیٹھتا تھا وہ جگہ کلثوم لے چکی تھی بریک ٹائم لنچ کرتے ہوئے ان دوؤں کے درمیان کلثوم تھی ہوم ورک کرتے ہوئے اکثر وہ ایک دوسرے سے پوائنٹ پوچھ کر کرتے ایک دوسرے کو سمجھاتے ایک دوسرے کا ہوم ورک کر دیتے آج ان کے ساتھ کلثوم موجود تھی ازمیر کی برداشت بس یہیں تک تھی چھٹی ٹائم جب وہ کلثوم کو ورک سمجھا رہی تھی کلثوم پاس بیٹھی پین میں سیاہی بھر رہی تھی ازمیر خاموشی سے اٹھا اور ان کے قریب جا کھڑا ہوا کام کرتے ہوئے حرم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جسٹ ون سیکنڈ میرو بس کلثوم کا ورک کمپلیٹ......" آدھی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی وہ شاک بھری نظروں سے میرو کو دیکھ رہی تھی، جس نے کلثوم کے آگے سے سیاہی کی بوتل اٹھائی اور کلثوم کی نوٹ بک پہ گرا دی۔

"اوئے بدتمیز۔" کلثوم غصے سے چیخی تھی مگر اگلا ہی لمحہ اس پہ بھاری گزرا تھا میرو نے ہاتھ میں تھامی باقی بچی سیاہی کلثوم کے منہ پہ گرا دی اور حرم کو غصے سے گھورتا ہوا وہاں سے نکل گیا اس دن حرم کو زندگی میں پہلی بار اس کا یہ روپ برداشت نہ ہوا گھر آ کر اس نے پہلی دفعہ میرو کی شکایت بابا سے کر دی بابا اور اماں سے اسے اچھی خاصی ڈانٹ پڑی بابا تو اس پہ ہاتھ اٹھانے اٹھاتے رہ گئے وہ تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا حرم بھی شاید وہ اب سدھر جائے گا مگر اگلے ہی دن بھری کلاس میں جب ٹیچر نے کلثوم سے ہوم ورک مانگا جونہی کلثوم نے بکس نکالنے کے لئے بیگ کھولا اگلے ہی لمحے پورا کمرہ اس کی چیخوں سے گونج اٹھا وہ سیٹ پہ کھڑی چیخیں مار رہی تھی اور پوری کلاس اس کی حرکت پہ دانت نکال رہی تھی

اگلے ہی پل حرم بھی بوکھلا کر اٹھی تھی جب کلثوم کے بیگ سے چار پانچ مینڈک پھدک کر باہر نکلے تھے بچوں سمیت ٹیچر بھی چیخیں مارتے باہر کو لپکے پلک جھپکتے کلاس خالی ہو چکی تھی سوائے ان تینوں کے، جو ڈیسک پہ پاؤں سمیٹے خوفزدہ سی بیٹھی تھی۔

"کلثوم!" جو چیختی مارتی کلاس کے سب سے آخری ڈیسک کے نیچے سہمی سی بیٹھی تھی، ازمیر جو اس نظارے کو مسلسل انجوائے کرتے مسکرا رہا تھا۔

اور بریک ٹائم جب وہ کلثوم کے پاس بیٹھی اسے دلاسے دے رہی تھی تبھی وہ ان کے قریب آیا تھا، حرم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا تھا اور نیچے جھلک کر کلثوم کو بغور دیکھا۔

"بہت ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہوں؟"

"آئندہ مجھے حرم کے آس پاس بھی نظر آئی تو آج بیگ میں مینڈک رکھا تھا کل سانپ رکھنے سے بھی گریز نہیں کروں گا سمجھی۔" اور حرم کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے گیا تھا۔

"میرو یہ سب تم نے کیا تھا؟" حرم شاک میں تھی۔

"تمہیں تو مینڈکوں سے ڈر لگتا تھا ناں پھر کیسے؟" میرو نے غصے سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں نے رکھا تھا اور میں سچ کہہ رہا ہوں آئندہ آپ اس کے ساتھ مجھے نظر آئی میں اس سے بھی برا کروں گا اس کے ساتھ۔"

"میرو دیکھو وہ بہت اچھی ہے تم اس بے چاری کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہے ہو۔" حرم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"ہاں وہ اب اچھی ہوگئی میں برا بن گیا ناں ایک بات بتائیں مجھے میں ایک دوست اچھا نہیں تھا کیا آپ کا جو آپ کو اور دو دوستوں کی ضرورت پڑ گئی۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میرو ایسی کوئی بات نہیں ہے تم خواہ مخواہ......"

"ٹھیک ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے تو مجھ سے وعدہ کرے آپ آئندہ میرے علاوہ کوئی دوست نہیں بنائیں گی بالکل بھی نہیں وعدہ کریں۔" وہ جذباتی ہوا۔

"میرو!" حرم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"بس میں نے کہا وعدہ کریں آپ۔" وہ ضد ہوا حرم نے چپ چاپ اپنا نازک ہاتھ اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔

"اوکے میں نے وعدہ کیا۔"

"ہاں اب آپ وعدہ توڑیں گی بھی نہیں میں بھی وعدہ کرتا ہوں آپ کے علاوہ کبھی کسی کو بھی دوست نہیں بناؤں گا ہر بات آپ سے شیئر کروں گا۔" وہ مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامے کھڑا رہا تھا حرم ڈھیر سے مسکرا دی اور آنے والے دنوں میں اسے پتا چلا تھا کہ میرو نے وعدہ کر کے وہ کتنے خسارے میں رہی تھی حرم کو تو کوئی دوست بنانے نہیں دیے تھے جبکہ خود وعدے پہ قائم بھی نہ رہ سکا تھا۔

☆☆☆

وہ سیکنڈ ایئر میں تھے جب بہت اچانک ایک دن بابا نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے موند لی تھیں زندگی جیسے ان کے لئے رک سی گئی تھی مگر اماں نے انہیں بکھرنے سے بچا لیا تھا، مرغی کے بچوں کی طرح انہیں اپنے پروں میں سمیٹ لیا تھا، بابا کے جانے کے بعد بھی کام نہیں رکے تھے بابا کی چار دکانوں کا کرایہ آ جاتا تھا جبکہ حرم اور ازمیر نے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی تھی، گھر کا خرچہ اور کالج کی فیس آرام سے نکل آتی تھی، بابا

کے بغیر زندگی مشکل تھی مگر وہ تینوں ایک دوسرے کا سائبان بنے مشکل زندگی کو دھکیلنے میں مصروف تھے، انہی دنوں ان کے کالج میں وہ آئی تھی جس نے میرو کی زندگی بدل ڈالی تھی۔

"بیا آفندی" سہیل آفندی کی مغرور نک چڑھی نخریلی خودسر اکلوتی بیٹی جسے اپنی دولت کے ساتھ ساتھ اپنے حسن پہ ناز تھا اور کیوں نہ ہوتا وہ جہاں سے گزرتی کالج کے لڑکے دل تھام کر رہ جاتے، مگر اس کی نظر ٹھہری بھی تو اس پر جس نے زندگی میں آئندہ بھی حرم کے علاوہ دوست بنانے سے کسی سے وعدہ کر رکھا تھا۔

مگر بیا کے آگے وہ ہر وعدہ بھول گیا، دوستی کا پہلا ہاتھ بیا نے بڑھایا تھا اور حرم نے مسکرا کر اسے یوں دیکھا کہ بیٹا تمہاری دال یہاں نہیں گلنے والی مگر اگلے ہی پل وہ حقیقتاً شاک ہوئی تھی جب ازمیر نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر دوستی کی ابتداء کر ڈالی تھی اور آنے والے دنوں میں، بیا کو دیکھ کر میرو کی آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھ کر وہ اس قابل ہی نہ رہ سکی کہ اس سے وعدہ توڑنے کا ہی پوچھ لیتی، آہستہ آہستہ یہ دوستی پسندیدگی کی طرف بڑھی اور پھر پسندیدگی سے پیار میں بدل گئی، بیا کا آہستہ آہستہ ان کے گھر آنا جانا ہوا شروع شروع میں اماں ٹھیک رہی مگر بعد میں ٹوکنا شروع کر دیا، کبھی انہیں اس کی ڈریسنگ پہ اعتراض ہوتا کبھی اس کے روز روز آنے پہ کبھی اس کا میرو کے ساتھ ہنسی مذاق پہ اور پھر تو وہ باقاعدہ بیا کے سامنے ہی شروع ہو جاتی دراصل اب وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی، کہ انہیں اپنے بیٹے کی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں نے پریشان کر ڈالا تھا، جبکہ وہ تو کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

"مجھے لگتا ہے جیسے میری زندگی کے دن بہت کم رہ گئے ہیں، جیتے جی میں تم دونوں کی شادی کر جاؤں تم دونوں کے بچوں کو گود میں اٹھاؤں تمہارے ابا کی بھی یہی خواہش تھی مگر زندگی نے مہلت ہی نہ دی۔"

اگلے دن رات کھانے پہ وہ اور اماں ہی موجود تھے ("حرم بھوک نہیں ہے" کا بہانہ بنا کر اپنے روم میں تھی) جب اماں نے بات شروع کی تھی، ازمیر کو رغبت سے کھانا کھاتے دیکھ کر اماں کا حوصلہ بڑھا تھا۔

"تم دونوں کا آخری سال ہے دس دنوں بعد امتحان بھی شروع ہے میں چاہتی ہوں امتحانوں کے فوراً بعد تم دونوں کی شادی کر دوں۔" اماں نے سکون سے بات ختم کی تھی اتنے ہی سکون سے ازمیر نے کھانا ختم کرنے کے بعد اماں کو دیکھا تھا۔

"پہلی بات تو یہ اماں کہ ابھی مجھے شادی نہیں کرنی چھ سات سال تو بالکل بھی نہیں ابھی میرے امتحان ہے امتحانوں کے بعد مجھے ڈگری ملے گی تب میں کوئی جاب کروں گا دو تین سال تو میں صرف اچھا خاصا کماؤں گا پھر اس پیسے میں اپنا بزنس اسٹارٹ کروں گا اور جب تک میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوں گا تب تک آرام سے سات آٹھ سال تو گزر ہی جائیں گے ہاں، پھر میں شادی کے بارے میں ضرور سوچوں گا۔" ازمیر نے آرام سے بات مکمل کر کے اماں کو دیکھا جو کڑی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے پانچ سات سال میں حرم کو تیرے انتظار میں بیٹھائے رکھوں گی؟ مہینے [illegible]نا ہے وہ تم سے چوبیس سال کی ہوئی ہے اگلے چھ سالوں میں تیس کی ہو جائے گی تب بھی میں اسے بیٹھائے رکھوں کیا؟" اماں بھڑکی تو ازمیر چونک اٹھا۔

"ایک سیکنڈ ایک سیکنڈ میں نے یہ کب کہا آپ حرم کو میرے انتظار میں بٹھائے رکھیں، آپ کوئی بھی اچھا رشتہ دیکھ کر حرم کی شادی کر دیں مگر پلیز اماں میرے بارے میں ابھی مت سوچیں۔" ازمیر نے میٹھے کا ڈونگہ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا جب اماں نے تقریباً چھینتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ڈونگہ لے لیا۔

"میں اسی کی بات کر رہی ہوں تم اپنے اور حرم کے درمیان کسی تیسرے کو سوچ بھی کیسے سکتے ہو میرو؟" (اماں نے کسی پرانی بات کی یاد دلائی تھی) مگر وہ لاپرواہ تھا یا بن گیا۔

"اماں پلیز میں اور حرم صرف دوست ہیں بہت اچھے دوست اس سے آگے میں نے سوچا تک نہیں اور آپ جانتی ہیں میں کسے پسند کرتا ہوں آپ جان بوجھ کر اگنور کر رہی ہیں، آئندہ پلیز آپ ایسی بات دوبارہ مت کرنا حرم نے سنا تو کیا سوچے گی۔" وہ بات ختم کر کے اٹھا اور لاؤنج کی جانب بڑھ گیا اور اماں افسوس سے اسے جاتا دیکھتی رہیں اور اس گھر کی وہ "تیسری فرد" جو اس وقت موضوع بنی تھی چپ چاپ اپنے بارے میں میرو کے خیالات جان کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

کسی گانے کی شوخ دھن پہ سیٹی بجاتا وہ گھر داخل ہوا تھا مگر گھر میں پھیلی مزیدار خوشبوئیں اسے کچن میں کھینچ لائی تھیں چولہے کے پاس کھڑی اماں کچھ بنا رہی تھیں جبکہ حرم کی دروازے کی جانب پشت تھی وہ نجانے کیا کر رہی تھی وہ دروازے سے اندر چلا آیا۔

"کوئی خاص مہمان آ رہا ہے کیا؟" حرم کے کندھے کے پیچھے سے اچک کر دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا کیک کا آمیزہ بناتی حرم نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور دوبارہ کام میں مگن ہو گئی۔

"کچھ لوگ آ رہے ہیں حرم کو دیکھنے کے لئے۔" جواب اماں کی جانب سے آیا تھا ازمیر کرنٹ کھا کے مڑا تھا۔

"واٹ؟ کون لوگ آ رہے ہیں، اماں آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں اس بارے میں؟"

"ہماری پڑوسن کی نسیمہ آپا ہے ناں ان کی کسی دور کی رشتہ دار کزن کا بھانجا ہے اکیلا رہتا ہے اچھی بھلی نوکری کرتا ہے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے نہ والدین نہ بہن بھائی، نسیمہ آپا بہت تعریف کر رہی تھیں شام کو آ رہے ہیں تم بھی مل لینا اگر رشتہ پسند آیا تو آج ہی انگوٹھی پہنا جائیں گی۔" اماں نے بنا مڑے سکون سے جواب دیا تھا ازمیر کا تو گویا سکون ہی لٹ گیا تھا۔

"اماں ایسے کیسے انگوٹھی پہنا جائیں گے ہم لڑکے کو جانتے نہیں آج آ جائیں گے ٹھیک ہے مگر بات کیسے پکی کر دیں پہلے اس کے بارے میں چھان پھٹک کریں گے اس کے بعد جواب دیں گے آپ کو جلدی کس بات کی ہے اماں؟" وہ چڑ کر بولا تھا اماں نے مڑ کر سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے جلدی ہے میرو، تمہارے لئے بھی تھی مگر تمہیں کون سا ماں کی خواہش عزیز ہے تم وہی کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے، اس انگریزنی کے ساتھ باہر گلچھرے اڑاؤ یا اسے گھر بلا کر بیٹھاؤ تمہیں نہیں روک رہی میں اپنی تمہاری مرضی میں لیکن میں اپنی بیٹی کی بات کر رہی ہوں اب کم از کم بیچ میں ٹانگ تو مت اڑاؤ۔" اماں کا چہرہ سپاٹ مگر لہجہ التجائیہ تھا۔

میرو نے بے بسی سے حرم کو دیکھا۔

"آپ ہی کچھ بول دیں آخر آپ کی زندگی

کے اتنے بڑے فیصلے کی بات ہو رہی ہے۔"

"میں اماں کے ہر فیصلے پر خوش ہوں۔" حرم نے کیک کا آمیزہ سانچے میں ڈال کر اوون میں رکھا اور گویا بات ہی ختم کر دی، اماں نے اسے جتاتی نظروں سے دیکھا اور رخ موڑ لیا اور اس بھیگی آوارہ اداسی بھری شام میں اماں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا حرم کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں نسیمہ آپا کے بھانجے (زین) کے نام کی انگوٹھی سج گئی اور میرو اس کے بے تاثر چہرے پہ جذبات کی رمق ہی ڈھونڈتا رہ گیا۔

☆☆☆

اس دن وہ دونوں آخری پیپر دے کر لوٹے تو اماں کو گم صم سا لاؤنج میں بیٹھا پایا ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اماں ہمیشہ یونیورسٹی واپسی پہ دونوں کا انتظار کرتی پائی جاتی تو آج ایسا کیا ہوا تھا اماں نے ان کے آنے کا نوٹس تک نہ لیا تھا سلام کرتے ہوئے دونوں اماں کے دائیں بائیں جا بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا؟" حرم نے اماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا جواب ندارد۔

"اماں!" اب کے میرو نے گھٹنا ہلایا اماں نے خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے سب خیریت ہے ناں۔" وہ پریشان ہو اٹھا تھا۔

"تمہارے کسی دوست کا فون آیا تھا۔" (ذرا رکی) دونوں نے پریشانی سے اماں کا چہرہ دیکھا، (ایسی کیا بات تھی جو وہ اتنی غمزدہ تھی)۔

"کہہ رہا تھا تمہاری باہر جانے کی ٹکٹ کنفرم ہو گئی ہے۔" اماں کی آواز رندھی تھی حرم نے حیران ہو کر اسے دیکھا جبکہ ازمیر نے خوشی سے بے قابو ہوتے اماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"سچ اماں؟" اماں نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایسی کون سی مجبوری تجھے آگئی تھی میرو جو تو باہر جانے کا سوچنے لگا بلکہ ہمیں بتائے بغیر ساری تیاری بھی کر لی کیا تجھے کھانے کو نہیں ملتا تھا یا تجھے جیب خرچ میں کم دیتی تھی، تو نے ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں سوچا میرو کہ پیچھے ہم ماں بیٹی اکیلی کیسے رہیں گی۔" اماں کے آنسو ازمیر کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تو وہ تڑپ کے سیدھا ہوا۔

"ایسی بات بالکل بھی نہیں تھی اماں میں آپ کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا میرے کاغذات مسئلہ کر رہے تھے، تو میں نے سوچا جب تک ہم بن کے آ جائے گئے تب تک ایگزیم بھی ختم ہو جائیں گے اور جہاں تک بات ہے جیب خرچ کی اماں تو میں اپنے لئے نہیں آپ کے لئے حرم کے لئے اور......" (ذرا سا جھجک کے رکا)۔

"بیا کے لئے جا رہا ہوں بیا کے پاپا چاہتے ہیں کہ ان کا داماد جو بھی بنے وہ ان کی ٹکر کا ہو یعنی پیسے والا وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے بزنس میں ان کے ساتھ ہاتھ بٹاؤں ان کے ساتھ رہوں مگر اماں میں بے غیرت شوہر نہیں بن سکتا جو اپنی بیوی کے پیسے پہ راج کرے اس لئے میں نے انہیں انکار کر دیا اور باہر جانے کی تیاری شروع کر دی اور پھر اماں دو سال کی تو بات ہے کماؤں گا واپس آ کے بزنس کروں گا اور یہ جو ہمارا دو کمروں کا فلیٹ ہے ناں اسے بیچ کر ایک بڑا سا بناؤں گا اور...... بس......" وہ اپنے ہی دھیان میں بولے چلے جا رہا تھا جب اماں نے درشتی سے اسے ٹوک دیا تا وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تمہیں باہر جانا ہے ناں تم جاؤ تمہیں بہت کمانا ہے یا بیا سے شادی کرنی ہے کرو مگر میرو میری ایک بات تم آج سن لو اب گھر کے

بارے میں ایک بات بھی مت کرنا یہ گھر تمہارے باپ اور میں نے کتنے وقتوں سے پائی پائی جوڑ کر بنایا تھا تم نہیں جانتے تمہارے لئے یہ دو کمروں کا گھر ہے مگر میرے لئے میری جنت ہے آئندہ میں تمہارے منہ سے اس گھر کو بیچنے یا اسے کرائے پر دینے کو نہ سنوں ہاں، جس دن میں مر گئی ناں اس دن جو مرضی کرنا اس گھر کا کیونکہ تمہارا باپ یہ گھر تم دونوں کے نام ہی تو کر گیا ہے ناں مگر خدا کے واسطے جب تک میں زندہ ہوں تب تک اسے بیچنے کا تو مت سوچو ناں۔''

آخر میں اماں نے باقاعدہ اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے (میرو اور حرم نے تڑپ کے اماں کے ہاتھ تھامے تھے) اور پھر اسی رات اماں کی شوگر اتنی لو ہو گئی تھی کہ ہسپتال لے جاتے اماں رستے میں ہی دم توڑ گئی تھی، (پتا نہیں انہیں میرو کا باہر جانا یا گھر بیچنے کا ارادہ مار گیا تھا)۔

☆☆☆

آج اماں کے قل تھے تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا لوگ آ جا رہے تھے ازمیر باہر لاؤنج میں مردوں کے ساتھ جبکہ حرم اندر کمرے میں عورتوں کے ساتھ موجود تھی پچھلے دو دنوں سے اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ ازمیر بیچارا باہر کے معمولات کے ساتھ ساتھ اسے بھی سنبھال رہا تھا نہ وہ کچھ کھاتی تھی نہ کوئی بات کرتی تھی بس روئے چلی جا رہی تھی اسے لگتا تھا اس کا غم بہت بڑا تھا وہ یہ بالکل بھی نہیں سوچ رہی تھی کہ ماں تو ازمیر کی بھی مری تھی جو بظاہر سب سنبھالے ہوئے تھا مگر جب جب وہ اس کے ساتھ لگ کے روتی تھی تو وہ بھی خود کو کنٹرول نہ رکھ پاتا (آخر اسے بھی تو رونا تھا نہ سب کے سامنے بیشک کنٹرول کر لیتا آنسو ضبط کرتا دنیا کی نظر میں وہ مرد تھا مگر کیا مرد کے سینے میں دل نہیں ہوتا حرم جب دھاڑیں مار مار کر روتی تو وہ اسے خود میں بھینچے خود پر سے بھی ضبط کے پہرے ہٹا لیتا)

آہستہ آہستہ مہمان رخصت ہوتے چلے گئے آخر میں نسیمہ آپا ''زین'' اور آپا کے خاندان کی چند بڑی خواتین ٹھہر گئی تھیں ازمیر حرم کو کمرے سے نکال کر باہر لاؤنج میں لے آیا۔

''میرو بیٹے تم سے ایک بات کرنے کو ہم لوگ رکے تھے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔'' تعزیت وغیرہ کرنے کے بعد نسیمہ آپا نے تمہید باندھی تھی حرم نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور زین کو خود کو گہری نظروں سے دیکھتے پا کر دوبارہ نظریں جھکالی تھی۔

''جی آنٹی ضرور آپ کہیں ناں۔'' کھٹکا تو ازمیر کو بھی تھا مگر بظاہر مسکرایا تھا۔

''بیٹا تم ناراض مت ہونا لوگوں کا تو کام ہوتا ہے باتیں کرنا، جتنی منہ اتنی باتیں، مگر اب کیا کریں ہمارا ابھی تم لوگوں سے رشتہ داری کا ایک رشتہ بن چکا ہے اسے قائم تو رکھنا ہی ہے ناں اب تو میں چاہ رہی تھی کہ ہم لوگ سادگی سے ہی سہی مگر زین اور حرم کا نکاح کر ہی دیں رخصتی بھی سادگی سے ہو جائے گی زلیخا بیگم کی وجہ سے دھوم دھڑکا تو کر نہیں سکتے تو......'' بات ادھوری چھوڑ کر ان دونوں کو دیکھا جو حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''مگر آنٹی اماں کو گزرے ابھی دو دن نہیں ہوئے۔'' آخر ازمیر نے ہی پہل کی تھی۔

''تمہاری بات سمجھ رہی ہوں بیٹا اللہ زلیخا کو جنت میں جگہ دے اب اس کے ہوتے ہوئے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا مگر تم جانتے ہو ناں اب لوگوں کی زبانیں تو ہم پکڑ نہیں سکتے ناں، لوگ بھی ویسے ٹھیک کہتے ہیں۔''

"تم لوگ سگے بہن بھائی تو ہو نہیں زلیخا بیگم بیشک کہتی تھی یا تم دونوں یوں سمجھتے ہو تو آنکھوں دیکھی بات اب جھوٹی تو ہو نہیں سکتی جوان ہو خوبصورت ہو دونوں اور یہ بھی سچ ہے کہ اکیلے مرد اور عورت کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے تو بیٹا شکوہ نہ کرنا ناراض بھی مت ہونا تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں کل شام کو چار لوگ لے آؤں گی سادگی سے دونوں کا نکاح کر کے رخصت کروا کے لے جاؤں گی۔" نسیمہ آپا نے گویا فیصلہ سنایا تھا۔

"مگر آنٹی۔" حرم نے کچھ کہنا چاہا جب ازمیر نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا (وہاں بیٹھی خواتین نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا)۔

"ٹھیک ہے آنٹی ہم سوچ کے آپ کو کل جواب دیں گے۔" ازمیر نے گویا بات ختم کر دی تھی۔

☆☆☆

اگلے ہی دن صبح صبح بیا چلی آئی تھی آتے ساتھ ہی وہ ازمیر کے ساتھ لگ گئی (حرم نے خاموشی سے اس منظر کو دیکھا تھا، اماں کے ہوتے ہوئے وہ جب بھی گھر آئی تھی ازمیر کے یوں انتہائی قریب کبھی نہیں گئی تھی)۔

"مجھے تمہاری مدر کا سن کے بہت افسوس ہوا، ازمیر مگر میری مجبوری تھی آ نہیں سکی فیملی تو ہمارا لندن میں تھی اس لئے کل رات تھکی ماندی گھر پہنچی ہوں باقی فیملی ابھی وہی ہے میں اور پاپا ہی آئے ہیں، بابا کو ایک دو ضروری کام تھے ورنہ وہ ضرور آتے۔" وہ اب اس سے چپکی بیٹھی تھی، ازمیر نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے اپنا بازو نکالا تھا تبھی نسیمہ آپا دوبارہ چلی آئی تھی مشکوک نظروں سے انہوں نے بیا اور ازمیر کو ساتھ ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔

"منگیتر ہے ازمیر کی۔" حرم نے سٹپٹا کر وضاحت کی تھی جب کے ازمیر تیزی سے بیا کے قریب سے اٹھ گیا تھا (بیا نے ناگواری سے نسیمہ آپا کو دیکھا جنہوں نے رنگ میں بھنگ ڈالا تھا)۔

"اچھا بھئی کب منگنی ہوئی میرو کی زلیخا نے تو کبھی ذکر تک نہیں کیا بھئی؟ حالانکہ اب تو ہم اس کے ساتھ رشتہ داری بنا رہے تھے۔" ناک سے عینک اٹھا کر آنکھوں پہ جمائی بیا کو غور سے دیکھا اور پھر سوال جڑ دیا۔

"وہ......بس جلدی جلدی سب ہو گیا بس زبانی کلامی بات چیت ہوئی تھی میں آپ کے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" حرم نے گڑبڑا کر جھوٹ گڑا ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی جب نسیمہ آپا نے اسے روک دیا۔

"رہنے دو بیٹھو تم دونوں بات کرنی ہے ضروری۔" ہاتھ پکڑ کر دونوں کو قریب بٹھا لیا۔

"زین نے بھیجا ہے مجھے۔" تمہید باندھی (حرم اور ازمیر نے ایک دوسرے کو دیکھا)۔

"بس بیٹا کیا کروں رشتہ داری تو بن ہی رہی ہے ہماری تو ہم سوچ رہے تھے کہ اب جو زین کا ہے وہ سب تو حرم کا ہوا ناں ہے ناں؟" تائیدی نظروں سے دونوں کو دیکھا، دونوں نے الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اب جب زین کا سب کچھ حرم کا ہوا تو حرم کا بھی تو......" بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں سمجھی نہیں۔" حرم نے ناگواری سے انہیں دیکھا بات کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔

"صاف بات ہے بھئی زلیخا بیگم نے ایک بار ذکر کیا تھا یہ گھر حرم کے نام ہے اور جو دکانیں ہیں چار وہ ازمیر کے نام ہے تو بیٹا تم لڑکے ہو کل

کوتم کماؤ گے بلکہ میں نے سنا تھا باہر جا رہے ہو تم تو اچھے خاصے امیر ہو جاؤ گے تم تو اپنا گھر آرام سے بنا سکتے ہو تم یہ گھر اور دو دکانیں حرم کو دے دو کیا ہے کہ بہن ہے تمہاری اپنے گھر میں عیش کرے گی زین شہزادیوں کی طرح رکھے گا اسے اور کون بھائی نہیں چاہے گا کہ اس کی بہن اپنے گھر میں خوش نہ رہے بلکہ میں تو کہہ رہی تھی کہ......"

"بس...... بہت ہو گیا، نہیں کرنی مجھے آپ کے لالچی بھانجے سے شادی وادی۔" نسیمہ آپا بڑے مزے سے بول رہی تھی جب حرم تپ کر اٹھی اور انہیں درمیان میں ہی ٹوک گئی تھی، بیا نے بڑے مزے سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر یہ منظر دیکھا اس کی دلچسپی اچانک سے بڑھ گئی، خواہ مخواہ ہی وہ گھر جانے کا سوچ رہی تھی۔

"ہاہ...... ہائے تمہارے بھلے کو ہی کہہ رہی تھی لڑکی۔" نسیمہ آپا نے تھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"جتنی سیدھی لگ رہی تھی اتنی ہے نہیں۔"

"میں کہہ رہی ہوں ناں مجھے...... حرم......" ازمیر تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا، ہاتھ دبا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے آنٹی آپ زین سے کہنا میں حرم کے نام دو دکانیں نہیں پوری چار لگاؤں گا مگر یہ گھر میری ماں کا ہے اسے میں بیچنے کے بارے تک سوچ بھی نہیں سکتا۔" ازمیر نے آرام سے بات کرنی چاہی۔

"مگر میرو۔" حرم نے ٹوکا تو ازمیر نے غصے سے اسے دیکھا۔

"میں بات کر رہا ہوں ناں۔" دوبارہ سوالیہ نظریں نسیمہ آپا پہ گاڑ دیں جن کی آنکھوں کی چمک چار دو کانوں کا سن کے ہی لشکارے مارنے لگی گئی تھی۔

"وہ دراصل بیٹا زین چاہ رہا تھا کہ تم تو باہر چلے جاؤ گے یہ گھر تو خالی ہوگا ناں تو اس لئے وہ حرم کے ساتھ اسی گھر میں رہے یہ گھر ویسے بھی تو حرم کے نام ہی ہے ناں۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں بولی تھی، چار دو کانیں دے رہا ہے کیا پتا گھر کا بھی مان ہی جائے۔

"سوری آنٹی میں یہ شادی......" حرم نے کہنا چاہا جب ازمیر تیزی سے بولا۔

"ٹھیک ہے آپ ہمیں تھوڑا سا ٹائم دیں۔" حرم نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کل تک کا ٹائم ہے تم لوگوں کے پاس کل مختصر سی بارات لے کے آؤں گی اگر جواب ہاں میں ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ ہماری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھو۔" نسیمہ آپا اپنی کہہ کر چلتی بنی جب کہ وہ پتھر کا بت بنی رہ گئی۔

"انٹرسٹنگ۔" بیا نے مسکرا کر طنز کیا ازمیر نے انہوں کہہ کر اسے گھورا اور پھر معذرت خواہانہ انداز میں حرم کو دیکھا۔

"وہ صحیح کہہ رہی ہیں حرم میں لڑکا ہوں کام کر کے کچھ بھی بنا سکتا ہوں مسئلہ آپ کا ہے میں چاہتا ہوں آپ خوش رہیں بس۔" دھیرے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا حرم نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"تم بس انکار کر دو مجھے نہیں کرنی اس لالچی لڑکے سے شادی سنا تم نے۔" وہ تقریباً چیخ اٹھی تھی۔

"حرم آپ سمجھنے کی کوشش کریں اس وقت ہم مجبور ہیں ہم لوگوں کی زبانیں کیسے بند کریں پھر؟" وہ پریشان ہوا تھا۔

"مجبور صرف میں ہوں تم نہیں ہو میرو، میں ہی کیوں کروں شادی؟ تم بھی کر سکتے ہو ناں تم

شادی کرو بیا کو یہاں رکھو، لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی خود بخود۔" حرم نے اسے نئی راہ سجھائی تھی۔

"میں کیسے؟" ازمیر تذبذب سے بولا۔

"کیا مطلب۔" بیا بھی بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مطلب صاف ہے بیا لوگوں کو ہم دونوں کے اکٹھا رہنے پہ اعتراض ہے، میری شادی ہو نہیں سکتی وجہ تم دیکھ چکی ہو اور میرو کی شادی تم سے ہونی ہے کل کیوں آج کیوں نہیں؟" حرم نے ہاتھ تھام کر اسے سمجھانا چاہا۔

"مگر حرم تم جانتی ہو پاپا نہیں مانیں گے اور پھر میں بھی اس سب کے لئے تیار نہیں اور پھر اتنی سادگی سے بالکل بھی نہیں میں نے تو اتنے پلانز کیے ہوئے ہیں میں یہ سب ابھی نہیں کر سکتی پلیز۔" بیا نے نزاکت سے بالوں کو جھٹکا دیا حرم نے ایک نظر خود پر ضبط کرتے ازمیر کو دیکھا اور بیا کے قریب چلی آئی۔

"تم میرو سے پیار کرتی ہو ناں؟" انداز ایسا تھا کہ بیا تو بیا ازمیر بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" بیا نے ناگواری سے حرم کو گھورا۔

"مطلب صاف ہے میرا اگر تم میرو سے محبت کرتی ہو تو اس مشکل وقت میں اس کا ساتھ دو گی۔" حرم نے سکون سے اسے دیکھا۔

"میں میرو سے بہت محبت کرتی ہوں یہ بات وہ بھی جانتا ہے بہت اچھے طریقے سے۔" وہ چبا چبا کر گویا ہوئی۔

"حرم ٹھیک کہہ رہی ہے بیا فی الحال سادگی سے ہی سہی ہمیں نکاح کر لینا چاہیے بعد میں ولیمہ دھوم دھام سے کر لیں گے۔" ازمیر آہستگی سے اٹھ کر قریب چلا آیا بیا نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"آر یو میڈ میرو؟" لہجہ بے یقین تھا۔

"ہاں یا ناں مجھے جواب دو بیا۔" ازمیر سنجیدہ ہوا۔

"میرو تم......" بیا نے کچھ کہنا چاہا۔

"بیا میں نے کہا ہاں یا ناں؟" لہجہ مزید گمبھیر ہوا، بیا نے تھک کے گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

"اوکے میں جا کے آج پاپا سے بات کرتی ہوں۔" انداز ٹالنے والا تھا۔

"بات نہیں کرو گی تم مناؤ گی انہیں بیا۔" ازمیر جلدی سے بولا تھا۔

"اوکے ٹھیک ہے بٹ اب اتنے روڈ تو مت ہو۔" بیا کا انداز دلبرانہ تھا، نا چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

نسیمہ آپا کو انکار کر دیا گیا انہوں نے تو وہ شور مچایا کہ الامان اگلے ہی دن وہ محلے کے بزرگوار کو لے چلی آئی مسئلہ وہی لڑکا لڑکی اکیلے ایک گھر میں نہیں رہ سکتے (آخر انکار کا کوئی بدلہ تو اتارنا تھا ناں) ازمیر نے آرام سے سمجھایا کہ وہ کل ہی نکاح کر کے اپنی بیوی کو لے کر اس گھر میں آ جائے گا اگر کسی کو پھر بھی اعتراض ہے تو جب تک نکاح نہیں ہو جاتا تب تک نسیمہ آپا ان کے ساتھ رہ سکتی ہے اور نسیمہ آپا یوں اچھلی گویا کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"نا میاں میں اتنی فارغ بیٹھی ہوں جو تم لوگوں کی نگرانی پہ بیٹھی رہوں میرے اپنے بھی سو کام ہیں میاں تمہاری مہربانی۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے ہم کل تک کا ٹائم مانگ تو رہے ہیں۔" پیشانی پہ بلوں کا اضافہ ہونے لگا،

مگر اصل جھٹکا اسے تب لگا جب اگلے دن بیا کو کال کی۔
''ایم سوری میرو میں نے پاپا کو بہت منایا مگر وہ مانتے ہی نہیں وہ چاہتے ہیں ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی دھوم دھام سے ہو مجھے بتاؤ میں اب کیا کروں؟'' وہ واقعی پریشان تھی یا پوز کر رہی تھی، وہ سمجھ نہ سکا۔
''تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو بیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''تم مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو میرو۔'' دوسری طرف وہ چونکی تھی۔
''تم بتاؤ تم میرے لئے کیا کر سکتی ہو؟'' وہ سنجیدہ ہوا تھا۔
''جان دے سکتی ہوں۔'' وہ ادا سے بولی۔
''جان دے سکتی ہو پاپا کو نہیں منا سکتی؟'' لہجہ طنزیہ تھا، وہ بھڑک اٹھی۔
''تم مجھے آزما رہے ہو میرو؟''
''نہیں سچ اگلوا رہا ہوں، تم میرے لئے اپنے پاپا کو چھوڑ سکتی ہو۔'' نجانے کیسے اس کے منہ سے نکلا تھا دوسری جانب خاموشی چھا گئی تھی۔
''بیا؟'' ازمیر نے پکارا۔
''ایم سوری ازمیر پاپا مجھے لے کر واپس لندن آگئے ہیں ہم لندن میں ہیں میں نے تمہیں اس لئے نہیں بتایا کہ تمہیں برا لگے گا۔'' وہ اداس بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی، وہ حقیقتاً شاک ہوا۔
''تم واپس بھی تو آسکتی ہو بیا تمہارے لئے کون سا مشکل ہے۔''
''ایم سوری ازمیر میں پاپا کو دکھ نہیں دے سکتی یہ بھی سچ ہے میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' کہا اور ٹھک سے فون بند کر دیا وہ شاک زدہ رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اور اسی شام محلے کے چند بزرگوں کی موجودگی میں وہ حرم کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں لے آیا وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔
''ہم دونوں ایک گھر میں اکیلے نہیں رہ سکتے بے شک، ہم دونوں کو ایک ہی ماں باپ نے پالا ہو لوگوں کی نظروں میں ہم بہن بھائی نہیں ہم کزن ہیں ہم ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں اس لئے میں حرم کو اپنے لئے محرم بنانے کے لئے ان کے ساتھ ابھی اور اسی وقت آپ سب کی موجودگی میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔
''میرو؟'' وہ دنگ رہ گئی۔
''تم پاگل ہو؟''
''میں ابھی تو ہوش میں آیا ہوں۔'' وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا یہی بے چینی تو حرم کو تھی کہ وہ اسے دیکھ کیوں نہیں رہا۔
''بیا کو کیا جواب دو گے؟'' وہ اس کے رویئے سے پریشان ہوئی۔
''میں جانتا ہوں میں آپ کے قابل نہیں ہوں جس دن مجھے آپ کے قابل انسان مل گیا میں آپ کو اسی دن چھوڑ دوں گا میں وعدہ کرتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا آواز اتنی آہستہ تھی کہ حرم کو بمشکل سنائی دی۔
''مگر میرو، بیا۔'' حرم کی آواز شور میں ہی دب گئی تھی، نکاح شروع ہو چکا تھا وہ پتھرائی میرو کو دیکھتی رہی جو نکاح کی رسومات پوری کر رہا تھا اگلے چند لمحوں بعد مولوی صاحب اس سے شاید کچھ پوچھ رہا تھا۔
''قبول کیا؟'' دماغ سن ہو رہا تھا کچھ سمجھ نہ آئی تبھی میرو نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔
''حرم بولو ناں قبول ہے...... حرم؟'' میرو کچھ کہہ رہا تھا، حرم نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے

دیکھا۔

''میرو بیا کیا کہے گی؟''

''حرم پلیز۔'' میرو کے لہجے میں التجا سی تھی مولوی اب پھر کچھ کہہ رہا تھا حرم کی ''قبول ہے'' کی آواز پر ازمیر نے ضبط سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

☆☆☆

ساری رات اپنے اپنے روم میں اپنے اپنے بستروں پر دونوں بس کروٹیں ہی بدلتے رہے تھے سو کوئی بھی نہ سکا تھا اگلی صبح فجر پڑھ کر وہ قرآن پاک اٹھائے لاؤنج میں چلی آئی تھی میرو کا کمرہ ہنوز بند تھا، قرآن پڑھتے ابھی اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب کمرہ کھلا اور وہ باہر چلا آیا تھا وہ چپ چاپ بیٹھی قرآن پڑھتی رہی تھی ازمیر دھیرے سے چلتا اس کے قریب آبیٹھا تھا، کتنی ہی دیر وہ اسے قرآن پڑھتے سنتا رہا یہاں تک کہ غنودگی میں چلا گیا حرم نے دھیرے سے قرآن کو چوم کر جزدان میں رکھا اور اسے دیکھا جو ٹک سک سے تیار شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا مگر اب صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے نیم غنودگی میں تھا وہ آہستگی سے اٹھنے ہی لگی تھی جب وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔

''لگتا ہے رات کو سوئے نہیں۔'' حرم نے دھیرے سے مخاطب کیا، آخر کچھ تو بات کرنی ہی تھی کل سے وہ دونوں اپنے کمروں میں بند تھے۔

''آ..... نہیں بس یونہی۔'' وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہوا۔

''کہیں جانا ہے؟'' اشارہ اس کی تیاری کی طرف تھا۔

''سوچ رہا ہوں کوئی جاب کرلوں دوست نے ایک دو جگہ کا پتا دیا ہے آپ دعا کرنا۔'' سر جھکائے وہ کہہ رہا تھا۔

''تم نے باہر بھی تو اپلائی کیا تھا ناں اس کا کیا؟'' وہ نجانے کیوں بات کو بڑھا رہی تھی، شاید اس کی اداسی کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی۔

''باہر نہیں جاؤں گا جو بھی کروں گا پاکستان میں رہ کر کروں گا اماں کو تو کھو دیا اب آپ کو نہیں کھو سکتا۔'' وہ کتنی بڑی بات کہہ رہا تھا نجانے کس دھن میں کہہ رہا تھا حرم کا بے اختیار دل دھڑکا۔

''میں ناشتا بنا دیتی ہوں۔'' وہ جلدی سے اٹھی جب ازمیر نے روک دیا۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے میں چلتا ہوں۔'' کہہ کر وہ اٹھا جب حرم نے اسے پکارا وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ..... میں کہہ رہی تھی..... کہ..... اگر بیا آئی تو؟''

''اسے پتا ہے ہمارا..... نکاح.....؟'' انگلیاں مروڑتے ہوئے وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

''اب وہ کبھی بھی نہیں آئے گی وہ لندن واپس جاچکی ہے مجھے امید ہے ہم دوبارہ اس ٹاپک پہ کبھی بات نہیں کریں گے۔'' سنجیدگی سے کہتا وہ فلیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا جب کہ وہ گم سم سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی وہ بے حد محتاط ہوگئی تھی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ کر ہی اس کے احساسات جم گئے تھے، بچپن سے جو پسندیدگی دل میں تھی وہ اپنی جگہ مگر ازمیر کی زندگی میں بیا کے آنے کے بعد وہ مزید محتاط ہوگئی تھی، وہ جانتی تھی وہ بیا کو پسند کرتا ہے ہمیشہ اس نے اپنے دل کو ڈپٹ کے ازمیر کی ہاں میں

...ملائی تھی، محبت تو قربانی کا نام ہے ناں اس نے چپ چاپ اپنی محبت قربان کر دی تھی بیا کا اپنے گھر میں آنا جانا اماں سے متعارف کروانا (دوست کہہ کر) پھر آہستہ آہستہ اماں کا ذہن بنانا کہ میرو کی دلہن بیا ہی بنے گی، یہ سب کرنا بہت مشکل تھا مگر حرم نے اپنی محبت کو خوش دیکھنے کے لئے وہ سب کیا تھا اور اب اچانک سے یہ نکاح، بجائے خوش ہونے کے وہ پریشان ہو گئی تھی، کیونکہ میرو پریشان تھا، وہ جانتی تھی وہ جلد یا بدیر اسے چھوڑ دے گا کیونکہ مجبوری کے تحت اس نے حرم سے نکاح کیا تھا حرم نے بھی سوچ لیا تھا وہ بیا کو منا کر جلد ہی میرو سے شادی کروا دے گی وہ اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اور پھر ویسا ہی ہوا تھا ان کے بیچ جو تعلق تھا اسے ان دونوں نے کبھی زنجیر نہیں بننے دیا تھا از میر کے دوست کے توسط سے اسے اس کے انکل کے آفس جاب مل گئی تھی، پیکج بھی اچھا تھا صبح وہ جلدی نکلتا اور شام کو تھکا ماندہ گھر آتا مگر بجائے آرام کرنے کے وہ حرم کو ساتھ لئے بائیک پہ نکل جاتا کبھی آوارہ گردی کرتے یا آئسکریم کھاتے اور کبھی کبھی ڈنر بھی باہر سے ہی کر آتے اور کبھی کبھی وہ اس کے آفس سے آتے ہی اس کے سر پر جا چڑھتی۔

"خود تو سارا سارا دن آفس ہوتے ہو میں اکیلی گھر میں بدروح کی طرح پھرتی رہتی ہوں، بس مجھے نہیں پتا مجھے بھی کہیں پہ جاب لگوا دو میرو۔"

"ارے اتنی اچھی تو تمہاری جاب ہے ماشاء اللہ سے ہاؤس وائف ہو تم۔" وہ پاؤں پسارے صوفے پہ نیم دراز ہوتا، تو وہ بھڑک اٹھتی۔

"شٹ اپ میرو۔"

"تو کیا آپ بیوی نہیں ہے میری۔" کبھی کبھی وہ موڈ میں ہوتا تو جوابی کارروائی کرتا تو حرم کا دل دھڑ دھڑ دھڑکتا، کتنا خوش کن جملہ تھا ناں۔

"ہاں وہ تو ہوں مگر چند دنوں کے لئے۔" وہ بڑبڑائی تو وہ۔

"ہاں یہ بھی تو ایک سچ ہے۔" کہتا ہوا کشن منہ پہ رکھ کر کروٹ بدل لیتا اور وہ مایوسی سے پلٹ جاتی (یہ بھی تو کہہ سکتا تھا ناں ہاں ہمیشہ کے لئے میری بیوی رہو گی)۔

☆☆☆

اس دن وہ بیٹھی بور ہو رہی تھی جب اسے از میر کا میسج آیا تھا کہ شام کی چائے پہ وہ کوئی دو تین اچھی اچھی چیزیں بنا لیں واپسی پہ اس کے ساتھ اس کے آفس کولیگ ہوں گے اگر کوئی چیز ضرورت ہو تو وہ اسے میسج کر دے وہ واپسی پہ ساتھ لیتا آئے گا، حرم نے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں سب اوکے ہیں کا جوابی میسج ریپلائے کر دیا تھا اور شام جب وہ پانچ کولیگ (لڑکوں) کے ساتھ گھر داخل ہوا تو گھر مزیدار خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔

"السلام علیکم!" مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود کچن میں چلا آیا تھا۔

"لگتا ہے بہت کچھ بنا لیا آپ نے؟ یقین کریں گھر قدم رکھتے ہی میری بھوک چمک اٹھی ہے۔"

چکن نگٹس، کباب، قیمہ کے رولز، اسٹرابری کیک، نمکو، کوکیز اور نجانے کیا کیا وہ ٹرالی میں پلیٹیں سجا رہی تھی جب وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب چلا آیا تھا، حرم نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا، تھکا ہارا بھی وہ کتنا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔

"تم چینج کر لو بس میں نے چائے دم پر رکھی ہے، بس پانچ منٹ اور پھر آ کر سب لے جانا۔"

وہ کہتی ہوئی دوبارہ ٹرالی میں برتن سیٹ کرنے لگی۔

''آپ تھک گئی ہوں گی ناں اتنا سب کچھ بناتے ہوئے۔'' وہ فکرمند تھا۔

''تم جانتے ہو مجھے معروف رہنا اچھا لگتا ہے، ہاں فارغ رہوں تو تھک جاتی ہوں۔'' چائے کپوں میں انڈیلتے وہ بولی تو ازمیر ہنس دیا تھا۔

''آپ بھی آجائیں ناں ساتھ میں اچھا لگے گا۔'' ٹرالی گھسیٹ کے لے جاتے ہوئے وہ اسے ساتھ چلنے کی تلقین کررہا تھا۔

''میں؟ مگر میرا حلیہ؟'' وہ گھبرائی مگر ازمیر اس کا ہاتھ تھامے چکا تھا۔

''اس حلیے میں بھی چمکاریں مار رہی ہے۔''

''شٹ اپ میرو۔'' وہ جھینپی تو وہ مسکرا دیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے فرینڈز سے کھلی ملی بیٹھی تھی۔

ولید، معظم، میکال، شجاع یہ چاروں بالکل ازمیر کی طبیعت کی طرح کے تھے شوخ و چنچل، بات بات پہ قہقہے مگر وہ پانچواں لڑکا شہریار وہ شاید عجیب نیچر کا تھا یا اسے لگا تھا اس کا پکا فوکس حرم پہ تھا اور اس کی نظریں...... اف...... اور یہی بات شاید حرم سے زیادہ میرو نے پک کر لی تھی اسے نجانے کیوں برا لگا تھا اور بہت برا لگا تھا اگلے ہی لمحے اس کی انگلیاں خاموشی سے میسج ٹائپ کررہی تھیں، دوسری طرف حرم کا موبائل بجا تھا، میسج پڑھتے ہی وہ ایکسکیوز کرتی باہر نکل گئی تھی اور پھر مہمانوں کے جانے تک کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ ظہر پڑھ کر ابھی فارغ ہوئی ہی تھی جب وہ چلا آیا تھا۔

''حیرت؟ آج جلدی آگئے تم؟'' ... کے کمرے میں ناک کر چلی آئی۔

''ہمم بس ویسے ہی۔'' وہ جوشوز اتار... کے لئے جھکا تھا اسے آتے دیکھ کر سیدھا ہوا...

''کھانا لاؤں تمہارے لئے؟''

''نہیں آپ بس ٹیبلٹ بھجوادیں سر... سر میں بہت شدید درد ہے۔'' کنپٹیاں دبا... بولا تھا حرم چپ چاپ کچن میں چلی آئی... اور پانی کا گلاس لے کر جب وہ دوبارہ کمر... میں آئی تو وہ ہنوز سر پکڑے بیٹھا تھا۔

''اگر زیادہ درد ہے تو میں دبا دیتی ہوں...'' وہ آہستگی سے بولی ٹیبلٹ اور گلاس اس کے ... میں تھمایا۔

''نہیں تھوڑی دیر ریسٹ کروں گا ٹھیک ... جاؤں گا۔'' کہتے ہوئے وہ سیدھا لیٹا اور ... آنکھوں پر دھر لیا وہ چپ چاپ باہر نکل آئی... عصر، مغرب اور پھر عشاء بھی یونہی گزر ... تھی مگر وہ باہر نہ آیا وہ پریشان ہوا ٹھی تھی اور جب برداشت ختم ہوئی تو وہ اس کے روم میں چلی آئی... کمرہ فل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، کھٹ کی آواز سے اس نے ہاتھ مار کے سارے بٹن آن کردیے تھے کمرا ایک دم روشن ہوا تھا مگر وہ ... آنکھوں پہ بازو رکھے سویا پڑا تھا۔

''میرو!'' وہ آوازیں دیتی قریب آئی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''میرو۔'' اب کے اس کا کندھا ہلایا ... مگر جواب ندارد، وہ پریشانی سے ذرا آگے آئی ... آنکھوں پر پڑے بازو کو ہٹا کر جونہی گال چھوا ... ایک گرم سا شعلہ چھو گیا وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی...

''میرو اللہ اتنا تیز بخار۔'' وہ بوکھلائی ... اٹھی تھی اتنی رات گئے اب وہ کس سے مدد ما... جائے، پہلے دل کیا میرو کے کسی دوست سے...

نگے مگر بخار کیسے کم ہوگا، سوچتی ہوئی وہ اٹھی اور
اگ کر ٹھنڈے پانی کا باؤل اٹھا لائی ٹھنڈی
یاں کرنے سے کچھ ہی دیر میں اس کا بخار کم ہوا
وہ ہوش میں آنے لگا تو وہ باؤل میز پر رکھ کر
ہر نکل گئی تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ جب وہ
کرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں سوپ کا پیالہ
تھا۔

"میرو اٹھو اور یہ سوپ پی لو پھر ٹیبلٹ لے
لینا، اگر کہو تو تمہارے کسی دوست کو کال کروں
اکٹر کے پاس چلتے ہیں؟" سوالیہ نظروں سے
سے دیکھا جو سرخ آنکھوں سے چھت کو دیکھ رہا
تھا۔

"میرو۔" جواب نہ ملنے پر حرم نے
دھیرے سے اس کے بازو کو چھوا ازمیر نے خالی
خالی نظروں سے اسے دیکھا اور دوبارہ نظریں
چھت پہ گاڑھ دیں۔

"کچھ کھا لو میرو ورنہ طبیعت زیادہ بگڑ
جائے گی۔" اسے ازمیر کی نظروں سے نجانے
کیوں خوف آیا تھا، وہ اتنا چپ کیوں تھا؟ کچھ
بول کیوں نہیں رہا تھا۔

"میرو..... کیا ہوا ہے؟ ایسے بی ہیو کیوں
کر رہے ہو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" نجانے کیوں
وحشت سے رو دی تھی میرو نے اپنی خالی نظریں
حسرت سے حرم کے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں پر
جمادی تھیں۔

"تم لڑکیاں کتنی آسانی سے رو لیتی ہو ناں
مگر ہم مردوں کو کیوں نہیں سب کے سامنے رویا
جاتا کیوں ہمیں رونے کے لئے تنہائی چاہیے
ہوتی ہے۔" اس کی آواز میں نمی تھی۔

"میرو!" وہ گویا گنگ رہ گئی وہ ایسی باتیں
کیوں کر رہا تھا وہ اتنا مایوس کیوں تھا۔

"میں خوش نہیں تھا مگر میں آپ کے ساتھ
خوش رہنے کی کوشش کر رہا تھا میں اسے بھولا نہیں
ہوں مگر...... مجھے امید تھی ایک دن میں اسے
پوری طرح بھول جاؤں گا میں نے عہد کیا تھا
جیسے وہ مجھے ٹھکرا گئی ہے بالکل ٹھیک ویسے ہی،
میں اسے ٹھکراؤں گا مگر حرم، وہ واپس آ گئی ہے
میں اسے ٹھکرا کیوں نہیں پا رہا۔" آنسو اس کی
کنپٹیوں سے ہوتے ہوئے تکیہ بھگو رہے تھے مگر
وہ حرم کا ہاتھ تھامے آس بھری نظروں سے اسے
دیکھ رہا تھا۔

"وہ کیوں واپس آ گئی ہے حرم؟" سوال
ہنوز موجود تھا۔

"کون؟ بیا۔" آواز سرگوشی نما تھی ازمیر
کے سر کو اثبات میں ہلتے دیکھ کر حرم نے سختی سے
آنکھیں میچ لی تھی تو گویا وہ اب اسے چھوڑ دے گا
اور پھر وہ خود بیا سے شادی کرے گا اور اسے کسی
اور۔

"نہیں۔" یہ سوچ ہی کتنی خوفزدہ تھی حرم نے
جھٹکے سے آنکھیں کھولیں جیسے کوئی ڈراؤنا خواب
دیکھا ہو۔

"حرم۔" وہ اسے پکار رہا تھا حرم نے
آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہوئے اسے
دیکھا۔

"پلیز مجھ پہ دم کر کے پھونکیں میں کچھ دیر
کے لئے سکون کی نیند لینا چاہتا ہوں۔" اس کی
آواز میں التجاء تھی حرم چپ چاپ اس کے
سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی ازمیر نے خود تو
سکون سے آنکھیں میچ لی تھی مگر وہ ساری رات
بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح فجر پڑھ کر وہ قرآن پاک لئے
لاؤنج میں آ بیٹھی تھی یہ عادت اماں کی تھی وہ
روزانہ یونہی صبح لاؤنج میں بیٹھ کر قرآن پاک کی

تلاوت کرتیں تھیں اب خود بخود یہ کام حرم انجام دینے لگی تھی، ویسے بھی وہ صبح روز قرآن پڑھتی تھی مگر اپنے روم میں اب صرف جگہ چینج ہوگئی تھی، وہ تلاوت کر رہی تھی جب فلیٹ کا دروازہ کھلا اور جاگنگ ٹریک سوٹ میں ملبوس وہ اندر آیا تھا، وہ کب اٹھا تھا؟ نڈھال نڈھال سا شاید بخار پوری طرح سے اترا نہیں تھا آہستگی سے چلتے ہوئے وہ صوفے پہ اس کے قریب ہی ڈھیر ہوگیا تھا، وہ چپ چاپ قرآن پڑھتی رہی وہ آنکھیں موندیں یونہی پڑا رہا تھوڑی دیر بعد جب وہ قرآن پڑھ کر اٹھی صوفے سے اتری، چند قدم چل کر اس کے قریب آرکی، پھر آہستگی سے جھک کر اس کے اوپر پھونک ماری، وہ یونہی پڑا رہا شاید نیند میں چلا گیا تھا وہ کچن کی جانب چلی آئی اور ناشتہ بنا کر ٹیبل پہ لگا کر وہ اسے بلانے کا سوچ ہی رہی تھی جب وہ خود ہی چلا آیا تھا ہنوز ٹریک سوٹ (شاید آفس نہیں جانا تھا آج) گیلا منہ جسے اس نے دھو کر پونچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئی جب وہ جھکا اس کے دوپٹے سے منہ صاف کر رہا تھا وہ سانس روکے ساکت کھڑی رہ گئی۔

''آ جائیں حرم ناشتہ کریں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' ساکت کھڑی حرم کو وہ بلا رہا تھا، یوں نارمل تھا وہ جیسے رات کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے تم کرو۔'' وہ رخ موڑ کر سنک میں پڑے برتنوں کی جانب بڑھ گئی۔

''بھوک نہیں ہے تب بھی میرے ساتھ کھائیں آپ کو پتا ہے میں اکیلے نہیں کھاتا۔'' اگلے ہی لمحے وہ اٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر کرسی پہ بیٹھا دیا حرم نے بے بسی سے اسے دیکھا مگر میرو نے توجہ ہی نہ دی، سلائس پر جیم لگا کر ہاتھ میں تھما دی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے میرو۔'' وہ منمنائی۔

''مگر مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے آپ چاہتی ہیں میں بھی نہ کھاؤں پھر؟'' سوالیہ نظروں سے حرم کو دیکھا اور ہاتھ میں تھاما سلائس واپس پلیٹ میں رکھ دیا مجبوراً حرم کو چند لقمے زہر مار کرنے پڑے تھے۔

''میرو!'' ناشتہ کرنے کے بعد وہ سنک میں ہاتھ دھو رہا تھا جب حرم نے اسے متوجہ کیا وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''وہ میں کہہ رہی تھی، اماں کی ڈیتھ کو آٹھ ماہ گزر گئے ہیں۔'' وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی۔

''تو......؟'' ازمیر نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ...... کہ اب بیا بھی تو واپس آ چکی ہے، ہم بہت دھوم دھام سے نہ سہی...... مگر اسے رخصت کروا ہی لائیں...... بیا بھی تو خوش ہوگی اور تمہیں بھی تو اچھا...... لگے گا...... اور میں......'' بات کرتے کرتے وہ اچانک رکی تھی (اور خود اپنے بارے میں تو اس نے سوچا نہیں تھا وہ کدھر جائے گی) ازمیر آہستگی سے چلتا اس کے قریب آرکا تھا دونوں ہتھیلیاں میز پر ٹکا کر وہ اس کے اوپر جھکا۔

''اور آپ؟ اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ کہاں جائیں گی حرم؟'' بھاری مگر گمبھیر آواز میں پوچھا، حرم نے بے ساختہ تھوک نگلا۔

''میں...... میں اسی گھر میں کسی کونے میں......'' بات ادھوری چھوڑ کر اتنی زور سے ہونٹ کچلا کہ خون نکل آیا نجانے کیوں اور کیسے ایک دم سے ڈھیر سارے آنسو نکل آئے تھے ازمیر گہری سانس بھرتے سیدھا ہوا تھا۔

''جو بات ہونی ہی نہیں ہے اسے سوچ سوچ کر خود کو اذیت بھی مت دیں حرم۔''

دھیرے سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا اور وہ جو صبح سے خود پہ بند باندھے ہوئے تھی میز پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆☆☆

وہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی جب اطلاعی بیل بجی تھی ازمیر اپنے روم میں ہی تھا حرم نے سکون سے نماز ختم کی اور اٹھ کھڑی ہوئی نجانے کون آیا تھا ڈرائینگ روم سے ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں پیازی کلر کے دوپٹے کو سر کے گرد سے کھول کر شانوں پہ پھیلاتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم تک آئی اگلے ہی لمحے دھک سے رہ گئی تھی سامنے ہی وہ بیٹھی تھی ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی اور ساتھ والے صوفے پہ چہرے پہ دلکش مسکراہٹ سجائے غور سے اس کی بات سنتا ہوا ازمیر، ایک دم اس کا دل بھر بھر آیا تھا، وہ تیزی سے جانے کو مڑی تھی جب۔

''اوہ واؤ سو پریٹی حرم یہ تم ہو؟'' کہتے ہوئے وہ اس کے قریب چلی آئی تھی ناز سے ایک ہاتھ حرم کی جانب بڑھایا جسے حرم نے تھام کر چھوڑ دیا۔

''چند ماہ میں ہی تم بہت خوبصورت ہو گئی ہو کیا راز ہے؟'' واپس صوفے پہ بیٹھی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ مزے سے بولی تھی، حرم کو لگا جیسے وہ کسی کٹہرے میں کھڑی ہو، تھوک نگلتے ہوئے ازمیر کو دیکھا وہ بھی مسکراتے ہوئے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں..... کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' کہہ کر جان چھڑانا چاہی مگر اگلے ہی لمحے اس کی کلائی میرو کے ہاتھ میں آ چکی تھی، حرم نے بوکھلا کے کلائی چھڑوائی مگر میرو نے کھینچ کے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا تھا۔

''چپ چاپ ہمارے پاس بیٹھی رہی آپ بھول رہی ہیں بیا کو ہمارے گھر کے کھانے کچھ خاص پسند نہیں تھے، خواہ مخواہ آپ تکلف کریں گی۔'' وہ طنز کر رہا تھا یا مذاق؟ حرم سمجھ نہ پائی البتہ بیا کھلکھلا کے ہنس پڑی تھی جیسے اسے میرو کا مذاق پسند آیا تھا۔

''تب کی بات اور تھی میرو اب میں بہت بدل گئی ہوں بلکہ یوں کہو کہ تمہارے لئے خود کو بدل لیا ہے۔'' بیا کے چہرے پر بڑی دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''ریئلی؟'' ازمیر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہو۔

''ایسا اب کیا ہوا ہے جو تم میرے لئے سر تا پیر بدل گئی ہو؟'' بیا نے چونک کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے کھلکھلا پڑی تھی۔

''آر یو جوکنگ میرو؟ آف کورس ہماری شادی ہونے والی ہے...... ہیر یسلی؟ ہماری شادی ہونے والی ہے مگر میری تو شادی ہو چکی ہے ناں۔'' سوالیہ نظروں سے حرم کو دیکھا تو وہ چونک اٹھی تھی، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا کیا کرنا چاہ رہا تھا وہ سمجھ نا پائی تھی۔

''ہاں تب تم نے مجبوری میں کی تھی ناں شادی تو اب میں۔''

''تب مجھے کس نے مجبور کیا تھا بیا تم نے ناں؟'' ازمیر نے تیزی سے بیا کی بات کاٹی تھی۔

''تو اب جب میں خوش رہنا سیکھ گیا ہوں اپنی بیوی سے محبت کرنے لگا ہوں تو تم واپس کیوں آ گئی ہو ہمارے درمیان؟'' حرم نے چونک کر اسے دیکھا تھا جبکہ بیا کا رنگ زرد پڑ گیا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجالی تھی۔

"مگر پہلے تو تم مجھ سے محبت کرتے تھے ناں؟"

"کرتا تھا مگر اب نہیں وہ میری بہت بڑی غلطی تھی (بیا کا رنگ اڑا) مگر اب صرف میں اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں۔" اس نے قریب ساکت بیٹھی حرم کو بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگایا تھا، کیا وہ بیا کو نیچا دکھانے کو اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔

"مگر میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں میرو۔" بیا کی آنکھوں میں آنسو تھے آس تھی ازمیر نے زور کا قہقہہ لگایا تھا اور کتنی ہی دیر ہنستا رہا تھا یہاں تک کہ بیا شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنو۔" وہ جانے کے لئے پلٹی تھی جب میرو نے اسے آواز دے کر روکا تھا وہ تیزی سے واپس مڑی کہ وہ اب کہے گا سوری میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا مگر۔

"تمہارے منہ سے محبت وحبت سننا اچھا نہیں لگتا اور یہ مجھے میرو کہنے کا حق میں نے صرف اپنی ماں اور بیوی کو دیا ہے باقی ہر اجنبی بدلے کے لئے میں صرف "ازمیر" ہوں اور ہاں تیسری اور آخری بات سنا ہے لندن میں بھی تم اپنی ایک محبت چھوڑ کے آئی ہو جس سے آٹھ ماہ پہلے تم نکاح کر چکی تھی، ڈائیورس ہو چکی ہے تم دونوں میں، چچ چچ، بہت افسوس ہوا کبھی آئیں گے میں اور حرم تمہارے پاپا کے پاس تعزیت کے لئے۔ سنا ہے بہت منافع ہوا ہے انہیں تمہاری ڈائیورس سے، ڈبل پیسہ ہو گیا ہے بھئی ان کے پاس تو مبارکباد بھی تو بنتی ہے ناں؟" وہ طنز پہ طنز کر رہا تھا جبکہ پاس کھڑی بیا کا سر شرم سے جھکا چلا جا رہا تھا اسے لگا تھا کہ لندن میں جو شادی اس نے کی تھی وہ کبھی لیک آؤٹ نہیں ہوگی مگر۔

☆☆☆

"یہ سب کیا بکواس تھی ازمیر؟" بیا کے جانے کے بعد وہ بھی نجانے کہاں نکل گیا تھا اور اب رات ڈھلے گھر آیا بھی تو سیدھا اپنے روم میں جا گھسا تھا جب کہ اس کے انتظار میں سلگتی وہ تن فن کرتی اس کے سر پر جا پہنچی تھی، وہ جو الماری میں سر دیئے گھسا کھڑا تھا چونک کر مڑا اور حیران نظروں سے آس پاس دیکھنے لگا۔

"یہاں وہاں کیا دیکھ رہے ہو میری طرف دیکھ کر جواب دو مجھے۔" اسے آگے پیچھے دیکھتے دیکھ کر وہ گویا بھڑک ہی تو اٹھی تھی۔

"آپ نے کسی ازمیر کو پکارا تھا ناں میں بس اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا۔" ہاتھ میں تھامی شرٹ کو گولہ بناتے ہوئے دوبارہ الماری میں پھینکتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"میں مذاق کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں میرو۔" وہ غصے میں بولی تو وہ دلکشی سے ہنس دیا تھا۔

"میں نے مذاق کے موڈ میں آپ کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے ہمیشہ روتے دھوتے ہی دیکھا کبھی چھپ کر اور کبھی دھاڑیں مار کر۔" یونہی مسکراتے ہوئے وہ اس کی ناک دباتے ہوئے بولا وہ بے اختیار سٹپٹا گئی تھی۔

(چھپ کے روتے کب دیکھ لیا اس نے مجھے میں تو ہمیشہ رات کو اپنے کمرے میں ہی روتی تھی تو؟)

"میں بیا کی بات کر رہی ہوں تم نے اس سے وہ سب بکواس کیوں کی تھی تم اس سے شادی کرنے والے تھے پھر یہ سب؟"

"میں نے آپ سے کہا تھا میں بیا سے شادی کرنے والا ہوں؟" ازمیر نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا تھا وہ گڑبڑائی۔

"ہاں تو ابھی نہیں کہا اماں کے مرنے سے پہلے تو کہا کرتے تھے ناں؟"

"ہاں تو اماں کے جانے کے بعد کی بات کر رہا ہوں تب میں نے ایک بار بھی آپ کو ایسا کچھ کہا ہے کیا؟ نہیں ناں، بات تبھی ختم ہو گئی تھی جب میں نے آپ سے شادی کی تھی آپ سے نکاح کرنے کے بعد سے آپ نے ایک بار بھی میرے منہ سے ایسی بات سنی ہو؟" ازمیر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا حرم نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا (واقعی ایسا صرف وہی سوچتی تھی میرو نے تو ایسا کبھی کچھ کہا نہیں تھا)۔

"بس پھر بات ختم آئندہ آپ کے منہ سے ہیا کا نام یا ایسی کوئی بات نہ سنوں۔" وہ رسان سے بولا جب وہ بھپر اٹھی تھی۔

"تم اس سے محبت کرتے تھے میرو، ایسے کیسے بات ختم۔"

"کرتا تھا محبت اب نہیں کرتا کہا ناں اب صرف آپ سے محبت کرتا ہوں سمجھ نہیں آتی آپ کو میری بات۔" میرو نے ایک دم اسے دونوں بازوؤں سے اتنی سختی سے تھاما تھا کہ وہ بے اختیار رو دی تھی۔

"تم صرف اسے نیچا دکھانے کے لئے یہ سب کر رہے ہو ناں؟ میرے ساتھ کھیل رہے ہو، ہیا نے تمہیں ٹھکرایا اس کا بدلہ تم مجھ سے لے رہے ہو ناں؟" وہ رندھی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"حرم۔" میرو نے تڑپ کے اسے دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل کھینچ کے اسے خود میں بھینچ لیا تھا وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری محبت کا مذاق یوں اڑاؤ گے۔"

"میں نے تم سے محبت کی ہے بنا کسی غرض کے مگر تم۔" ازمیر نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے اس کے بالوں پہ بوسہ دیا تھا۔

اچھا تھا وہ اپنے اندر کی بھڑاس ایک ہی بار نکال لیتی بعد میں مطلع صاف ہی ہونا تھا۔

"تم بہت برے ہو تم اب اس کا بدلہ مجھ سے لے رہے ہو محبت کا ناٹک کر کے۔" وہ اب اس کے سینے پر مکے برسا رہی تھی ازمیر نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے اور جھک کر انہیں چوم لیا، حرم نے غصے سے ہاتھ جھٹکے اور بیڈ پر بیٹھ کر دوبارہ زار و قطار رونے لگی تھی، وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے قدموں میں آ بیٹھا آنکھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔

"اب کیوں رو رہی ہو؟" انداز شرارتی تھا۔

"تم جان بوجھ کر مجھے اذیت دے رہے ہو۔" آنکھوں کو بے دردی سے پونچھتے ہوئے وہ تڑخ کر بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی جب ازمیر نے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ بیڈ پہ بٹھایا اور خود بھی اس کے پہلو میں جا بیٹھا، دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"اذیت میں آپ ہوتی ہے تو سکون سے میں بھی نہیں رہ پاتا، مجھے خود نہیں پتا یہ سب کیسے ہوا، مگر مجھے تب سمجھ آئی جب شہریار کو میں نے آپ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے پایا مجھے بہت برا لگا، اسی لئے میں نے آپ کو وہاں سے جانے کا بول دیا تھا مجھے لگا شاید یہ سب وقتی ہے مگر، جب ایک دن شہریار نے میرے آگے آپ کا پرپوزل رکھا تو میں بھڑک اٹھا وہ میری بیوی کو پرپوز کر رہا تھا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا جب بھی کوئی اچھا رشتہ آیا میں آپ کو چھوڑ دوں گا شہریار مالی لحاظ سے اور فیملی کے لحاظ سے بھی اچھا لڑکا تھا مجھے سمجھ ہی نہ آیا میں کیوں بھڑکا تھا مگر آہستہ آہستہ مجھے سمجھ آنے لگا مجھے آپ کی عادت تو تھی ہی مجھے آپ

سے محبت بھی ہوگئی تھی، ایسا تب ہوا جب ہر رات میں بیا کو سوچنے کی بجائے آپ کو سوچنے لگا اور آپ کو سوچنا مجھے اچھا لگنے لگا تھا مگر، تب ہی وہ واپس آگئی یہ نہیں تھا کہ مجھے اس سے دوبارہ محبت ہونے لگی تھی ہاں میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ آپ کو مجھ سے دور نہ کر دیں، ہاں میں اس سے محبت کرتا تھا مگر اب مجھے آپ کو سوچنا آپ کا ساتھ اچھا لگنے لگا ہے، بیا دور گئی تھی تو زندگی سکون میں آنے لگی تھی آپ کو خود سے دور کرنے کا سوچتا ہوں تو جان نکلنے لگتی ہے آئی سوئیر میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں کیا آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں کہ اپنے شوہر کے رتبے پہ فائز کر سکیں؟'' آخر میں ہاتھ پھیلائے وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا حرم نے بے اختیار ہونٹ کاٹے تھے۔

''اف ظالم، کتنی بے دردی سے آپ ان نرم و نازک ہونٹوں کو کاٹتی ہیں میرے قبضے میں دے دیں دیکھنا کتنے پیار سے سنبھال کے رکھوں گا۔'' شرارت سے کہتے وہ اس کی طرف جھکا تھا جب وہ اسے پرے دھکیلتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہیلو مادام کدھر چلی جواب تو دیتی جائیں؟'' وہ اس کی کلائی تھام کر اسے روکتے ہوئے بولا تھا۔

''میں تمہیں اپنا شوہر پہلے دن سے ہی مان چکی تھی تم خود ہی بیا...... سر جھکائے انگلیاں مروڑتے وہ بولی تھی، جب میرو نے اس کے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے روک دیا تھا۔

''آئندہ ہم صرف اپنی بات کیا کریں گے میری اور آپ کی، بیچ میں کوئی تیسرا آئے یہ مجھے گوارا نہیں ہوگا۔'' حرم نے تیزی سے سر ہلایا تھا میرو نے مسکرا کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کیا۔

''آج آپ کچھ بھول بھی رہی ہیں آج کا دن آپ کے لئے بہت اسپیشل تھا حرم اگر آپ کو یاد ہو تو؟'' ذہن پر زور دیتے ہوئے حرم کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''او گاڈ، دو جنوری ہے ناں آج، میں بھول کیسے گئی، اف اللہ، میرو بس آدھا گھنٹہ دو مجھے میں فنافٹ کیک ریڈی کرتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی جب میرو نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے اسے دوبارہ پہلو میں بٹھایا۔

''کیک نہیں چاہیے گفٹ لوں گا۔''

''گفٹ؟ مگر اس وقت میں کہاں سے لاؤں گی۔'' وہ پریشان ہوئی تھی۔

''مجھے اسپیشل والا گفٹ چاہیے آج کے دن۔'' میرو نے جھک کے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی حرم نے ناسمجھی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا گہری بولتی حواس مختل کرتی آنکھیں، وہ بے اختیار جھینپی۔

''شٹ اپ میرو۔'' ہاتھ چھڑا کر وہ تیزی سے اٹھی۔

''ارررررے ایسے کیسے بھاگ سکتی ہیں آپ شوہر ہوں آپ کا پورے حق سے اپنا حق مانگ سکتا ہوں۔'' وہ اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اس کے کندھے پر سر ٹکاتے بولا تھا وہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

''ایک بات کہوں حرم۔'' وہ دھیرے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہم...... کہو۔'' حرم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اپنا چہرہ ازمیر سے ٹکرایا تو جھینپ گئی۔

''ہمیشہ یونہی ہنستی رہنا اور ہاں جیسے آج جھگڑ رہی تھی ناں ہمیشہ ایسے ہی جھگڑتی رہنا۔'' شرارت سے کہتے وہ اس پہ جھکا تھا تو حرم ہنستی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

سال نو کی نوید

عائشہ رانا



سرد ہوا کے تیز جھونکے سے پردہ کھڑکی کے سامنے سے سرک چکا تھا کہر رستہ بناتی ہوئی پہلے سے یخ بستہ کمرے میں مزید ٹھنڈک بکھیرنے لگی، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائیں آنکھیں موندیں وجود کو سردی کے احساس نے تحریک دی اور اس نے آنکھیں کھول دی ہوا اس کے شفاف چہرے پر پڑی سیاہ لٹوں سے اٹھکیلیاں کرتی، ہوا کی سرگوشیاں ایک طرف، سرد تیز لہر ٹھٹھرتے ہوئے وجود میں سنسنی پیدا کر رہی تھی اس نے اپنے گرد چادر کو اچھی طرح لپیٹ لیا اور کھلی کھڑکی سے پہلو تہی کرتے ہوئے سینے سے لگی کتاب کو بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

ٹیبل پر پڑے اخبار کو اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے دوبارہ سے اخبار پر نگاہیں جما دیں۔

وہ اپنی محبت کے مرقد پر پہلی اور آخری بار آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی لیکن بعض اوقات انسان کو دل بڑی گنجلک شے ثابت ہوتا ہے کس آن کس رنگ کو اوڑھ لے پتہ ہی نہیں چلتا اس آن کے اندر سوئی حسرت سے چند چنگاریاں نکلیں اور ان کی جلن سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، اس نے نم آنکھوں سے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دسمبر کے آخری دن کے دھندلے چاند کو دیکھا جو بار بار سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ کر شاید ایک اور سال کے جانے کا سوگ منا رہا تھا اس کے چہرے پر مزید سوگواریت پھیل گئی اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر ایک بار پھر سے آنکھیں موند لیں۔

لیکن فرار کہاں؟ ماضی چپکے سے اپنے اوپر پڑی وقت کی گرد کو جھاڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آن بسا اور وہ ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

"یہ پیار محبت کچھ بھی نہیں ہوتا یہ سب افسانوی باتیں ہیں، یہ عشق و محبت صرف ناولوں اور کہانیوں کی حد تک ہی ہوتا ہے حقیقت میں کچھ بھی نہیں، پریکٹیکل لائف اس سے ذرہ ہٹ کے ہے۔" اس کے مقابل کرسی پر بیٹھے ہتھیلی پر ٹھوڑی جمائے اسے دیکھتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا ان دونوں کے درمیان ٹیبل حائل تھی، وہ ہمیشہ ایسے ہی لنچ ٹائم میں اپنے فیورٹ کیفے ٹیریا میں اپنی فیورٹ کافی پیتے ہوئے دونوں کسی نا کسی موضوع پر بحث کیا کرتے تھے، ہمیشہ موضوع بحث کی ابتداء زوباریہ غضنفر کی طرف سے ہی ہوتا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس کا پسندیدہ موضوع بحث محبت ہی رہا تھا، جیسے وہ بار بار محبت کا ذکر چھیڑ کر اس کے اندر جھانکنے کی سعی کر رہی ہو یا شاید وہ اسے کھوجنے میں لگی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح مقابل بیٹھے شخص کی بے نیازی سوا نیزے پر تھی۔

وہ محبت کا قائل نہیں تھا وہ زندگی کی ڈگر کو کسی جستجو پر چلانے کا قائل تھا وہ تھوڑے وقت میں بہت کچھ پا لینے کی خواہش رکھتا تھا وہ زندگی کو ایسے پلیٹ فارم پر لانا چاہتا تھا جہاں وقت کا ضیاع کیے بغیر وہ اونچی چھلانگ لگا سکے ایک طرح سے وہ اپنی خواہشوں کا غلام تھا وہ دونوں ایک ہی آفس میں کام کرتے تھے۔

"اکیس ویں صدی جہاں ہر سو ایجادات کو دوڑ لگی ہوئی ہے ہر کوئی دوسرے پر سبقت لے جانے کی جستجو میں ہے لوگ چاند کو تسخیر کر چکے ہیں اور سیاروں پر رسائی حاصل کر رہے ہیں اور یہاں مس زوباریہ غضنفر محبت کے لحاف میں لپٹی خواب بن رہی ہیں واہ، زبردست۔"

میرا مذاق اڑاتے ہوئے اس نے اپنی بات کو خوب انجوائے کیا اور کافی کا سپ لیتے ہوئے بات جاری رکھی، میں اسے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ محبت

صدیوں کی پابند سلاسل میں جکڑی ہوئی نہیں یہ تو
کبھی بھی کسی بھی وقت ہوسکتی ہے اور وہی لمحہ آگہی
کا ہوتا ہے۔

''ڈیئر! یہ محبت وحبت وقت کا ضیاع ہے
اور بے واقوف لوگ ہی وقت کا ضیاع کرتے
ہیں۔'' تلخی سے کہتے ہوئے وہ اسی بے نیازی
سے کافی پینے میں مشغول ہوگیا۔

''یعنی آپ کے نزدیک محبت کا وجود ہی
نہیں؟'' اپنے ہونٹ کاٹتی میں کچھ مضطرب سی ہو
گئی۔

''کہا نا، یہ پیار محبت کچھ بھی نہیں اگر کرنی
ہے تو اپنی ذات سے کرنی چاہیے ورنہ انسان
نقصان ہی اٹھاتا ہے۔'' ونڈو کھڑکی کے پار
گزرتے لوگوں اور ماحول پر نظریں جمائے وہ
بولا، میں نے بغور اس کا چہرہ جانچا، شاید......
شاید وہ مذاق کر رہا ہو مجھے بھڑکانے کے لئے،
لیکن اس کے چہرے پر سوائے اک خشک سی
سنجیدگی کے میں کچھ اور تلاش کرنے میں ناکام
رہی۔

''اگر محبت کی کوئی حیثیت نہیں تو پھر آپ کا
اس دنیا میں ظہور، آپ اپنی آمد کو اس سے تعبیر
کریں گے؟'' میری آواز میں محسوس کی جانے
والی ترشی تھی۔

''فطرت انسانی سے۔'' جواب فوراً آیا۔

''اور فطرت انسانی نے کس سے جنم لیا؟''
کافی کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے میری تمام
تر توجہ اس کے جواب پر تھی۔

''انسان کے وجود سے۔'' اختصار سے کہتے
ہوئے وہ ونڈو کھڑکی کے اس بار اس قدر محویت
سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی نظریں کسی چیز کی
متلاشی ہوں۔

''ہوں۔'' میں نے پرسوچ انداز میں سر
ہلایا، ٹیبل پر کہنیاں جمائے دونوں ہاتھوں کی
انگلیوں کو آپس میں ملا کر اپنے چہرے کی ٹھوڑی
کے نیچے رکھے میں بغور اسے دیکھتے ہوئے دوبارہ
گویا ہوئی۔

''اب یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ انسان
کے وجود اور کائنات کو بنانے کا محرک کیا ہے؟''
میں آہستہ آہستہ اسے راہ راست پر لا رہی تھی۔

''اللہ نے اپنی عبادت کے لئے انسان کو
تخلیق کیا، کیا اب یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا؟'' وہ
متعجب سا میری جانب یوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا
ہو ''کیا تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے۔''

''بجا فرمایا، مگر اب یہاں یہ سوال اٹھے گا،
انسان اللہ کی عبادت کب کرے گا؟''

''جب اس کے دل میں اللہ کی مو......
حا......'' وہ محبت کہتے کہتے رک گیا اور میں تفاخر
سے مسکرا اٹھی۔

''لیکن یہ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟''
وہ جھنجھلایا تھا۔

''کیونکہ آپ کا نظریہ حیات غلط ہے محبت
نہ ہوتی تو تخلیق کائنات کا عمل وجود میں
ہی نہ آتا، مجھے اس بات کی صداقت پر کوئی شبہ
نہیں کہ وجود محبت سے انکار کرنا (نعوذ باللہ) گویا
رب العزت کے نا ہونے کی گواہی دینا ہے،
نہیں نا...... اس لئے موحد
دیتے ہیں گواہی؟...... ہی بندھے
آفندی رشتے ناطے محبت کی ڈور سے
ہوتے ہیں۔'' میں نے اپنی انگشت شہادت کو
دوسری سے ملا کر زنجیر سی بنائی۔

''بہرحال...... کیا اس موضوع کے علاوہ
کسی اور موضوع پر بات نہیں ہوسکتی؟'' انداز بے
حد بے زار اور اکتایا ہوا تھا۔

''ہوسکتی ہے لیکن دل چاہتا ہے، کاش آپ
محبت نام کے اس چار حرفی لفظ کے اندر اتر کر

اسے محسوس کریں محبت اک احساس کا جذبہ ہے
جیسے چاند کی چاندنی اور پھول کی خوشبو کو محسوس کیا
جا سکتا ہے، ایسے ہی محبت بھی اک مسحور کن
احساس ہے۔'' میں نے اپنی نگاہیں دوسری سمت
مرکوز کر لیں، میرا دل چاہا اسے کہوں میری
آنکھوں میں محبت محسوس کریں مگر میں شاید بزدل
تھی، اس نے کچھ دن پہلے ہی یہ خبر سنائی تھی کسی
دوسری کمپنی میں جاب کے لئے اس نے اپلائی
کیا تھا اس کا مثبت جواب آ چکا تھا اور اس کا پیکیج
بہت اچھا ہے جیسے ہی پروجیکٹ کمپلیٹ ہو گا وہ
وہاں چلا جائے گا جس پروجیکٹ پر وہ کام کر رہا
تھا وہ بس تکمیل کے مراحل میں تھا اور وہ بہت
خوش تھا وہ ہمیشہ کام کے معاملے میں بہت
پریکٹیکل ذمہ دار اور محنتی تھا بس اس کے خواب
بہت اونچے تھے خواب دیکھنا غلط نہیں لیکن خوابوں
کو خواہش بنا کر خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند
بھاگنا کبھی کبھی غلط ثابت ہوتا ہے اور پھر کمپنی کو
اس کے چھوڑنے کے جوں جوں دن قریب آنے
لگے ویسے ویسے میرے دل کی بے کلی بڑھنے لگی،
دن کو آنکھیں مسکراتیں تو شب کے آخری پہروں
میں اللہ کو یاد کرتے، کسی کو مانگتے بھیگی رہتیں پھر
......پھر وہ دن بھی آ گیا وہ چلا گیا اور دنیا کی بھیڑ
میں گم ہو گیا اور میں نے اس کی جدائی میں (خدا
کو) ڈھونڈ کر عرفان ذات کو پا لیا۔

☆☆☆

ایسے ہی پھر کوئی تین سال بعد سر راہ
ملاقات ہو گئی، وہ بدل گیا تھا یا پھر میری آنکھیں
برسوں پرانے منظروں کے ساتھ دیکھنے کی عادی
تھی میں نہیں جانتی۔
''کچھ بولو گی نہیں؟'' ساحل سمندر کے
کنارے میرے برابر چلتے ہوئے جب خاموشی
حد سے زیادہ طویل اور تکلیف دہ ہونے لگی تو اس
نے فضا میں سوئی خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔
''کیا بولوں؟'' گیلی ریت پر اپنے جوتوں
کے نشانات چھوڑتے ہوئے میرے لہجے میں
جذبات کی ہلکی سی آنچ بھی نا تھی۔
''محبت پر بھی نہیں بولو گی آج؟'' اس کا لہجہ
کچھ سلگا سلگا سا تھا کوئی خاص تپش لئے۔
''میری ان آنکھوں میں میرے اس وجود
میں کیا آج بھی آپ کو محبت نظر نہیں آتی جو لفظوں
کی پوشاک پہناؤں موحد آفندی! سچی بات تو یہ
ہے کہ محبت کی تعریف کے لئے کبھی موزوں الفاظ
کا ذخیرہ میرے پاس تھا ہی نہیں۔''
''کیا مجھے محبت پر بولنا چاہیے جبکہ آپ کو
ہمیشہ محبت سے چڑ رہی ہے ویسے آپ کیوں سننا
چاہتے ہیں؟'' نہایت طمانیت سے جواب دے
کر میں ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی اور آتی
جاتی لہروں کی روانیوں سے محظوظ ہونے لگی۔
''کیونکہ...... کیونکہ مجھے محبت ہو گئی ہے۔''
اس نے جیسے اپنے تئیں بہت بڑا انکشاف کیا تھا،
لیکن اسے میرے چہرے پر کوئی حیرت انگیز
تاثرات نا ملے تھے اور نا ہی میں نے اس کی
جانب دیکھا۔
''تمہیں تعجب نہیں ہوا؟'' اس کی حیران سی
آواز نے میرا تعاقب کیا۔
''نہیں۔'' میں نے دو بدو جواب دیا۔
''کیونکہ جو لوگ محبت کا جس شدت سے
انکار کرتے ہیں محبت انہیں اسی شدت سے اپنے
ہونے کا احساس اور یقین دلاتی ہے کیونکہ شعوری
طور پر ہی سہی، منفی ہی سہی، وہ محبت کو سوچ ضرور
رہے ہوتے ہیں اور سوچیں ہمیشہ ذہن میں لگے
جالوں کو صاف کر کے راستہ دکھاتی ہیں یہ تو ہونا
ہی تھا موحد آفندی۔''
''وہ میرے باس کی بیٹی ہے اس قدر

صورت اور حسن کا بنا مجسمہ کہ پہلے کبھی نا دیکھا
ن اسے حاصل کرنا میرے لئے شاید بہت کٹھن
یز ہے لیکن میں اسے ضرور حاصل کروں گا۔"
ں کی آواز میں حاصل کر لینے سے قبل حاصل ہو
نے کا غرور تھا، "میں" آشنا دل میں بھلا محبت
یسے پنپ سکتی ہے۔

"زوبار یہ تم نے کسی سے محبت کی؟"

"خدا نے ایسا کون سا دل بنایا ہے جو محبت
ے خالی ہو میں بھی تو اس کائنات کا حصہ ہوں
ا بھی اک دل رکھتی ہوں۔" دل چاہا کہ اسے
حقیقت سے آگاہ کر دوں جس محبت سے وہ آج
ک نا آشنا رہا اسے آشنا کر دوں لیکن شاید میں
ت کو بے مول ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی میں آج
ی بزدل تھی، محبت بھی وہ جو ہر لحہ سلگتی ہو، یک
رفہ محبت بھی راکھ میں دبی اس چنگاری کی طرح
وتی ہے جو ایک دن سلگ سلگ کر راکھ کا حصہ
ن جاتی ہے۔

"کیوں، کیا میں محبت نہیں کر سکتی؟" پانی
کے چند قطروں کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھونک مار کر
اڑاتے ہوئے میں نے اس پر چوٹ کی، وہ
سب عادت تھوڑا سا جھنجلایا۔

"میں اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو ایک
رت کو ایک مرد سے ہوتی ہے کی تم نے؟"

"ہوں، کی ہے۔" میری آواز خود بخود
سرگوشیوں میں ڈھل گئی اتنی کہ بمشکل مجھے ہی
سنائی دی۔

"کس سے؟" وہ متجسس تھا۔

"اس کی شناخت سے آپ کو کیا ملے گا؟"

"اوں ہوں، ملے گا تو کچھ بھی نہیں پھر بھی
بتا چلے؟"

"آپ کی بات نفع سے لے کر نفع پر ختم
ہو گئی تھی پھر آج یہ انقلاب کیسے آ گیا؟" پانی میں
اپنے معمولی خدوخال والے عکس سے نظریں
چراتے ہوئے آخر میرا لہجہ تھوڑا سا ترش ہو ہی
گیا۔

"جب سے مجھے اس سے محبت ہوئی۔"
دھیمے لہجے میں وہ بولا وہ واقعی کوئی اور تھا۔

"یقیناً محبت سود و زیاں سے بالاتر ہوتی ہے
مگر آپ یہاں بھی غلط کہہ رہے ہیں کیونکہ نفع تو
آپ نے نام نہاد محبت میں بھی سوچا یہ الگ بات
اب کے دولت کی صورت میں ہی نہیں بلکہ حسن
کی صورت میں بھی ہے۔"

"میری محبت کی یوں تو توہین نہ کرو۔" وہ
خفا خفا سا رخ موڑ گیا۔

"اپنی ذات کی توہین کیونکر کروں گی میں،
جبکہ میری زندگی تو......" میں نے بات ادھوری
چھوڑ دی۔

"بہر کیف میں محبت کے پس پردہ اس نفس
کی توہین کر رہی ہوں جس نے اندر ادھم مچا دیا
ہے آپ کے قدم نفسانی خواہشیں میں جکڑے
گئے ہیں موحد آفندی، آپ کو ایسی لڑکی سے محبت
کیوں نہ ہوئی جو عام مگر باطن میں سراپا محبت
ہوتی ظاہری طور پر دولت مند نا سہی، لیکن دلی طور
پر محبت سے مالا مال ہوتی۔" میں نے ایک بار پھر
اپنے عکس کو بغور دیکھتے ہوئے اسے سوال تھمایا۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔" وہ کھسیا سا گیا۔

"ان باتوں میں تم نے میرا سوال گول کر
دیا بتاؤ نا، لگتا ہے تم نے اسے پا لیا جب ہی اتنی پر
سکون ہو۔" اس کے چہرے پر اشتیاق کے رنگ
بکھرے ہوئے تھے میں نے ایک گہری سانس
ہوا کے سپرد کی۔

"محبت پانے نہ پانے سے مشروط نہیں
بعض لوگ پا کر بھی کھو دیتے ہیں اور بعض کھو کر بھی
پا لیتے ہیں۔"

"مطلب!" پانی میں کنکر پھینکتا اس کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔

"عقل کہتی ہے میں نے اسے کھو دیا لیکن دل...... وہ آباد ہے، نفس کی اجارہ داری محبت کا کھوکھلا پن ہے موحد آفندی۔" میں نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"کیا تمہارے اندر اس کی طلب نہیں جاگتی؟" حیرانی سے کھلی اس کی بڑی بڑی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔

"پتہ ہے جب میرے اندر طلب جاگتی ہے تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر اپنی اوقات کے نشتر چبھو کر اسے بھولا سبق یاد کروانے لگتی ہوں، وہ کراہتی ہوئی تھوڑی دیر بعد اپنی اوقات سنتے سنتے سو جاتی ہے اور پھر یہ طلب ہمارے جیسے لوگوں کا روگ نہیں یہ امراء کے محلوں میں پل کر جوان ہوتی ہے اور پھر ان کے مردہ ہوتے ہی کسی اور نئے رئیس کے وجود میں خودرو گھاس کی مانند جنم لے لیتی ہے اور ہم لوگ اس دہشت کی تیز دھوپ میں وہ چھتری سر پر تانے کھڑے ہوتے ہیں جس کے جابجا بڑے بڑے سوراخوں سے برہنہ دھوپ زندگی کے ترازو میں روح اور طلب کو بے مول کر دے۔" آسمان پر ہولے ہولے پڑتے سیاہ دھبوں کو دیکھ کر میں نے اسے دیکھا جس کے چہرے پر نفس کا سیاہ دھبہ پڑ چکا تھا۔

"کبھی کبھی بے قراری ہوتی ہے تھوڑی دیر کے لئے، پھر سکون مل جاتا ہے اس کی رضا سوچ کر۔"

"تم بہت تلخ باتیں کرنے لگی ہو۔"

"تلخی کے پردے میں چھپی سچائی اسے ہی اچھی لگتی ہے جو سچ سے محبت کرنے والا ہو۔" میں اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے میری تقلید کرنے میں دیر نہ کی۔

"میرے لئے دعا کرو گی ناں۔" اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ پھنساتے ہوئے دھیرے سے کہا، خشک شام مزید سرد ہو گئی۔

"اس محبت کے لئے جو نفس کی تابع نہ ہو میں عروج کی دعا کروں گی۔" اپنے دونوں ہاتھ رگڑ کر گرم کرتے ہوئے میں نے شگفتہ لہجے میں صدق دل سے جواب دیا۔

"چلتا ہوں پھر شاید کبھی ملاقات ہو۔" اک بے نیازی سی نگاہ مجھ پر ڈال کر اس راستے پر ہو لیا جو میری مخالف سمت کو جاتا تھا ہم دونوں مخالف سمتوں میں چلنے والوں کی صرف ایک قدر مشترک تھی اور وہ تھی محبت، لیکن محبت میں ہم دونوں کے نظریات الگ الگ تھے، لیکن آج محبت کے بارے میں اس کی سوچ میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی ویسے بھی تبدیلی کا جان لیوا احساس صدیوں پر محیط نہیں ہوتا کبھی ایک لمحہ بدلاؤ کے احساس کو جھٹکے سے لا پٹختا ہے، یہ مثبت ہو ضروری نہیں کہ بدلاؤ سیدھے راستے پر ہو یہ تبدیلی راہ کو کھوٹا بھی کر سکتی ہے اس کی محبت جیت جائے گی یہ اس کا یقین تھا جبکہ اس کے نفس کو سرشاری اور ایمان کی موت ہو جائے گی میرا ادراک قوی تھا۔

☆☆☆

ٹھیک چھ ماہ بعد دوبارہ وہ اس کے سامنے موجود تھا، وہ بہت خوش اور پرجوش نظر آ رہا تھا۔

"پتہ ہے زوباریہ غضنفر مجھے میری محبت مل گئی، عرشیہ بھی میری محبت میں اتنی ہی دیوانی ہو چکی ہے جتنا کہ میں اور آخر کار میں نے اسے اپنی محبت کے سانچے میں ڈھال ہی لیا وہ اپنے باپ کی ضدی اور لاڈلی بیٹی ہے اور پھر اس کی ضد کے آگے اس کا باپ ہار گیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ بہت زیادہ پرجوش ہو رہا تھا اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"بہت جلد ہم دونوں کی شادی ہونے والی ہے دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ میں اسے حاصل کرلوں گا اور آخر میں نے اسے پالیا بلکہ اپنی وہ منزل پالی جس کی مجھے تلاش تھی۔" اس کے لہجے میں اپنی فتح کا غرور جھلک رہا تھا ور اس کی آنکھوں کے جگنو اک عجیب لے میں دمک رہے تھے، وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلا جارہا تھا، وہ آج اسے کچھ بھی بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا وہ اک عجب سرشاری کے عالم میں تھا یہ جانے بغیر کہ آج پہلی بار زوباریہ کے اندر کچھ بڑی تیزی سے ٹوٹا تھا شاید...... شاید کوئی بھولی بسری اک جھوٹی آس، آنکھوں کی لو جو تیرتی نمی سے مدھم پڑ چکی تھی اس نے اپنے چہرے کا رخ دوسری جانب موڑ لیا اور ہمیشہ کی طرح اس کے حال سے غافل وہ اسے اپنی شادی میں آنے کا کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

جو لوگ محبت کے جذبوں کی قدر نہیں کرتے محبت میں ان کی منزلیں ہی اتنی سہل کیوں ہو جاتی ہیں اور جو جو لوگ محبت کو سینچ سینچ کر رکھتے ہیں وہی لوگ تشنہ دل بن کر کیوں رہ جاتے ہیں۔

ہاں شاید...... شاید اسی کو قسمت کہتے ہیں اور قسمت کا کشکول ہر کسی کا بھرا ہوا نہیں ہوتا، کچھ لوگ کاسہ دل میں خالی رہ جاتے ہیں۔

اور آج کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آج میری بات حقیقت کا روپ دھاڑے کھڑی ہے۔

میں نے آنکھیں کھول دیں ماضی کے گرد و پیش سے میں حال میں لوٹ آئی اخبار میں موجود اس تصویر کو دیکھا جس کے نیچے لکھا تھا۔

"معروف بزنس مین کی بیٹی کی جائیداد اپنے شوہر کے نام نا کرنے پر جھگڑا، شوہر کا بیوی کے جوس میں زہر ملا کر مارنے کی کوشش ناکام، ملزم گرفتار۔"

نفس کے غلام لوگ نا جانے کیسے محبت کے دعوے دار بن جاتے ہیں، وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ گئی جہاں چاند کی بے حد مدھم پڑتی روشنی اس بات کی نوید دے رہی تھی کہ نیا دن طلوع ہونے والا ہے وہ اپنا محاسبہ کرتی لان میں آ گئی۔

موحد آفندی میری قسمت میں نہ تھا اس لئے اللہ نے مجھے ایک بڑے نقصان سے بچا لیا اور جو میری قسمت میں ہونا چاہیے اسے دروازے پر بھیجا گیا اور میں اپنی قسمت سے انکاری ہوتی رہی۔

"تو کیا اب بھی تم زوباریہ غضنفر تم خدا کی رضا میں راضی ہونے کا دعویٰ کرو گی؟" اسے خود سے شرمندگی محسوس ہونے لگی شادی کے انکار پر ماں جو اس کی بہت اداس رہنے لگی تھی اسے اپنی ماں کو رضا مندی کا اظہار کرنا تھا ماں کے اداس پژمردہ چہرے پر نئے سال کی نئی صبح میں اک نئی خوشی دیکھنی تھی۔

ماں باپ ہمیشہ ہمارے لئے جو فیصلہ کرتے ہیں وہ ہمارے ان فیصلوں سے لاکھ درجے بہتر ہوتا ہے جو ہم جذباتیت کی روح میں بہہ کر اپنے لئے سوچتے ہیں، اس نے خزاں رسیدہ خشک پتے کو دیکھا اور آسمان پر چمکتی سورج کی پہلی کرن کو نئے سال کی نئی کرن کو، ابھی وقت اس کے ہاتھ میں تھا وہ نئے سال کی روشن ساعتوں کو اپنی مٹھی میں قید کر کے باقی زندگی خدا کے چنے ہوئے بندے دانیال کی محبت میں اس کی شریک حیات بن کر گزارنا تھے، وہ نئے سال کی نئی صبح میں فیصلہ کر چکی تھی بس ادراک کے لئے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے گزرے سالوں کو فراموش کر کے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی کیونکہ اسے اپنی ماں کو سال نو کی نئی نوید سنانی تھی نئے سال کا سورج کھل کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

ریت کے اس پار کہیں

نایاب جیلانی

سینتیسویں قسط کا خلاصہ

جیسے پولو میچ کے دن قریب آ رہے تھے ویسے ویسے ہی نیل بر کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، اس نے گلالئی سے جب ذکر کیا تو وہ بھی پریشان ہوئی، لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر نیل بر کی ہمت بندھاتی ہے۔

حمت کو بی جاناں واپس بلا لیتی ہیں تو فارم ہاؤس میں مکین باقی سب لڑکیاں اداس ہو جاتی ہے سباخانہ شاہوار کی بیوی کا ذکر کرتی ہے تو نشرہ پریشان ہو جاتی ہے، وہ شاہوار کا پوچھتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اس نے عشیہ سے شادی کر لی ہے اور وہ ہٹ محل میں ہے پھر وہ سباخانہ کے اصرار پر بتاتی ہے کہ عشیہ اس کی نند ہے۔

ادھر ہیام کو پتا چلتا ہے کہ عشیہ صندیر خان کے پاس کیسے پہنچی، اسی غصے میں صندیر خان کی گاڑی پر فائرنگ کرواتا ہے جس سے صندیر اور اس کا ڈرائیور شدید زخمی ہو جاتے ہیں اس فائرنگ کا شک جہاندار پر کیا جاتا ہے۔

ہوسپٹل میں صندیر خان اور ڈاکٹر ہیام کی بحث ہوتی ہے جہاں ہیام اسے کہتا ہے کہ تم نے کسی کی بیوی کو اغواء کر کے اپنے گھر رکھا ہے جہاندار اور اس کی بات پر حیران رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اڑتیسویں قسط




URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

''یہ بچہ میں ہوں نیل بر!'' امام کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی تھی، نیل بر حیران نہیں ہوئی تھی، وہ ایسی بہت ساری تصویریں دیکھ چکی تھی، پولو میچ کے دوران کوئی بھی اپنے فیورٹ گھڑ سوار کے ساتھ تصویر بنانا اعزاز سمجھتا تھا۔

''میرے پرکھوں کا تعلق بھی گلگت سے تھا، جب میں تمہاری حویلی کو دیکھتا ہوں، مجھے اپنے بچپن اور بہت ساری کھوئی ہوئی چیزیں یاد آنے لگتی ہیں۔'' امام کسی گہری سوچ میں ڈوبتے ابھرتے کہہ رہا تھا، شاید وہ کسی پرانے منظر میں الجھا ہوا تھا۔

''تمہارے پیرنٹس کہاں ہیں؟'' نیل بر نے ایک سادہ سا سوال کیا تھا۔

''ان کی وفات ہو چکی ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا تھا، شاید آنکھوں کی نمی چھپانے کے لئے۔

''کیا تم اکلوتے ہو؟''

''نہیں ہم دو بھائی اور میری ایک بہن تھی۔'' امام کی آنکھوں میں کرب کے گہرے سائے اترنے لگے تھے۔

''تھی سے مراد؟''

''وہ اب نہیں ہے۔'' امام کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔

''او...... ویری...... سیڈ۔'' نیل بر کو بہت ہی دکھ ہوا۔

''میں نے تم کو افسردہ کر دیا۔''

''اس میں تمہارا کیا قصور؟ یہ افسردگی میری ذات کا ایک حصہ ہے۔'' اس نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہاری فیملی کہاں ہے؟'' نیل بر نے بات بدلنے کی غرض سے سوال کیا تھا۔

''وہ اسلام آباد ہیں۔'' اس نے تصویر سے نظریں ہٹائی تھیں۔

''میری ایک خالہ اور بھائی، ماموں کی فیملی ہمارے برابر رہتی ہے۔'' وہ اسے مزید بھی بتا رہا تھا۔

''گلگت میں تمہارا اب کوئی نہیں؟''

''میرے بابا اور چچا کے قتل نے ہمیں ایسے خوف کا شکار کر دیا تھا کہ ہم ایک لمبا عرصہ کے لئے روپوش رہے، ہماری ماں کو اس خوف نے ذہنی بیمار کر دیا تھا، ہمارا گلگت سے تعلق ختم ہو گیا، ماما کو لگتا تھا بابا کے دشمن ان کے بچوں کو بھی قتل کر دیں گے۔'' وہ کوریڈور میں اس کے برابر چلتا ہوا بتا رہا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔

''یہ کوئی خاندانی دشمنی تھی؟'' نیل بر نے ایک سوال کیا۔

''انا کی جنگ تھی اور شاید محبت کی۔'' اس کا لہجہ اداسی سے بھرپور تھا۔

''ہماری سب جائیداد پہ قبضہ ہو گیا، حویلی بند ہو گئی یا گرا دی گئی۔'' امام شاید نیل بر کے سامنے آج دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

''اور تم لوگوں نے کوئی مقدمہ درج نہیں کروایا؟''

''یہاں مقدمے درج نہیں ہوتے، جرگے بیٹھتے ہیں اور فیصلے سنائے جاتے ہیں۔'' امام کا لہجہ

دکھ بھرا ویران تھا، کھنڈروں کی مانند۔

''تو کسی جرگے نے فیصلہ نہیں دیا؟''

''دیا تھا، مگر وہ فیصلہ ہمارے حق میں نہیں تھا۔'' امام نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''مگر کیوں؟ تم لوگوں کا نقصان زیادہ ہوا تھا۔'' نیل بر نے تیز لہجے میں پوچھا تھا۔

''یہ فیصلہ غیرت کے نام پہ کیا گیا تھا اور غیرت کے نام پہ ہوئے قتل ضائع ہو جاتے ہیں، ان کو کوئی انصاف نہیں دیا جاتا۔'' امام کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی، گہری شام سی سرخی، نیل بر لمحہ بھر کے لئے چپ ہو گئی تھی، شاید کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

''چلتا ہوں۔'' وہ سر جھکائے کوریڈور سے آگے نکلا گیا تھا، یہاں تک کہ ایک سرے پہ اسے رکنا پڑا، سامنے جہاندار کھڑا تھا۔

یہ بہت ہی عجیب آمنا سامنا تھا، وقت جیسے لمحہ بھر کے لئے رک گیا تھا، امام اسے دیکھ رہا تھا اور وہ نیل بر کو دیکھ رہا تھا۔

اور نیل بر امام کا تعارف کروا رہی تھی، اس تعارف کی تو ضرورت ہی نہیں تھی، امام اور جہاندار ایک دوسرے کو جانتے تھے، خیال میں گزارے شب و روز امام کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے، اس نے آگے بڑھ کر سلام کرنے میں پہل کی تھی۔

جہاندار نے اس کا مصافحہ کے لئے بڑھا ہاتھ تھامنے کی بجائے گلے لگا لیا تھا، یہ سب بہت غیر متوقع تھا، وہ امام کو روک رہا تھا، شاید کہ وہ رک جاتا، مگر اس کی طبیعت بوجھل تھی۔

''میں تمہیں بہت اچھی چائے پلاتا ہوں۔''

''چائے تو میں پی چکا۔'' امام کو شائستگی سے بتانا پڑا تھا۔

''وہ چائے کہاں تھی، اسے جوشاندہ کہتے ہیں۔'' جہاندار نے ماحول کی کثافت کو دور کرتے ہوئے کہا تھا، امام بھی مسکرا دیا اور نیل بر، ہاں اس کا منہ بن گیا تھا۔

''تم پر فرض ہے کہ ہر ایک کے سامنے میرے سگھڑاپے کی برائی کرو۔''

''میں نے برائی کب کی، میں نے تو تعریف کی، نیل بر کی چائے تو بیک وقت دو تین ذائقے دیتی ہے۔'' جہاندار کا انداز مزاحیہ تھا، امام ہنس پڑا، نیل بر کا منہ اور بن گیا تھا۔

''تم میری برائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔''

''کبھی کبھی میں نظر انداز بھی کر دیتا ہوں۔'' جہاندار نے شان بے نیازی سے کہا تھا، امام ان کی نوک جھونک انجوائے کر رہا تھا، کچھ دیر پہلے والی چھائی کثافت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

امام کو جہاندار نے زبردستی روک لیا تھا، انہوں نے ایک بھرپور نشست میں پرانی سب باتیں دہرائی تھیں۔

وہ نیل بر کی خاطر امام کو آگ میں کودنے پر خراج تحسین پیش کر رہا تھا، امام کو بھی بہت سارے بھولے بسرے منظر یاد آ رہے تھے، نیل بر خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہی تھی، اسے اپنی بیوقوفیاں یاد آ رہی تھیں اور ساتھ پیاری سی حمت بھی، کتنی اچھی ہمدرد اور مخلص کزن تھی۔

''اب تم کیا اکیلے اکیلے مسکرا رہی ہو۔'' جہاندار کی اچانک اس پر نظر پڑی تو چونک گیا تھا۔

"مجھے حمت یاد آرہی ہے۔" نیل بر نے اعتراف کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

امام حمت کے نام پر چونک گیا تھا، امام نے کہا۔

"نیل بر سے شادی ایک معجزہ ہے۔"

"بالکل معجزہ تصور کیا جا سکتا ہے۔" جہاندار نے تسلیم کرلیا۔

"مگر اس کا کریڈٹ تمہیں ہی جاتا ہے۔" جہاندار کا انداز شرارتی تھا، امام بھی ہنس پڑا۔

"نیل بر کے بولڈ اسٹیپ کی وجہ سے یہ سب ہوا اور صندیر خان تمہاری بجائے میرا دشمن بن گیا۔"

"خیر صندیر خان تو میرا بھی دشمن ہے۔" جہاندار کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

"سنا ہے قاتلانہ حملے میں زخمی ہوا ہے صندیر خان۔"

"ٹھیک سنا ہے، اب ان لوگوں کا مکافات عمل شروع ہو چکا۔" جہاندار نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

"بہت جلد تمہیں قدرت کا انصاف نظر آنے لگے گا۔" جہاندار کے لہجے میں بھوکے شیر کی سی غراہٹ تھی۔

"میں اپنے بھائی فرخزاد اور شیر شاہ کے خون کا بدلہ لوں گا۔" جہاندار کے ارادوں نے امام اور نیل بر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ بھر دی تھی، وہ دونوں جہاندار کو دیکھتے لمحہ بھر کے لئے گم صم ہو گئے تھے۔

"میں بنو محل کی نسل مٹا دوں گا، جیسے انہوں نے میرے خاندان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، میں ان کے پورے خاندان کو پاش پاش کر دوں گا۔"

ایک دم پوری حویلی میں سوگواری خاموشی چھا گئی تھی، وہ تینوں نفوس دم بخود بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے جا رہے تھے، پھر ان میں سے وہ نوجوان لڑکا اچانک کھڑا ہوا تھا، اس کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی اور چہرا اس کا لہو رنگ ہو رہا تھا، جذبات کی تپش نے اس کی آنکھوں میں آگ بھر دی تھی۔

"اگر تم شیر شاہ اور فرخزاد کے قاتلوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہو تو میں اس کام میں تمہارے ساتھ اپنی آخری سانس تک رہوں گا، میں امام فریدے شیر شاہ کا بیٹا ہوں، میں شیر شاہ کے قاتلوں کو زمین کے اندر دھنسا دوں گا۔"

پوری حویلی لمحہ بھر کے لئے ورطہ حیرت میں ڈوب گئی تھی، کچھ پل کے لئے حویلی والوں پہ سکوت طاری ہو گیا تھا، شاید یہ انکشاف پوری حویلی کی بنیادیں ہلا دیتا، شاید پوری حویلی کا ملبہ ان تین نفوسوں کے اوپر آ گرتا، یا کچھ ایسا ہی انہونا ہو جاتا، مگر اچانک کوئی اپنی جگہ سے اٹھا اور بہت اچانک نیم تاریک ہال سے نکل کر راہداری میں گم ہو گیا، وہ جہاندار فریدے تھا، جو اچانک اٹھ کر چلا گیا تھا، وہ نہ مڑا، نہ ہٹا نہ واپس آیا، نیل بر اس کے رویئے پہ دم بخود تھی اور امام انگشت بدنداں وہ دونوں جہاندار کے رویئے کو سمجھنے سے قاصر ہو چکے تھے اور امام اپنے دل میں مچلتے جذبات پہ قابو پاتا اٹھا اور تیزی سے حویلی کی دہلیز پار کر گیا تھا، بہت شدت کے ساتھ جہاندار کے گلے لگ کر

رونے کی خواہش امام فریدے کے اندر طلاطم مچا رہی تھی۔
اور وہ بھیگی پلکوں پہ اتری شبنم کو انگلی سے روندتا حویلی سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ رات بھر اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔
نیل بر نے پوری رات باہر ہی گزار دی تھی، جہاندار کمرے سے نکلا نہیں، نہ اس نے دروازہ کھولا تھا، نیل بر جانتی تھی، کوئی بھی اصرار سے باہر نکالنے پہ مجبور نہ کر سکے گا، وہ خود بخود دوسرے دن دروازہ کھول دے گا، وہ نارمل نظر آئے گا اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا، مگر ایسا نہیں ہوا۔
اگلی دوپہر سے سہ پہر اور پھر شام ہو چکی تھی، دروازہ کھلا ضرور مگر جہاندار نارمل نظر نہیں آیا، اس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور آنسوؤں کی نمی، نیند کی کمی اور کرب و درد کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں، نیل بر کے اندر مچلتے شکوے دم توڑنے لگے تھے، اسے جہاندار کی حالت دیکھ کر ترس آنے لگا تھا۔
وہ ٹوٹا تھا، بکھرا تھا، خود کو کھویا ہوا لگ رہا تھا، درد کا مارا ہوا، قسمت سے ہارا ہوا، وہ ایک ناکام انسان نظر آ رہا تھا، نیل بر کا دل درد سے بھر گیا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے، وہ جہاندار کے قریب آئی، بہت سارے سوال اس کی نوک زبان پر مچل رہے تھے، مگر اس نے پوچھا تو بس اتنا ہی۔
''صدیوں اور قرنوں سے بچھڑے ہوئے اپنوں کے ساتھ کوئی ایسا بھی کرتا ہے؟'' جہاندار نے زخمی نگاہ سے اسے دیکھا اور سر جھکا دیا۔
''کیا تم اس کو گلے لگانا نہیں چاہتے تھے؟ کیا بہت سالوں سے بچھڑے ہوئے لوگوں کا کوئی ایسا استقبال کرتا ہے؟ تقدیر اسے تمہارے سامنے کھینچ کر لے آئی، جسے تم سالوں سے تلاش کر رہے تھے، وہ تمہارا بھتیجا تھا، پھر تم نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' نیل بر نے گہری ٹوٹ پڑی افسردگی میں ڈوبتے لہجے اور آنسوؤں میں بہتی آواز کے ساتھ کہا تھا، جہاندار اب بھی خاموش تھا، وہ کچھ نہیں بولا اور خاموش رہا۔
''کیا اس نے تمہیں پہچان لیا تھا؟''
''میں اسے جانتا ہوں، بہت سالوں کی تلاش کے بعد میں نے اسے کھوج لیا تھا۔'' جہاندار نے بہت دیر بعد اس گہری ہوتی خاموشی کو توڑ دیا تھا۔
''مجھے پہلا شاک تب لگا، جب اس کی یہاں پوسٹنگ ہو گئی، میں چاہتا ہی نہیں تھا یہ لوگ ضلع تھرپارکر کی طرف آئیں، میں تو اب بھی نہیں چاہتا، میری آگ میں یہ کود پے، یہ میرا ساتھ دے، یہ نسل قیامت تک نہیں چاہتا، یہ میری آنے والی نسل کے امین ہیں، میں اپنی یہ پونجی ان پتھروں پہاڑوں میں لٹا نہیں سکتا، اس لئے میں وہاں سے چلا آیا، میرا آنا بہت بہتر تھا نیل بر، میں اپنے اور اس کے رشتے کو جھٹلا آیا ہوں، یہ اس کے حق میں بہت بہتر ہے۔'' وہ بول رہا تھا، ایک ایک لفظ تول تول کے بول رہا تھا اور نیل بر دم بخود سن رہی تھی۔
''میں نہیں چاہتا جس انتقام کی آگ میں میں جھلس رہا ہوں میں، اس آگ میں یہ دونوں بھی

شریک ہوں، یہ میرا انتقام ہے، اسے میں پورا کروں گا۔'' اس کا لہجہ دھیما مگر ارادہ چٹانوں کی طرح
مضبوط تھا۔

''میں انہیں ان کا کھویا ہوا وقار پہچان اور جائیداد سب کچھ دوں گا، ظالموں کے حلق سے
نکالوں گا سب کچھ، ایک روشن زندگی دوں گا، اس لئے میں چاہتا ہوں، تم کسی بھی امام کو بھول جا
اور کبھی کسی بھی امام سے مت ملنا، تمہارا ملنا اسے حویلی میں بار بار لائے گا، وہ اپنی پرانی یادوں
کھوج گیا تو انتقام کی اس آگ میں خود کو جھلسا بیٹھے گا، میں اسے کھونا نہیں چاہتا، نہ میں چاہتا ہوں
وہ خود کو کھو کر اپنی زندگی مشکل بنا دے، اس لئے نیل بر تم کبھی امام سے مت ملنا، اسے میری
ریکوئسٹ سمجھ لو۔'' جہاندار کی بھیگی پلکوں پہ اترا آخری آنسو گواہی دے رہا تھا کہ اس کے ارادے
کتنے مضبوط ہیں اور وہ اپنی بات، اپنے ارادے اور اپنے انتقام سے ہٹنے والا نہیں تھا۔

نیل بر کو پہلی مرتبہ جہاندار سے خوف آیا تھا اور اس خوف نے نیل بر کی راتوں کی نیندیں ا
دی تھیں، وہ اگلی بہت ساری راتیں سو نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

یہ ایک البیلی سی پگڈنڈی تھی، جس کی گیلی سوندھی مٹی پہ نیل بر اداس بیٹھی تھی، اس کے قری
گلالئی ناشپاتی کی ٹھوکری رکھے ناشپاتیاں کاٹ رہی تھی اور بار بار اچٹتی نگاہ نیل بر کے چہرے
بھی ڈال لیتی تھی۔

''اب بتا دو نیل بر، تم اداس کیوں ہو؟'' بالآخر گلالئی نے تنگ آ کر پوچھ ہی لیا تھا۔
''کبھی کبھی بے سبب اداسی بھی ہوتی ہے۔'' اس نے سر جھکائے جھکائے دھیمی آواز میں کہا
''مجھے فلسفہ سمجھ نہیں آتا، ان پڑھ بندی ہوں، سیدھی بات بتاؤ، کیا ہوا؟ جہاندار سے لڑائی
گئی؟'' گلالئی نے پیار سے اس کے گال کو چھوا تھا، اس نے ایک افسردہ نگاہ گلالئی کے پر خلو
چہرے پہ ڈالی تھی۔
''ایسا کچھ نہیں۔''
''تو پھر؟''
''کچھ بھی نہیں۔''
''نیل بر! اب میں ناراض ہو جاؤں گی۔'' آخر اسے دھمکی دینی پڑی تھی۔
''کچھ بتانا کو نہیں ہے۔'' وہ بیزار ہوئی۔
''آخر کوئی تو بات ہے نا، جس نے تمہیں اداس کر رکھا ہے۔'' گلالئی اسے آسانی کے سا
چھوڑنے والی نہیں تھی۔
''جہاندار نا، بہت ضدی ہے، میری بات تو کیا کسی کی بھی نہیں سنتا۔'' بالآخر اس نے زبا
کھول ہی دی تھی۔
''اس میں نئی بات کیا ہے؟'' گلالئی کو حیرت نہیں ہوئی۔
''جہاندار نے امام کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' اب وہ رونے لگی تھی، گلالئی گھبرا گئی۔
''کون امام؟'' اور پھر گلالئی کے سوال پر نیل بر کو امام کے بارے میں بتانا پڑا تھا۔

"وہ شیر شاہ لالا کا بیٹا ہے؟" اس انکشاف پر تو گلالئی کو دل کا دورہ پڑنے لگا تھا۔

"ہاں مگر جہاندار نے صاف انکار کر دیا، وہ دوبارہ آیا تھا، جہاندار نے اسے اپنا بھتیجا ماننے سے انکار کر دیا، پھر وہ ثبوت بھی لے آیا، جہاندار پھر بھی نہ مانا، اس نے کہہ دیا کہ اس کے بھائی کا گم شدہ خاندان تھا ہی نہیں، وہ اسے جھٹلاتا رہا، اس کو رولاتا رہا اور بالآخر اسے مایوس لٹا دیا۔" نیل بر کا دل بھر آیا تھا۔

"مگر جہاندار نے ایسا کیوں کیا؟ وہ تو پاگلوں کی طرح انہیں تلاش کرتا رہا ہے۔" گلالئی حیران رہ گئی تھی۔

"جہاندار نہیں چاہتا، اس کے دشمنوں کو پتا چلا کہ وہ اکیلا نہیں ہے، یہ رشتے اس کو کمزور نہ کر دیں، اس لئے وہ امام سے انکاری ہو گیا ہے، اس نے امام کا دل توڑ دیا اور اسے بول دیا کہ اس کا باپ جہاندار کے بھائی کا ہم نام ہو سکتا ہے مگر اس کا بھائی نہیں۔" نیل بر سخت دکھی اور دل برداشتہ تھی۔

"لیکن امام نے بھی کہہ دیا، وہ اس پر ثابت کر دے گا، وہ شیر شاہ فریدے کا بیٹا ہے۔" نیل بر کے مزید بتانے پر گلالئی نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا تھا۔

"تم پریشان نہ ہو، جہاندار اپنے مقصد پہ ہے اور اپنی راہ میں رشتوں کی رکاوٹ نہیں لا سکتا، اس نے مصلحتاً یہ سب کیا۔"

"مگر اسے اعتبار میں تو لے لیتا، جس رشتوں کے لئے ترستا رہا، انہیں اب دہلیز سے لوٹا دیا۔" نیل بر کو بے پناہ دکھ اور غصہ تھا۔

"پھر اس کا صبر اور ضبط دیکھو۔" گلالئی نے پیار سے اسے سمجھایا، مگر نیل بر کو جہاندار پہ بہت غصہ تھا، وہ اس کی حکمت عملی کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"اس نے تمہیں روک دیا ہو گا امام سے ملنے جلنے اور بات چیت سے۔" گلالئی معاملہ کی تہہ تک اب اتری تھی، نیل بر کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر گلالئی کو ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"تمہیں چاہیے کہ اس کی بات مان لو۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا، جہاندار کو سمجھ نہیں آتی، صندیر لالا دشمنی کا باب میری ان سے شادی کے بعد ختم کر چکے ہیں۔" نیل بر نے چڑ کر اسے بتایا تھا۔

"مگر جہاندار کی ان سے دشمنی تمہاری شادی سے پہلے کی ہے، نیل بر یہ بات نہیں بھولو۔" گلالئی نے نرمی سے اسے احساس دلایا تھا۔

"گلالئی، اب تک یہ لوگ قتل در قتل، دشمنی در دشمنی نبھاتے رہیں گے۔" اس نے تھک کر سوال کیا تھا۔

"شاید آخری سانس تک۔" گلالئی افسردگی سے بولی تھی۔

"بدلہ لینا ان کی سرشت میں شامل ہے۔"

"پتا نہیں وقت کب بدلے گا۔" نیل بر نے رنجیدگی سے کہا۔

"اللہ نے چاہا تو ضرور بدلے گا۔" وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''تم عادی نہیں ہونا، تمہیں سب بہت عجیب لگتا ہے، ہمیں قتل ہونے اور قتل کرنے کی عادت ہے، ہمیں کچھ بھی عجیب نہیں لگتا۔''

''جہاندار تو اس ماحول میں نہیں رہا، پھر بھی وہ بدلا نہیں، یوں لگتا ہے؟ ماحول شہر یا تعلیم اس پر اثر انداز نہیں ہوئی۔'' وہ مایوسی سے کہہ رہی تھی۔

''وہ اس لئے نہیں بدلہ کہ اس نے خود کو بدلنا چاہا ہی نہیں، اوائل عمری میں اس نے اپنے ہرے بھرے گھرانے اور جان سے پیارے رشتوں کو کھویا ہے، یہ تین سوتیلے بھائی تھے، جہاندار تو ان سے بہت چھوٹا تھا، اس کے باوجود وہ اپنے بھائیوں کی محبت اور ان کے قتل کو بھلا نہیں پایا، وہ بڑو خاندان سے بدلہ لے گا، یا صندیر خان کو مرنا ہوگا یا شاہوار خان کو، سردار بڑو کے ساتھ اس کا ایک بھتیجا ضرور مرے گا، وہ شیر شاہ اور فرخزاد کے قتل کو ترازو میں برابر رکھ کر تولے گا، ایک چھٹانک بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔'' گلالئی کے سفاک سچ نے نیل بر کے چہرے کا رنگ متغیر کر دیا تھا۔

''میرے بابا۔'' اور نیل بر کو لگا اس کا دل کسی نے آرے پہ رکھ کے چیر دیا تھا، اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو اتر آئے تھے۔

''مجھے میرے بابا بہت عزیز ہیں، میں جہاندار کو یہ سب نہیں کرنے دوں گی، چاہے اس کی خاطر میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔'' نیل بر نے یہ کوئی جذباتی مکالمہ نہیں بولا تھا، اس لمحے اس نے اپنے باپ سے شدید محبت کا اعتراف کیا تھا۔

''میں اپنے بابا سے ناراض تھی کہ انہوں نے میرے ساتھ بہت برا کیا، میرا اعتبار نہیں کیا، مگر اب ہر گزرتے دن کے بعد مجھے اپنے باپ کی مصلحتاً خاموشی کا مطلب سمجھ آنے لگا ہے، صندیر خان کے فیصلے کو مان کر میرے باپ نے مجھے محفوظ کیا، کسی انتہا پسند قبیلے کے انتہا پسند سردار کی چوتھی بیوی بننے سے بچا کر جہاندار کے سپرد کر دیا، میرے باپ کو یقین تھا جہاندار میری حفاظت کرے گا اور مجھے ہر سکھ ہر آرام دے گا، مجھے اپنے بے اصول باپ کی اصول پسند محبت پہ آج فخر ہوتا ہے، تب مجھے بابا اور لالا دونوں بہت سنگدل اور ظالم لگتے تھے، آج مجھے اپنے باپ کی خاموش محبت اور خاموشی پہ پیار آتا ہے۔''

''وہ میرا باپ مجھ سے کبھی محبت کا اعتراف نہیں کر سکا، مگر مجھے میری بد نصیب ماں کے جنگل اور یورپ کی گندی زندگی سے بچا کر یہاں لے آیا، مجھے دنیا بھر کی نعمتوں اور اپنے خاندانی رسم و رواج سے بغاوت کر کے آزادی دیتا رہا، مجھے اعتراف کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں، میرا باپ مجھ سے شدید محبت کرتا ہے، میری جدائی اور دوری نے اسے بیمار کر ڈالا ہے، میں اپنے باپ کی یاد میں تڑپتی ہوں، مگر اس سے ملنے، اسے دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔'' نیل بر کی آنکھوں میں آنسو تھے، گلالئی کو حوصلہ دینے کے لئے الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے۔

''میں بابا سے ملنا چاہتی ہوں، مگر جہاندار سے کہہ نہیں پاتی۔'' وہ اپنے گال رگڑتی بے بس تھی۔

''لیکن صندیر خان تمہیں ان سے ملنے نہیں دے گا، یہاں پہاڑی لوگوں کے اپنے بنائے قوانین ہیں، یہ اپنے اصول توڑتے ہیں نہ قانون۔'' گلالئی نے اسے حقیقت بتائی تھی۔

''پتا نہیں، ان لوگوں میں تبدیلی کب آئے گی۔''

''شاید کبھی نہیں۔'' نیل بر نے افسردگی سے کہا۔

''نہیں نیل بر برا وقت بدلتے دیر نہیں لگتی، شاید وقت بدل جائے اور ہم وہ سب دیکھیں جو پہلے کسی نے نہیں دیکھا، شاید ہماری بستی میں بھی ایک روشن صبح طلوع ہو۔'' گلالئی کی آنکھوں میں اچانک ہی روشن امید بھر گئی تھی، جس کی روشنی نے نیل بر کو مسحور کر دیا تھا، وہ یک ٹک گلالئی کو دیکھ رہی تھی، اسے گلالئی اس لمحے بہت ہی حسین لگی۔

''گلالئی، تمہیں معلوم ہے، تم کتنی حسین ہو۔'' وہ اچانک خوابناک لہجے میں بولی تھی، گلالئی بے چاری اتنی غیر متوقع بات پر ایک دم جھینپ گئی تھی۔

''یہ کیسی بات کر دی۔'' اس کا شرمانا نیل بر کو مسکرانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

''تمہیں کبھی کسی نے کہا کہ تم کتنی خوبصورت ہو؟'' نیل بر کے اصرار پر گلالئی کو جھینپی جھینپی مسکان کے ساتھ بتانا پڑا۔

''ہاں ایک مرتبہ مورے کے بیٹے ہیام نے بولا تھا۔''

''ہیام کون ہے؟'' وہ آنکھیں گھما کر معنی خیزی سے بولی۔

''وہ ہمارے رشتے دار ہیں اور مورے میری ماں جیسی ہیں، میرے سوتیلے بھائیوں کا سالا بھی لگتا ہے۔'' اس کے اصرار پر گلالئی کو بتانا پڑا تھا۔

''او...... ہو۔'' اس کا اوہو اتنا معنی خیز تھا کہ گلالئی کو وضاحت کرنا پڑی تھی۔

''ارے ہیام تو مجھ سے بہت ہی چھوٹا ہے اور مجھے بہت عزیز ہے، وہ پیارا انسان ہے، اسے انسانیت کی قدر اور محبت ہے، وہ ان پہاڑی پتھر دل لوگوں سے بہت مختلف ہے۔'' گلالئی کے تعریفی انداز پر نیل بر نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔

''پھر تو ہیام صاحب سے ملنا ہی پڑے گا۔''

''تم مل تو چکی ہو۔''

''مگر کب؟'' نیل بر حیران ہوئی۔

''جب تم بیمار ہوئی تھی، تب وہ یہاں ہمارے گھر آیا ہوا تھا، خان بابا اسے لینے آیا تو وہ تمہارے چیک اپ کے لئے گیا تھا، اس نے مجھے بتایا تھا، بھوت حویلی میں ایک حسین پری ایک خوبصورت شہزادے کے ساتھ رہ رہی ہے۔'' گلالئی کے بتانے پر نیل بر کو یاد آ گیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکان آ گئی تھی۔

''وہ شرارتی سا لڑکا، ڈاکٹر ہیام!'' اور اس کے ساتھ نیل بر کو اور بھی بہت کچھ یاد آ گیا اور اس کی مسکان سمٹ گئی تھی۔

''تم جانتی ہو گلالئی، اس شرارتی ہیام نے صندیر لالا پہ قاتلانہ حملہ کیا۔'' اس کا انکشاف گلالئی کو کچھ پل کے لئے چپ کروا گیا تھا۔

''ہاں، جانتی ہوں، اس کی بیوی کے اغوا کا مسئلہ تھا۔'' گلالئی نے افسردگی سے بتایا۔

''جانتی ہو ہمارے گھر تو صف ماتم بچھی پڑی، میری سوتیلی ماں کو دل کا دورہ پڑ گیا اور ہیام کی

بہنیں اس کا جینا حرام کرنے مورے کے گھر پہنچ گئیں۔"

"مگر کیوں؟"

"ہیام نے یہ شادی گھر والوں سے چھپا کے کی تھی نا۔" نیل برکا اس انکشاف پہ منہ کھل گیا تھا۔

"اور اب؟"

"اب نجانے اس بے چاری لڑکی کا کیا حشر ہوتا ہے، ہیام کی بہنیں اور میری بھابھیاں اس کو آسانی سے معاف نہیں کریں گی۔" گلالئی تصور کی آنکھ سے مورے کے گھر بڑے ہال میں ایک عدالت لگی دیکھ رہی تھی، ویسے ہی نیل بر بھی تصور کی آنکھ سے ایک منظر دیکھ رہی تھی۔

ہیام کے گھر بڑے ہال کا ماحول انتہائی سوگوار تھا۔

مورے بے دم اپنے تخت پہ پڑی تھیں، عثیہ اور عمکیہ شاک، غصے اور بھڑاس نکال لینے کے بعد اس حال میں بیٹھی تھیں، جیسے بولنے کے لئے بھی کوئی لفظ نہیں بچا تھا۔

عروفہ ہمیشہ کی طرح منظر سے غائب تھی، البتہ عثیہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے تمام دلائل لینے اور دینے کے بعد مطمئن بیٹھی تھی، ہیام اپنا مقدمہ پیش کرنے کے بعد جا چکا تھا، اب ہونے کو کیا ہوسکتا تھا؟ عثیہ نے سارے پہلوؤں پر غور و فکر کیا اور سر جھٹک دیا۔

اسے اندازہ تھا، یہ لوگ سوائے ہنگامہ آرائی کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، ہیام کی پوزیشن مضبوط تھی اور وہ اپنی جگہ حق پر تھا، مگر اس کی جاہل بہنوں کی ہمشیرانہ محبت کا جوش کم نہیں ہو رہا تھا، عثیہ کو سب سے زیادہ صلح جو عمکیہ کے رونے دھونے پہ حیرت تھی، جب اس سے برداشت نہیں ہوا تو اس نے بالآخر کہہ ہی دیا تھا۔

"عمکیہ! مجھے تم پر افسوس ہے۔"

"ہاں، تم کہہ سکتی ہو، ارمان تو تمہارے ہی تھے، ہمارا تو کچھ لگتا ہی نہیں تھا وہ۔" وہ واقعی رنجیدہ تھی۔

"ارمان کون سا بھاگے جا رہے ہیں اب نکال لو، اس نے نکاح کیا ہے، بیاہ نہیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح با اعتماد اور بے نیاز تھی، لوگوں کو ایویں ہی عثیہ پہ رشک نہیں آتا تھا۔

"مگر ہمارے ہیام نے ایسا کیسے کرلیا؟ ضرور اسے ورغلا لیا ہوگا۔" عمکیہ نے بالکل علینہ کی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا تھا، عثیہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"اتنا بچہ نہیں ہیام، جو لوگوں کے کہنے میں آجائے۔"

"مگر وہ اتنا بڑا اقدام اکیلے نہیں اٹھا سکتا۔"

"وہ اکیلا نہیں ہوگا، کوئی ساتھ تو ہوگا۔"

"پتہ نہیں کیسے لوگوں میں پھنس گیا تھا، جن لوگوں نے صرف اور صرف اپنا مفاد دیکھا اپنی لڑکی ہمارے معصوم ہیام کے سر منڈھ دی۔" عثیہ کو پھر سے واویلا یاد آگیا تھا۔

"ہیام اتنا بھی معصوم نہیں۔" عثیہ نے چڑ کر کہا۔

''مگر میں کہے دیتی ہوں ہم اس لڑکی کو اپنے بھائی کی بیوی کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔'' عینہ نے بانگ دہل اعلان کر دیا تھا۔

''تو آپ کے تسلیم نہ کرنے سے کیا ہوگا؟ آپ کا بھائی اسے چھوڑے گا تو نہیں۔'' عشیہ نے دوبدو اسے جواب دیا تھا۔

''اسے چھوڑنا ہی پڑے گا، یا اسے رکھے گا یا ہمیں۔'' عینہ نے فیصلہ سنا دیا، عشیہ نے ایسی نظر سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔

''اس بے چاری کا تمام قصے میں کوئی قصور نہیں۔'' عشیہ نے آخری بے بس نگاہ ان سب پہ ڈالی اور اٹھ کر ہیام کے کمرے میں چلی آئی۔

ہیام اپنے پلنگ پر لیٹا ٹانگ ہلا کر کچھ گنگنا رہا تھا، عشیہ کو وہ بڑے ریلیکس موڈ میں نظر آیا تھا۔

''باہر آگ لگا کر یہاں گانے گائے جا رہے ہیں۔''

''میں تو ناچنا بھی چاہ رہا تھا، پھر خیال آ گیا، میری بہنیں نشرہ کے سر ایک اور الزام نہ رکھ دیں، جادوگرنی نے جادو کر دیا ہمارے بھائی پر۔'' وہ عینہ کی نقل اتارتا اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

عشیہ کو اسے ریلیکس دیکھ کر بہت تسلی ہو رہی تھی، اسے یقین تھا، ہیام صورت حال سے نمٹنے کا پورا لائحہ عمل تیار کر چکا ہے۔

''یہ سب تو ایک دن ہونا ہی تھا، بہتر ہے ابھی ہو گیا۔''

''تو تم خود سے تو نہیں سارا ڈرامہ کر چکے؟'' عشیہ ذرا مشکوک ہوئی تھی۔

''اتنا بے عقل بھی نہیں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو عروفہ کی بچی۔''

''اور اس عروفہ کو خبر کیسے ہوئی؟'' عشیہ اصل پوائنٹ پہ اب ہی آئی تھی۔

''یہی تو مجھے بھی پریشانی ہے۔'' ہیام کا انداز پرسوچ تھا۔

''کوئی تو ہے، جو اس سے رابطے میں ہے، شاید کوئی نشرہ کا رشتہ دار۔'' عشیہ کا نکتہ بے بنیاد نہیں تھا، مگر ہیام نے اسے جھٹکا دیا۔

''نشرہ کے رشتے داروں کو عروفہ کیسے جان سکتی ہے؟''

''پھر تمہیں کیا لگتا ہے؟ عروفہ کو الہام ہوتے ہیں؟'' عشیہ نے طنزیہ کہا۔

''الہام تو نہیں ہوتے، تاہم اطلاعات اس کے پاس کنفرمڈ ہوتی ہیں۔''

''یہی بات تو میں کہہ رہی ہوں، کوئی تو ہے جو اسے مکمل رپورٹ کرتا ہے۔'' عشیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''پتہ چلا لوں گا، تم فکر مت کرو، بس ذرا یہ تیز آندھی تھم لینے دو۔'' ہیام نے اسے تسلی دی تھی۔

''پھر میں دیکھتا ہوں عروفہ کے باوثوق ذرائع۔''

''ہوں۔'' عشیہ نے ہنکارا بھرا۔

''یہ آندھی تو تھم گئی سمجھو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے تھے۔

''مگر مورے کی خاموشی؟'' ہیام پہلی مرتبہ متفکر نظر آیا تھا، بہر حال ماں کو دکھ پہنچے، یہ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

''وقتی ہے۔'' عشیہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی، تم سے ناراض ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔''

''میں انہیں منالوں گا۔'' ہیام پرامید تھا۔

''ضرورت ہی نہیں۔'' عشیہ نے اسے سمجھایا تھا۔

''ابھی وہ شاک میں ہیں، جب سنبھل جائیں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''وہ نشرہ کو ایکسپٹ کرلیں گی؟'' ہیام پہلی مرتبہ ذرا پریشان نظر آیا تھا۔

''مورے نشرہ تو کیا کسی کو بھی ایکسپٹ کرسکتی ہیں، شرط یہ کہ گلالئی نہ ہو۔'' عشیہ نے بڑا حساس نقطہ اٹھایا تھا۔

''اب گلالئی بیچ میں کہاں سے آگئی؟'' ہیام کا منہ بن گیا تھا۔

''گلالئی مورے کے اندر سے نکلی کہاں ہے؟'' عشیہ کا انداز سوالیہ تھا۔

''انہوں نے ہمیشہ سے یہ فرض کر رکھا ہے، کہ اگر جہاندار نہ لوٹا تو گلالئی کو وہ تمہاری دلہن بنا لیں گی۔'' اپنے دونوں دامادوں کو انہوں نے یہی امید دلا رکھی ہے۔

''اور اگر جہاندار لوٹ آیا تو......؟'' ہیام کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

''پھر تو میں قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا؟''

''ہاں...... ہوسکتا ہے، مورے تمہارا یہ قصور معاف کردیں۔'' عشیہ نے پہلی مرتبہ مسکرا کر کہا تھا۔

''تو کیا بہتر نہیں، میں جہاندار کو ڈھونڈ لاؤں۔'' ہیام کی اگلی بات نے عشیہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''مگر تم جہاندار کو کیسے ڈھونڈو گے، ہم میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھ رکھا۔''

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، وہ تو پھر ایک انسان ہے۔'' ہیام نے امید بھری نگاہ اپنی بہن کے چہرے پہ ڈالی تھی۔

''مجھے یقین ہے، میں جہاندار کو لے آؤں گا، میں مورے سے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں۔'' ہیام کی عالم جوش میں آواز اتنی بلند ضرور تھی، کہ تخت پہ بیٹھی مورے چونک کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

''کیا تو اس بات کا وعدہ کرتا ہے؟'' ان کی خاموش نگاہیں ہیام پر اٹک گئی تھیں۔

''میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں، میں جہاندار کو لے آؤں گا، مگر وہ گلالئی کو اپنا لے؟ یہ میں وعدہ نہیں کرسکتا۔'' ہیام نے بڑے مضبوط لہجے میں مورے کو یقین دہانی کروائی تھی۔

''تم اس لے آؤ، گلالئی سے شادی میں کرادوں گی۔'' عالم جوش میں مورے کی آواز لرزیدہ تھی۔

کچھ ہی دیر میں ہال کا ماحول کچھ اور تھا، عینہ شدید برہم تھی جبکہ عمکیہ حیران پریشان، مورے کا

انداز بدل گیا تھا، وہ اپنا غصہ بھلا چکی تھیں، عشیہ نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا، اسے اپنے بھائی کی ذہانت پہ پیار آ گیا تھا، وہ بڑے سکون سے ناکارہ پتے کھیل گیا تھا، اب کوئی جانے جہاندار کہا تھا، کدھر تھا؟ اور کیوں تھا؟ اگر کوئی جانے تو وہ عشیہ ہی جانے۔

اگر اس نے سردار بٹو کی حسین بٹی سے شادی کی ہی تھی تو پھر اسے کوئی گلالئی کیسے اٹریکٹ کر سکتی تھی، مگر یہ باتیں عشیہ کے سوچنے کی نہیں تھیں، بس اسے یقین تھا، ہیام کچھ ہی عرصے میں پولو کے اس ناقابل تسخیر کھلاڑی کو مورے کے سامنے لا کھڑا کر دے گا۔

جو سردار بٹو کا داماد اور اس کی جان عزیز بٹی کا شوہر تھا، پھر جہاندار کیسے عہد سے پھرے گا؟ کیسے گلالئی سے شادی نہ کرنے پہ قائم رہ سکے گا؟ جہاندار کو گلالئی سے شادی تو کرنا ہی ہوگی، اور نیل بر؟ وہ جہاندار کے ساتھ کبھی نہیں رہے گی، نیل بر کی بربادی اس کے متکبر باپ کی کمر توڑ دے گی، ہاں سردار بٹو کا انجام اس سے بھی برا ہونا چاہیے۔

☆☆☆

منگورہ شہر میں ایک اچھے ہوٹل میں اسٹے کرنے کے بعد اس نے پہلا کام عروفہ کو کال کرنے کا ہی کیا تھا، عروفہ جو ولید کی کال کا انتظار کر رہی تھی، اس کی جان میں جان آئی، ولید کی آواز سن کر سوکھے دہانوں پہ پانی پڑا تھا، اس کی امیدیں بر آئی تھیں۔

''مجھے لگا تم وعدہ خلافی کرو گے۔'' عروفہ کی آواز میں تڑپ تھی۔

''میں تمہیں وعدہ خلاف نظر آتا ہوں۔'' ولید شمالی علاقوں کے حسن سے تر و تازہ تھا، اوپر سے ٹارگٹ اچیو کرنے کی خوشی اور جوش الگ تھا، سو عروفہ سے بڑی رومانٹک باتیں کرتا رہا۔

''ایسا نہیں۔'' عروفہ لجھائی۔

''مجھے لگا تم مجھ سے ملنے نہیں آؤ گے، بس وعدے ہی کرتے ہو نبھاتے نہیں۔''

''اب تو نبھا دیا نا۔'' وہ مسرور سا بولا۔

''ہاں۔'' عروفہ بے پناہ خوش تھی۔

''اب بتاؤ...... بیال میں ملو گی کہاں؟'' وہ اس سے اگلا پروگرام پوچھ رہا تھا، عروفہ اسے راستے اور جگہ سمجھاتی رہی، جب وہ سمجھ گیا تو اس نے گھر کے حالات کا پوچھا۔

''تمہارا مسیحا بھائی کہاں ہے؟''

''وہ ایک کام کے لئے علاقے سے باہر ہوگا، شاید دو دن کے لئے جا رہا ہے۔'' عروفہ نے اس پوری تسلی دی تھی۔

''یہ تو بہت اچھا ہوگا۔'' ولید کا جوش قابل دید تھا۔

''اب بتاؤ، وہ نشرہ، اس کا جینا حرام کیا؟''

''اب تک بہت کچھ ہو چکا ہوگا، میری بہنوں نے تباہی مچائی ہوئی ہے، وہ اسے قبر میں بھی معاف نہیں کریں گی، عنقریب نشرہ یہاں سے دفعان ہو جائے گی۔'' عروفہ نے نفرت سے منہ بگاڑ کر کہا۔

''ایسا ضرور ہوگا۔'' ولید کے چہرے پہ مکاری بھری مسکراہٹ تھی۔

''تم ساتھ دوگی، تو میں جلدی ٹارگٹ اچیو کروں گا۔''

''میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' عروفہ نے یقین دہانی کروائی۔

''مگر کیا تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے۔''

''ہاں...... میں وعدہ خلاف نہیں۔'' ولید نے منہ بھر کے جھوٹ بولا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پہ آسودگی تھی، جیسے ٹارگٹ اس کے قریب اور شکار جنگل میں پھنس چکا ہو۔

''کیا تم مجھ سے شادی کے وعدے پہ قائم ہو۔'' وہ بھی عروفہ تھی اور اس سے مکمل یقین دہانی چاہتی تھی۔

''میں نے کب انکار کیا؟''

''مگر میرے گھر والے نہیں مانیں گے۔'' عروفہ نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

''تمہارے گھر والوں کی پرواہ کسے ہے، نہیں مانیں گے تو انہیں منائے گا بھی کوئی نہیں، میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔'' ولید نے مکاری سے اس کے گرد جال بنا تھا اور عروفہ اس کے جال میں پوری طرح سے پھنس چکی تھی۔

''تم مجھے یہاں اس قید سے نکال لو گے؟''

''ہاں تمہاری زندگی کے یہ دن تھوڑے ہیں، پھر تم آزادی سے جیو گی، اپنی مرضی سے زندگی گزارو گی، ہم یہ ملک چھوڑ دیں گے اور بہت عیش کی زندگی گزاریں گے۔'' ولید نے اس کی روشن آنکھوں میں ان گنت خواب بھر دیئے تھے اور عروفہ کی آنکھیں ان روشنیوں سے چندھیا گئی تھیں۔



''میں اس سب کے لیے تیار ہوں۔''

''دیکھ لو، وقت پہ مکر مت جانا۔'' ولید نے ٹھنک کر کہا۔

''بیچ راستے میں چھوڑ مت دینا۔''

''میں ایسی نہیں ہوں۔''

''سب یہی کہتی ہیں۔''

''تمہیں بہت تجربے ہیں؟'' عروفہ نے برا مان کر کہا۔

''ہاں تجربات تو بہت ہیں۔'' اس نے تسلیم کر لیا تھا۔

''پھر تم آ رہی ہو؟''

''ہاں۔''

''کہاں؟''

''بتا دوں گی۔'' عروفہ نے جلدی سے بات سمیٹی تھی۔

''اچھا پھر بات کروں گی، یہاں بہت ہنگامہ ہے۔''

''کیسا ہنگامہ ہے؟'' ولید کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''ہیام کی شادی کا قصہ کھل گیا ہے نا۔'' عروفہ نے اس کا تجسس انت پہ پہنچا دیا تھا، ولید کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''او مائی گڈنیس۔''

''اب کیا ہوگا؟'' اس کی دلچسپی کے کیا ہی کہنے تھے۔

''مورے اور میری بہنیں شدید غصے میں ہیں۔'' عروفہ اسے تفصیل بتا رہی تھی۔

''خالی غصے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' ولید نے اسے اور اکسایا تھا۔

''اپنی بہنوں سے کہو، کوئی عملی طور پر اسٹینڈ لیں۔'' اب وہ اسے مختلف مشورے دے رہا تھا، نشرہ کو اتنی آسانی سے طلاق ہو جائے تو اتنی محنت کی ضرورت ہی نہ رہے۔

''نشرہ اس گھر میں اب رہنے والی نہیں، میری بہنوں کو تم نہیں جانتے، جلد ہی نشرہ کا قصہ تمام ہو جائے گا۔'' عروفہ نے ولید کی امید کو بھی بڑھا دیا تھا، اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''تم مجھے جلد ہی خوشخبری سنا دو۔''

''اور تم؟'' عروفہ نے فوراً کچھ لو اور دو کی بات کر دی تھی، وہ بھی عروفہ تھی، اگر ولید مطلب پرست تھا تو عروفہ کون سا ولید سے کم تھی۔

''میں..... تمہارے لیے ہوں نا، یہی تمہارا انعام ہوگا۔'' ولید نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، اب وہ خوبصورت انگڑائیاں لیتا کھڑکی کھولے منگورہ کا حسن انجوائے کر رہا تھا، اس حال میں کہ اس کے چہرے پر بڑی مکروہ قسم کی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

☆☆☆

رات دبے قدموں گزر رہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں اپنی رفتار سے چل رہی تھیں، باہر بلا کا ٹھنڈا موسم تھا، بیاں پہ سرما کا سایہ تھا، اندر انگیٹھی میں سارے کوئلے بجھ گئے تھے، ہیام نے گہرا طویل سانس کھینچ کر کب سے خموش بیٹھی نشرہ کی طرف دیکھا تھا۔

اب اسے نشرہ کے برابر بیٹھنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا، ہاں عروفہ نے دیکھنا تھا تو آکر دیکھ لیتی، مگر نشرہ کی خفگی اور ناراضگی کا مقصد سمجھ سے باہر تھا۔

''میں اس خاموشی کے مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد تنگ آکر ہیام نے کہہ ہی دیا تھا۔

''تو کیا کروں؟ بھنگڑا ڈالوں؟'' اس نے گھٹنے سے سر اٹھائے بغیر جواب دیا تھا۔

''ہاں تو اس میں کیا حرج ہے، تمہاری مراد اتنی آسانی کے ساتھ بر آئی ہے۔'' ہیام نے بھی اسے تاؤ دلانے کی کوشش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''بہت آسانی کے ساتھ نا؟ اور جو بے عزتی ہوئی۔'' نشرہ بالآخر پھٹ پڑی تھی۔

''ہاں تو مشکل کیا تھی؟'' ہیام نے لاپرواہی سے پوچھا۔

''تو آسانی کیا تھی؟ تم نے سنی ہیں وہ ساری تکلیف دہ باتیں، گھر سے بھاگی ہوئی؟'' اس کا لہجہ بلا کا تلخ تھا، بات کے اختتام پر اس کی آواز بھی رندھ گئی تھی۔

''ایسے کاموں میں یہ سب تو ہوتا ہے، اتنی سی بھڑاس نکالنا ان کا حق تھا، کیا میں پیچھے ہٹا ہوں؟ یا میں نے تنہا چھوڑا ہے تمہیں؟ یا میں نے تمہیں ڈیفنڈ نہیں کیا۔'' اس کا لہجہ انتہا کی ملائم اور نرم تھا۔

''کیا ایک دم سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا؟ یہ سب میرے توقع کے برخلاف تھا، میں نے ایسے نہیں سوچا تھا، کچھ اچھے حالات میں مورے کو بتا دیتا، مگر تمہارا اغواء۔'' وہ کچھ بولتے بولتے اچانک رک گیا تھا، نشرہ نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

''میرا اغوا نہیں ہوا تھا، میرے ساتھ عروفہ نے کیا۔''

''ہیام شرمندہ ہو گیا، اس کا سر جھک گیا۔''

''میں اس جرم کی سزا اسے کیا دوں؟ وہ پھر بھی میری بہن ہے، رقابت میں وہ اس حد تک گر جائے گی، یہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔'' ہیام نے اس کے قریب آ گیا تھا، پھر اس نے نشرہ کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اور تم اسے برا بھلا مت کہو، وہ بہت اچھا انسان ہے، جس کو تم نے بلاوجہ زخمی کیا، اس نے مجھے تحفظ دیا اور میری حفاظت کی۔'' نشرہ نے صندیر خان کے بارے میں بہت خوبصورت خیالات کا اظہار کیا تھا، وہ اپنے محسن کے لیے ایک لفظ بھی غلط نہیں سن سکتی تھی۔

''کون کہتا ہے رشتے خون کے ہی ہوتے ہیں، رشتے احساس اور انسانیت کے بھی ہوتے ہیں اور یہی رشتے پائیدار رہتے ہیں، ورنہ خون کے رشتوں کو جتنا میں نے بدلتے دیکھا ہے، اتنا اور کسی نے نہیں۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں، آپ کے محسن حضور محترمی و مکرمی جناب صندیر خان کی شان میں گستاخی کی تہہ دل سے معافی چاہتا ہوں۔'' ہیام نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے عقیدت سے کہا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم کسی انسان کی جان بھی لے سکتے ہو؟'' نشرہ نے بے یقینی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''تمہاری خاطر کسی کی جان لے بھی سکتا ہوں اور دے بھی سکتا ہوں۔'' ہیام نے مضبوط لہجے میں کہا تھا، اس کی آنکھوں میں روشنی بھی تھی اور سچائی بھی، نشرہ کو اپنی قسمت پہ رشک آنے لگا تھا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو؟ کیا میرے اس اقدام پر میری بہنوں اور ماں کو غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا، بلکہ انہیں چاہیے تھا، کہ پھولوں کے ہار میرے گلے میں ڈالتیں، کہ میں نے ان کو لڑکی ڈھونڈنے کی تکلیف سے بچا لیا ہے۔'' ہیام کا لہجہ اب ہلکا پھلکا تھا، وہ چاہتا تھا، نشرہ پچھلے کئی دن کے ذہنی دباؤ سے اب آزاد ہو جائے۔

اب جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا اس کی بہنیں ناراض تھیں، ضروری نہیں تھا کہ ہمیشہ ناراض ہی رہتیں، وقت پہلے سا نہیں رہنے والا تھا، تبدیلی آ رہی تھی اور مزید بھی آ سکتی تھی۔

''اور وہ گلائی؟'' نشرہ کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

''وہ تمہارا سر درد نہیں ہے۔'' ہیام کا لہجہ نرم تھا اور مضبوط بھی۔

''تمہاری تو ہے نا۔'' نشرہ نے خفگی سے کہا۔

''میں اس مسئلے کو حل کرلوں گا، گلائی تمہاری سوکن نہیں بنے گی، میں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں۔'' ہیام نے اسے یقین دلانے والے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ دبائے تھے۔

(جاری ہے)

ہائے وہ میرے خواب

حمیرا نوشین



سورج بھرپور جوانی لئے پورے طمطراق
سے اپنے جلوے بکھیر رہا تھا، کافی دیر تک سوچتی
رہی مگر کوئی آئیڈیا ذہن کو سوجھ ہی نہیں رہا تھا،
آئیڈیا آتا تو الفاظ پکڑ میں نہ آتے، سوچ سوچ
کے دماغ شل ہوا جا رہا تھا، اچانک اس کی نظر
آفتاب پر پڑی تو ذہن نے فوراً ایک خیال تک
رسائی کی۔

"دلیس۔" وہ دبے قدموں اوپر چلی آئی
پوری چھت روشنی میں نہائی ہوئی تھی، وہ چھت
کے عین بیچ آنکھیں بند کر کے موڑھا لے کر بیٹھ
گئی۔

"ہاں اب دیکھنا کیسے آئیڈیاز اور
الفاظ میرے ذہن پر یلغار کریں گے۔" کاغذ قلم
کو مضبوطی سے اس نے اپنے ہاتھوں میں تھام
رکھا تھا، سورج کی روشن کرنیں براہ راست دماغ
پر پڑیں گی تو ذہن روشن ہو جائے گا، کیسا نادر
خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"سورج کی تمازت سے جب فصل پک کر
تیار ہو سکتی ہے تو اس کی کرنیں میرے دماغ پہ
چھائی کثافت کو پگھلا کر ایک عمدہ کہانی کیوں نہیں
تیار کر سکتیں، افسانہ تو کیا قارئین کو گرما دینے والا
ایک مکمل ناول آج ضرور تیار ہو جائے گا، ہر
طرف میرے ہی ناول کے چرچے ہوں گے، فیس
بک پر ستارہ آفندی کی تحریر ستارہ بن کر چمک رہی
ہوگی اور جلنے والے اپنے چہرے سے دھواں کر
رہے ہوں گے۔" وہ مسکائی۔

ذرا ہی دیر میں سورج کی شعاعوں نے
ذہن تو کیا چودہ طبق روشن کر دیئے، چکراتے سر،
لڑکھڑاتے پاؤں سے نیچے کی جانب رخ کیا۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے! اجالوں سے میں
تاریکی کا سفر کیوں طے کر رہی ہوں، میرے نام
کے ستارے مجھے ناچ ناچ کے کیوں دکھا رہے
ہیں۔" وہ ریلنگ پکڑ پکڑ کر اندازے …
سیڑھیاں اتر رہی تھی اور اینڈ والی سیڑھی تک …
پہنچتے وہ سجدہ ریز ہو چکی تھی۔

پن کی نب اس کی کمر میں سوئیاں چبھو…
لگی اور پاس پڑے کاغذ اس کی حالت زا…
پھڑپھڑا رہے تھے۔

☆☆☆

"ستارہ کہاں ہو کب سے امی تمہیں بلا…
ہیں، پتا نہیں کون کون سے کونے کھدرے…
گھس کر بیٹھ جاتی ہے کام کے وقت غائب…
کھانے کے ٹائم موٹو (کارٹون) کی طرح …
سونگھ کر دیوانہ وار کھنچی چلی آتی ہے تب آواز…
کی بھی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔" مہ پارہ بڑ…
ہوئی گیراج کی طرف چلی آئی اس کا شک سو…
درست ثابت ہوا تھا، وہ چارجنگ فین ل…
گیراج میں بڑے انہماک سے کچھ لکھنے…
مصروف تھی۔

"تم پر پھر افسانہ نگاری کا بھوت س…
گیا۔" وہ اس کے قریب آ کر اتنے زور…
چلائی کہ ستارہ کو لکھنے میں منہمک تھی، اس…
آواز سے ڈر کر اچھل پڑی کاغذ پنسل …
گر گئے۔

"یہ کیا بیہودہ پن ہے اس طرح چلا…
اگر ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" وہ اس کی طرف…
کر جارحانہ انداز میں بولی اور اپنے بکھرے…
سمیٹنے لگی۔

"جب لوگ مدھم سروں کو نہ پہچا…
ایسے ہی بے ہنگم شور سے ان کو جگانا پڑتا ہے…
بھی دو بدو بولی تو ستارہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے یہ افسا…
تمہارے بس کا کام نہیں، یہ خداداد صلاحیت…
ہے ہر کسی کو ودیعت نہیں ہوتی، زبردستی …

انسانوں میں گھسیڑ کر تحریر نہیں بنتی۔''
''تم اپنی دانشمندانہ گفتگو اپنے تک ہی محدود رکھو، مجھ میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اگر یہ صلاحیت نہ ہوتی تو میرے تین افسانے شائع نہ ہوتے۔''
''ہونہہ، تین افسانے، وہ افسانے تھے یا انسانوں کے نام پر مذاق، ایسا لگتا تھا بڑوں کے رسالے میں کسی بچی کی تحریر چھپی ہو۔'' وہ استہزائیہ ہنسی تو ستارہ جل کر رہ گئی۔
''اچھا اب یہ اپنے تحریری سفر کا گلا گھونٹو امی جان تمہیں بلا رہی ہیں، شام کو تمہارے رخ روشن کا دیدار کرنے کچھ لوگ تشریف لا رہے ہیں لہٰذا آکر امی کی ہدایات سماعت فرما لو۔'' اس نے پسینے میں بھیگے چہرے کو دوپٹے سے خشک کیا۔
''پتا نہیں اتنی اتنی دیر تک کیسے اس گرمی و حبس میں گزار لیتی ہو۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی اور ستارہ امی کے عتاب سے بچنے کے لیے جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

ڈارک گرے کلر کے سوٹ پر پنک ایمبرائیڈری بہت بھلی لگ رہی تھی، اس کی دمکتی رنگت پر سوٹ کھل رہا تھا، بالوں کو کیچر میں جکڑ کر ایک لٹ سائیڈ سے یونہی نکال لی جو اس کے گال کو چھوتی اٹھکیلیاں کرنے لگی، پنک لپ اسٹک ہونٹوں پر کھل رہی تھی، آنکھیں مسکارا لگا کر مسکرا کر آئینے میں خود کو دیکھا۔
جس وقت مہ پارہ کمرے میں داخل ہوئی وہ کولہاپوری چپل اپنے گورے پیروں میں پہنا رہی تھی، چند ثانیے تو مہ پارہ اسے دم بخود دیکھتی رہ گئی۔
''ایمان سے اتنی پیاری لگ رہی ہو نظر ہی نہ لگ جائے۔'' اس کی تعریف پر ستارہ بڑی ادا سے مسکرائی۔
مہ پارہ نے کاجل لے کر اس کے کان کے پیچھے نظر لگنے کے ڈر سے تل لگا دیا۔
''ہی کیا کر دیا تم نے۔'' ستارہ جھنجلائی۔
''اس نظر کے تل کو اگر کسی نے جوں سمجھ لیا تو میری ساری پرسنالٹی ڈاؤن ہو جائے گی، اگر انہوں نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تو میں صد فیصد یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ انکار تمہارے اس تل کی وجہ سے ہوگا۔''
''بکار میں پریشان نہ ہو، بس تم اپنی بے تکی زبان بند رکھنا اور خدا کے لیے انہیں بطور رائٹر کہہ کر اپنا تعارف نہ کروانا، پچھلا رشتہ اسی وجہ سے نہ ہوسکا کہ لڑکے کی بہن نے تمہاری بے سروپا کہانی پڑھ رکھی تھی، جس میں ہیروئن صبح ناشتہ بنانے کے بجائے باتھ روم چمکا رہی ہوتی ہے، ٹیبل پر سارے ناشتے کے منتظر اور وہ ہاتھ پونچھ کر انہی گیلے کپڑوں سے ناشتہ تیار کرنے چل دیتی ہے۔'' مہ پارہ نے اس کا دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے اسے سنایا تو وہ جلبلا کر رہ گئی۔
''گھور کیوں رہی ہو، میں کیا غلط بیانی سے کام لے رہی ہوں، تمہارے منہ پر وہ تمہیں سنا گئی تھی کہ جس کی ہیروئن اتنی بدسلیقہ ہے اس کی رائٹر کتنی پھوہڑ ہوگی۔'' مہ پارہ اس کی گھوریوں کو نظر انداز کرتی مسلسل اس کے کانوں میں نصیحتیں انڈیلتی ڈرائنگ روم کی طرف لے کر بڑھ رہی تھی مگر ستارہ آفندی کا ان نصیحتوں کو خاطر میں لانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔
تمام خواتین اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے پر اپنی پسندیدگی ظاہر کی۔
وہ لڑکے کی والدہ اور بھابھی کے درمیان میں بیٹھی تھی لڑکے کی ماں نے اس کا ماتھا چومتے

ئے اس کی ہتھیلی پر پانچ ہزار کا نوٹ رکھ کر اپنی پسندیدگی ظاہر کی تو مہ پارہ اور اس کی امی کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔

''شکر ہے اس کا نصیب بھی کھلا، اگلے برس پچیس کی ہو جائے گی، میری تو نیندیں ہی لوٹ لی تھیں اس کی بڑھتی عمر نے۔'' ماں دل ہی دل میں سجدہ شکر ادا کرنے لگی۔

☆☆☆

ہم دونوں دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی دنیا میں مگن تھے میرے چہرے پر آئی لٹ کو جب وہ اپنی انگلی پر لپیٹتا تو میرا دل اپنے محبوب کی اس شوخی پر ہزاروں میل کی رفتار پکڑ لیتا، دل کی یہ دھکڑ پکڑ فخر و غرور میں مبتلا کر دیتی، اس پر تم اس کی آنکھوں کی مستیوں کے جام، ہائے...... میرے بس میں ہو تو بس ان نگاہوں کو دیکھتے صبح و شام کر دوں گر ہائے حسرت۔

ان کی اماں کی چھنگاڑ ان کو کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیتی، بڑی مشکل سے ہم دونوں ایک دوسرے کی نگاہ سے دامن چھڑا پاتے اماں کی پاٹ دار آواز ہم دونوں کو ہوش کی دنیا میں لے آتی۔

''میرے بچے من و سلویٰ تیرے کمرے میں نہیں اترے گا اس کے لئے تجھے خود ہی ہاتھ پاؤں مارنا ہوں گے، چل نکل آ اب جلدی سے کام پر جانے کا وقت ہو رہا ہے۔''

''ہائے...... دل پر پتھر رکھ کر ان کو اپنی نظروں سے اوجھل کرنا پڑتا ہے۔''

''یہ...... یہ کیا لکھا تم نے؟'' عکرمہ کی لڑکھڑاتی آواز ابھری دل تو پہلے ہی شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''یہ تم کس کو اپنی خلوت کی باتیں لکھ کر بھیج رہی ہو۔'' اس نے کاغذ کا پلندہ اس کے سامنے پھینکا۔

''اوہ تو آپ نے پڑھ لیا ہے۔'' اس مسکرا کر عکرمہ کی طرف دیکھا۔

''میں تو آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھی خیر...... آپ کی شادی کسی عام لڑکی سے نہیں ہ مسٹر عکرمہ، آپ کی مسز ایک معروف رائٹر ہیں'' اس نے فخریہ گردن اکڑائی۔

''اور یہ میں رومانوی کہانی لکھ رہی ہ دیکھنا فوراً ہی ڈائجسٹ کی زینت بنے گی، ایڈ کی ہر مرتبہ ہی تو فرمائش ہوتی ہے کہ رومانوی کہانی لکھ کے بھیجو، اس دفعہ تو میری ک پڑھ کر دل سے میری تحریری صلاحیتوں کی معتر ہو جائیں گی۔'' وہ اپنی کہے جا رہی تھی اور عک پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، کہانی کے ا جملوں نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ، ایسے بے باکانہ جملے، تم مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم رائٹر ہو اور رائ اپنی ہی کہانیاں لکھ لکھ کر بھیجتی ہیں، تمہیں ت ذرا حیا نہ آئی کہ تم اپنے اور میرے درمیان سچویشن کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہ'' عکرمہ نے اسے غصے سے گھورا۔

''لو اس میں شرم کی کیا بات ہے رومانوی کہانیاں لڑکیاں بڑے ذوق و شوق پڑھتی ہیں اور ان کو کیا پتا کہ یہ ہماری باتیں قارئین کون سا ہمیں جانتے ہیں۔'' اس ڈھٹائی قابل دید تھی۔

''اچھا بھئی بحث میں نہ پڑیں یہ دیک آگے کتنا زبردست سین ہے۔'' اس نے آ پیراگراف پر انگلی رکھی جس پر عکرمہ کی نظر پڑ ہی ماتھے پر پسینہ چمک اٹھا۔

اس نے اس کے ہاتھ سے پیپر پھاڑے اور ڈسٹ بن کی طرف اچھال د

ستارہ کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ کر وہ فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔

"دیکھو اچھی بات ہے کہ تم رائٹر ہو مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی مگر یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم ایسی کہانیاں لکھو جسے پڑھ کر لڑکیوں کی مائیں ان کے ہاتھ سے ڈائجسٹ چھین لیں، تم ضرور لکھو مگر ایسی معاشرتی کہانیاں جس سے کسی کی اصلاح ہو سکے، تم اپنے الفاظ کے ذریعے معاشرے میں پھیلی کئی خرابیوں کی نشاندہی کر سکتی ہو۔" عکرمہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا مگر وہ ہنوز منہ پھلائے ہوئے تھی، آخر عکرمہ کے بھرپور چند جملوں اور جسارتوں نے اس کی ناراضگی کو ختم کر دیا۔

☆☆☆

صبح سے منائل کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا اس نے جلدی سے پورے دن کا پیکج کروایا اور سب سے پہلے آپی سے گھنٹہ بات کر کے اپنے دکھڑے روئے، چھوٹی بہن سے تو صرف پینتالیس منٹ ہی بات ہو سکی کمبخت بیزی ہی ہو گئی تھی۔

سر کے درد نے اسے بے چین کر رکھا تھا سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے آخر ٹی وی آن کر کے اپنا فیورٹ چلے ریپیٹ ٹیلی کاسٹ (نشر مکرر) میں پھر سے دیکھنے لگی۔

"جتنا زبردست اس مونا کمال کا فگر ہے اینکرنگ اس سے بھی زیادہ غضب کی کرتی ہے۔"

"بہت اچھا کیا جو شوہر سے طلاق لی، کمبخت ہر بات پہ پابندی سر پر دوپٹہ اوڑھو، ساس کے سامنے اونچی آواز سے مت بولو۔" بیچاری کو شاپنگ ہفتوں بعد کرواتا، کسی مارننگ شو میں دیا گیا انٹرویو اسے یاد آ رہا تھا جس میں مونا کمال نے رو رو کر شوہر کی طرف سے دی گئی اذیتوں کا ذکر کیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ میزبان کی موٹی موٹی آنکھوں سے بھی چھوٹے چھوٹے آنسوؤں قطار کی صورت بہنے لگا ہے، گھر بیٹھی شو دیکھتی خواتین الگ دکھی ہوئی تھیں، کتنے ہی دن تک تو وہ اداس بلبل بنی پھرتی رہی مونا کا غم اسے ایسا غم لگ رہا تھا اس کا شوہر بھی تو اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھے ہوئے تھا، مگر وہ مونا کمال کی طرح اپنے جلاد شوہر سے طلاق نہیں لے سکتی تھی، کیونکہ پہلی شادی ہی کتنے وظیفوں اور دعاؤں سے ہوئی تھی، اب مطلقہ ہو کر کس نے اس کی طرف رخ کرنا تھا، بھابھی کی جوتیوں میں رہنا پڑتا اب تو اماں بھی نہیں رہی تھی جو پھر سے وظیفے کر کے دوسرا بیاہ کر دیتیں سو چپ چاپ شوہر کے ظلم سہنے پر مجبور تھی۔

ڈرامہ ختم ہو گیا مگر منحوس سر کا درد ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا، ساس کی چیخم پکار نے اسے کمرے سے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔

"ظالم ساس بہو کو دو گھڑی آرام تک کرنے نہیں دیتی، دن کے ابھی بارہ بجے ہیں اور دوپہر کے کھانے کی فکر پڑ گئی، میرا ابھی صبح کا ناشتہ تک ہضم نہیں ہوا اور ان کو دیکھنا دوپہر کو بھی کیسے ٹھونس ٹھونس کر کھائیں گے رات تک پھر پیٹ میں گنجائش نکل آئے گی پیٹ نہ ہوا۔"

کہانی بہت روانی سے آگے بڑھ رہی تھی، ستارہ کو کہانی لکھتے ہوئے کوئی دو گھنٹے ہو گئے تھے اپنے لکھے ہوئے کو کئی مرتبہ زیر لب دہرایا اور خوش ہوتی رہی ابھی اس کا مزید لکھنے کا ارادہ تھا کہ عکرمہ کی امی نے بھی ہانک لگائی کہ باہر آ کر دوپہر کے کھانے میں فائزہ (جیٹھانی) کی مدد کر دے، سو بادل نخواستہ اسے اپنے کاغذ قلم سمیٹنے پڑے، اس کے بعد کتنے ہی دن وہ اپنے لکھے ہوئے صفحات ڈھونڈتی رہی اور پھر وہ دراز میں

زخمی حالت میں ملے عکرمہ نے بے دردی سے ان کے ساتھ چیر پھاڑ کی تھی۔

اس کا مطلب یہ کہانی بھی اسے پسند نہیں آئی، امی کے گھر مہ پارہ میری نقاد بنی ہوئی تھی اور یہاں یہ جلاد میری تحریروں کا دشمن بنا ہے، اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

☆☆☆

''عکرمہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''ہاں کہو مائی ڈیئر۔'' اس نے ستارہ کے گرد بازو پھیلایا۔

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ میری بات مانیں گے۔'' ستارہ نے ہاتھ آگے بڑھایا مگر عکرمہ نے نظرانداز کر دیا۔

''بھئی وعدہ تو میں نہیں کرتا کیونکہ اکثر تمہاری فرمائشیں ایسی اوٹ پٹانگ ہوتی ہیں کہ بندہ وعدہ کر کے پھنس جاتا ہے۔''

اس نے ذرا بھی اپنی چند مہینوں کی دلہن کا خیال نہ کیا کہ اس کہی بات پر اس کا دل کیسے ٹکڑوں میں بٹا تھا۔

''بس پھر رہنے دیں آپ سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے، آپ نے ساری زندگی میری بات مانی ہے جو اب مانیں گے۔'' وہ جھٹکے سے اس کے قریب سے اٹھی۔

''مائی ڈیئر ابھی ہماری شادی کو چند ماہ ہوئے ہیں اور تم پوری زندگی پر پہنچ گئیں۔'' اس نے شرمندہ کرنا چاہا۔

''یہ آپ کا خیال ہے مجھے تو یوں لگتا ہے ہم جنم جنم سے ساتھ ہیں۔''

''اچھا۔'' اس نے حیران ہو کر دل میں اس کے لفظوں کو سراہا وہ جو اس سے دور بیڈ کے کنارے پر منہ پھلائے بیٹھی تھی عکرمہ کو یکدم اس پر پیار آ گیا۔

عکرمہ نے اس کی چوٹی کھینچ کر اپنے سے قریب کیا وہ بیڈ پر گر سی گئی۔

''یہ کیا فضول حرکت ہے کوئی بھلا اس طرح بھی بال کھینچتا ہے۔'' اس نے اپنی گردن سہلائی اور تکیے سے ٹیک لگا لی۔

''بھئی میں چاہ رہا ہوں تمہاری کہانی کا ہیرو بن جاؤں، اب میری ہیروئن تم ہو تو پھر ہیرو تو ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔'' وہ دانتوں میں لب دبا کر شرارتاً مسکرایا تو وہ پل میں ڈھیلی پڑ گئی۔

''اچھا آپ واقعی میری کہانی کے ہیرو بنیں گے۔''

''ہاں سچ۔'' عکرمہ نے اس پر آنکھیں جما کر اسے یقین دلایا۔

''تو بس پھر اب میرا ہیرو مجھے روز شام کو پارک میں گھمانے لے جائے گا، وہاں سے آئسکریم تو کبھی ڈنر اور واپسی پر امی کے گھر کا چکر۔''

''منظور ہے۔'' اس نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

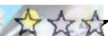
''مگر اس سب کے لئے تمہیں بھی میری بات ماننا ہوگی۔''

''وہ کیا؟''

''صبح کا ناشتہ امی بنائیں گی تو گھر کی ڈسٹنگ تم کرو گی دوپہر کا کھانا بھی تمہیں بنانا ہوگا، شام کی چائے مدیحہ اور رات کا کھانا بھابھی، دوپہر تک اپنی ذمہ داری پوری طرح سے نبھاؤ تو شام کو بالکل فارغ ہو گی اور ہمارے گھر سے نکلنے پر اس طرح کسی کو اعتراض بھی نہیں ہو گا۔'' عکرمہ نے رسان سے اسے سمجھایا۔

کیونکہ گھر کے کاموں میں ستارہ کی دلچ

منزہ تھی ابھی تو امی نے دبے لفظوں میں شکایت کرنا شروع کی تھی وہ وقت دور نہیں تھا جب گھر میں داخل ہوتے ہی امی اور بھابھی کے شکوؤں اور پیشانی پر پڑی لکیروں کی زد میں ہوتا، سو گھر کی فضا کو کسی ناگواری سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ ستارہ کو سمجھایا جائے ستارہ نے بجھے دل کے ساتھ اس کی بات مان کر ہی منوانے کا سگنل دیا۔



دوپہر کے کھانے کے بعد ستارہ اپنے حجرے میں گھسی اور عکرمہ کو ماں نے اپنے کمرے میں طلب فرمالیا۔

"جی امی کہیے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" وہ ماں کے سامنے مودب بنا تھا۔

ان کے دونوں بیٹے فرمانبرداری کی اعلیٰ مثال تھے مگر آصفہ کو اب چھوٹے بیٹے کی فرمانبرداری سست پڑتی دکھائی دے رہی تھی سو ضروری تھا کہ کلاس لے لی جائے۔

"بیٹا مانا کہ تیری بیگم بہت حسین ہے نگاہ اس پر سے ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔" ماں کی بات پر خفیف سا ہو گیا۔

"اماں یہ تو آپ کی مہربانیاں ہیں جو ایسی خوبصورت بیگم میرے لئے ڈھونڈی۔" اپنی شرمندگی کو ماں کی تعریف میں لپیٹا۔

"بس بیٹا جو مہربانی میں نے کرنی تھی کر دی، اب ایسا کر اپنی بیگم سے کہہ اب وہ بھی اس گھر کے لئے مہربان ہو جائے تو اچھا ہے، جب دیکھو کمرے میں گھسی کاغذوں میں منہ چھپائے بیٹھی رہتی ہے، نہ یہ کرتی کیا ہے ان کاغذوں کا، علامہ اقبال بنی سوچوں میں غرق رہتی ہے سامنے بیٹھی کو بھی آوازیں دیتی ہوں تو ایسی چونکتی ہے جیسے گہرے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔" ماں کے لہجے میں اس نے واضح ناگواری محسوس کی وہ سر کھجا کر رہ گیا۔

"بیٹا نظر رکھ اس پر مجھے تو اس کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"ارے نہیں اماں ایسی بات نہیں۔"

"تو پھر کیسی بات ہے؟" انہوں نے اسے گھورا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ وہ بہت ذہین اور بہترین صلاحیتوں کی مالک ہے۔" اس نے تمہید باندھی۔

"اچھا۔" انہوں نے طنزاً اچھا کو لمبا کیا۔

"تو پھر اس کی ذہانت اور صلاحیتیں اس گھر میں کیوں نہیں جلوہ افروز ہو رہیں۔"

"ہمارے باندھے الٹی سیدھی صفائیاں کرکے کچا پکا سالن تیار کرکے ٹیبل پر لگا کر احسان کرتی ہے مجھے تو نہ صفائی میں سلیقہ نظر آیا نہ کھانے میں صلاحیت و ذائقہ۔"

"ارے اماں میں اس صلاحیت کی بات نہیں کر رہا یہ سب کچھ تو وہ آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی کچھ وقت تو دیں اس کو ابھی سال ہی تو ہوا ہے اسے اس گھر میں آئے ہوئے۔" عکرمہ بیوی کی بھرپور وکالت کرنے میں مصروف تھا۔

"دیکھ بیٹا یہ زن مریدی کے گیت نہ گا جو بھی صلاحیتیں اور گن اس میں پائے جاتے ہیں جلدی سے میرے کانوں میں انڈیل دے تاکہ بہو کی صلاحیتوں سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے۔" وہ بھی شرمندہ کرنے والوں میں سے تھیں۔

"اماں وہ رسالوں میں کہانیاں لکھتی ہیں لوگ اس کی کہانیوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں بڑی مشہور رائٹر ہے، بڑی عزت ہے اس کی پورے ملک میں۔" اپنی کہی بات پر وہ دل ہی دل میں خود بھی شرمندہ ہو گیا۔

"ہاں میں...... کہانیاں لکھتی ہے، پر کس کی؟"

چشم حیرانی سے انہوں نے ناک پر سے سرکتا چشمہ اوپر کیا۔
”تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ میری بہو کوئی عام سی عورت نہیں، ماشاء اللہ چشم بددور، بس کل سے دوپہر کی اس کی ہانڈی روٹی ختم، صفائیاں مدیحہ کالج سے آ کر کر لیا کرے گی، وہ اطمینان سے کہانیاں لکھے اور دیکھ ایسی بیوی سے کہو دیکھیو سب سے پہلی کہانی میری ہو گی۔“
عکرمہ جو ڈرتے ڈرتے ستارہ کے لکھنے کی بات کر رہا تھا ماں کے ردعمل نے اس کے دل کو ڈھارس بندھائی۔
یہ خبر سن کر ان کی بہو رائٹر ہے وہ تو خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں جھٹ سکوائش لے کر اس کے کمرے میں انٹری دی، چٹا چٹ بلائیں لیں اور وہ غٹا غٹ سکوائش پی گئی۔
”چل اب فٹا فٹ کاپی پنسل لے کر آ جا میری بچی، کچھ دکھ سکھ میرے بھی لکھ دے کہانی میں، حقیقت کا رنگ بھر دے اپنی تحریر میں، جو باتیں میرے سینے میں برسوں سے دفن ہیں ان کو ان صفحوں پر منتقل کر دے تاکہ میرے دل کا بھی کچھ غبار کم ہو۔“ ستارہ نے چشم حیرانی سے ان کو دیکھا اور جھٹ کاغذ قلم ہاتھوں میں تھاما۔
کیسی قدر دان سسرال ملی تھی اس کو، اس کا قلم لوگوں کا کتھارسس کرے گا یہ اس کے لئے بہت ہی خوشی کی بات تھی۔
”ساری جوانی گلا دی پر ساس نے میری ایک دن قدر نہ کی کوئی تو آٹھ آٹھ آنسو رولائے یہ نٹن نے مجھے آٹھ جمع آٹھ آنسو رلائے، مت پوچھو کہ سسرال میں بسر کیے دن آج بھی نین کٹوروں کو لبالب بھر دیتے ہیں۔“ ان کی آنکھوں سے واقعی آنسو سیلاب کی صورت رواں ہو گئے، ستارہ کا دل ڈوبنے لگا، وہ تیزی سے صفحے سیاہ کرنے لگی اس کا ہاتھ دکھ گیا صفحے ختم ہونے کو ہوئے پر ان پر کیے گئے ظلم کے قصے تمام نہ ہوئے، اسے اپنی ساس دنیا کی مظلوم ترین عورت لگی، اگلے دن بھابھی فائزہ (جیٹھانی) نے اسے کمرے میں آلیا۔
”میری پیاری بہن ادھر دو بچہ میں سنبھالوں گی، اللہ نے تمہیں قلم کی طاقت بخشی ہے تم اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ، دنیا کو بتاؤ کہ شوہر عورت کو کیسے دبا کر رکھتا ہے، اس کی ذات کی دھجیاں کیسے بکھیرتا ہے عورت اپنا تن من اور والدین کا دھن اس پر وار دے پر وہ ناشکرا کبھی بیوی کا بن کے نہیں رہے گا، زبان بیوی کے لئے ہمیشہ زہر ہی اگلے گی، پرائی عورت اچھی اور اپنی حسین سے حسین بیوی پھیکی لگے گی، خود تو چاہے سامنے سے گزرتی عورت کا پورا حلیہ حفظ کر لیں اور عورت کی ایک اچٹتی نگاہ پر اسے چٹیا سے پکڑ لیتے ہیں کہ بتا یہ تیرا کون سا یار ہے جسے تو نے نظر بھر کر دیکھا، تم تو کہتی تھیں کہ میں نے تو شادی سے پہلے کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اب تیری غیر مردوں پر سے نظریں ہی نہیں ہٹتیں، حالانکہ کم عقل یہ نہیں جانتا کہ شادی شدہ عورت کی آنکھ میں اپنے مرد کا سراپا ہر دم سجا ہی رہتا ہے، خوبصورت سے خوبصورت مرد شادی شدہ عورت کا دل مائل نہیں کر سکتا۔“ وہ بولتی چلی جا رہی تھیں اور ستارہ کا قلم روانی سے چل رہا تھا، اسے تو سمجھو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی، گھر کے کام دھندوں سے الگ جان چھوٹی اور اپنا شوق بھی پورا ہونے لگا۔
سسرال والے اسے عزت و فخر کی نگاہوں سے دیکھتے کہ ہماری بہو رائٹر ہے چند دنوں میں ہی وہ محلے میں رائٹر بہو مشہور ہو گئی۔
دکھی خواتین اپنے قصے آ آ کر سناتیں اور وہ

ان کو اپنی کہانی میں جہاں جہاں ضرورت پڑتی شامل کرتی چلی جاتی۔
ساس کی ساس کے مظالم کے قصے، فائزہ بھابھی کی شوہر سے تلخیاں، چھوٹی نند مدیحہ کا کزن کے ساتھ افیئر خاندان والوں کی ناراضگیاں کینیڈین ماموں سسر کی فیملی کا رہن سہن وہاں کی طرز معاشرت، عکرمہ کی ذومعنی باتیں، چھیڑ چھاڑ اس کا شرما کر مسکرانا سب کچھ لکھ ڈالا اور ایک ضخیم ناول تیار ہو گیا، اس دن اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا جب اس نے اس تھدے (دستے کو) ڈائجسٹ والوں کا ایڈریس لکھ کر ڈاکخانے کے سپرد کیا۔
عکرمہ نے رجسٹری کراتے ہوئے اس پہ اس خوف سے ایڈریس بھی نہ لکھا کہ ادارے والے یقیناً اس بوجھ کو اپنے آفس سے نکالنے کی فوراً تدبیر کریں گے اور یہ ضخیم ناول اس کے زخمی ہونے کا موجب بن جائے گا اور ستارہ نے ایک ایک دن گن گن کر گزارا، آج تو ضرور رجسٹری موصول ہو گئی ہو گی، کال کر کے معلوم کرنا چاہا مگر پھر اپنا ارادہ بدل رہا۔
"پچھلی مرتبہ کی گفتگو ابھی ذہن میں تازہ تھی جب مدیرہ نے اس کی کہانی کی بابت پوچھنے پر عزت افزائی کی تھی۔"
"بی بی آپ ایک نامور مصنفہ ہیں آپ کا نام دیکھ کر ہمارا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے کہ آپ نے ہمیں اپنی کہانی بھیجنے کے لائق جانا، ہم تو ابھی تک بے یقینی کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں، جس دن ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ نے اپنی تحریر بھیج کر ہمارے ادارے کو عزت بخشی ہے اس دن کہانی کھول کر پڑھ لیں گے فی الحال ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔"
کھٹاک سے جو فون بند ہوا تو کئی دنوں تک اس کے کان اس کھٹاک کی آواز سن کر سن رہے۔
اسی دوران دوسرے بچے کی آمد متوقع ہو گئی اور وہ کہانی چھوڑ اپنی کہانی میں پڑ گئی، کئی مہینے گزر گئے دونوں بچوں نے ایسی سدھ بدھ بھلائی کہ کہانی ذہن سے بالکل ہی محو ہو گئی۔
دونوں بچوں کو سلا کر اس نے بھی اپنی آنکھیں موندیں کہ پاس پڑے موبائل کی سکرین روشن ہو گئی بھنویں سکیڑ کر ناگواری سے سکرین پر نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک باہر آ گئیں، سکرین پر ڈائجسٹ کے ادارے کا نمبر جگمگا رہا تھا، جلدی سے اس نے سبز دائرہ پر انگلی پھیرنے کی بجائے سرخ پر انگلی کھینچ ڈالی اور فون کی سکرین اندھیرے میں ڈوب گئی۔
"کمبخت یہ کیا کر دیا میں نے۔" جھنجھلا کر ماتھے پر ہاتھ ایسا زور کے مارا کہ بچے چٹاخ کی آواز سے کسمسانے لگے وہ تو قسمت اچھی تھی بچے سوئے رہے اور کہ دوبارہ کال بھی کر لی گئی، اس نے بڑے دھیان سے سبز دائرے کو چھوا۔
"السلام علیکم!" نہایت باریک آواز ابھری۔
"وعلیکم السلام۔" اس نے تھوک نگلا۔
"آپ ستارہ آفندی بات کر رہی ہیں۔"
"جی جی میں ستارہ ہی ہوں۔"
"مبارک ہو ستارہ آپ کے ناول کی تو پہلی قسط نے ہی ڈائجسٹ کے قارئین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کر دیا، سینکڑوں تعریفی خطوط ہمیں موصول ہوئے ہیں، بھئی آپ کے لکھنے کے انداز کو بہت پسند کیا گیا ہے، کئی کرداروں کو آپ بخوبی لے کر چلی ہیں اور ہر کردار سے آپ نے بھرپور انصاف کیا ہے اگلی اقساط میں تو آپ ایک منجھی ہوئی مصنفہ کے طور پر قارئین کے سامنے آئیں گی۔" ایڈیٹر اس کی شان میں قصیدے

پڑھ رہی تھی اور وہ دم بخود آنکھیں پھاڑے ورطہ حیرت تھی۔

"جی وہ ناول میں نے بہت مشاہدہ و مطالعہ کے بعد لکھا تھا مجھے امید تھی کہ آپ کو میری یہ تحریر پسند آئے گی۔" اس نے بلیوں اچھلتے دل سے اپنی تعریف خود کر ڈالی۔

"آپ ایسا کیجئے اپنا ایڈریس ہمیں بھیج دیں تا کہ ہر ماہ اعزازیہ بھجوایا جا سکے اور ہاں کئی معروف پروڈکشن ہاؤسز نے ہم سے رابطہ کیا ہے کہ ہم ستارہ آفندی کے اس ناول پر سوپ بنانا چاہتے ہیں۔" ایڈیٹر کی کہی بات پر ستارہ اپنے آپ کو افق کا ستارہ بنتے دیکھ رہی تھی، سسرال میں پاؤں بیچ بچ زمین پر نہ پڑتے تھے آخر کو وہ ایک معروف ڈرامہ رائٹر بننے والی تھی، اس کے ذہن میں محلے کی کئی خواتین کی کہانیاں گھوم رہی تھیں۔

فائزہ بھابھی کی حال ہی میں اپنے شوہر سے چھڑی جنگ اور اس جنگ کے نتیجے میں ان کے شوہر کا ان پر سوتن لانا، مدیحہ نند کی مطلوبہ جگہ پر شادی نہ ہونے پر خودکشی کی دھمکیاں، اس کی اپنی ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز، بہت کچھ تھا اس کے پاس لکھنے کے لئے، اب ڈائجسٹ میں اس کا لکھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، ڈائریکٹ اپنا ون لائنر پروڈکشن ہاؤس کو دوں گی کیونکہ وہ ڈرامہ لکھنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہو چکی تھی کہ آخر ڈراموں میں یہی سب کچھ تو ہو رہا ہے۔

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

کسی سخت چیز نے بہت زور سے اس کے چہرے کے نقش و نگار کا پوسٹ مارٹم کیا تھا، تکلیف کی شدت سے کراہ کر ستارہ نے آنکھیں کھولیں۔

رونی فیڈر ہاتھ میں پکڑے چنگاڑ رہا تھا، بھوک سے بلبلا کر اس نے خالی فیڈر سے گھوڑ
گدھے بیچ کر سوئی ماں کی خوب تواضع کی تھی۔

"منحوس کبھی ماں کا فائدہ نہ ہونے دیا، پ
باپ نے میری قدر نہ کی اور اب اولاد میر
صلاحیتوں کا گلا گھونٹنے کے درپے ہے۔" ا
نے بھی غصے سے رونی کے گال پر چٹاخ سے ا
ہاتھ جمایا تو اس کے سروں سے کمرے سے با
کے لوگ بھی محظوظ ہونے لگے۔

"ہائے ابھی تو پروڈیوسر سے بے منت
بات کرنی تھی، ٹھیک ٹھاک معاوضہ طے کرنا
میں نے، میری کہانی کوئی عام کہانی تھوڑی ت
سڑکیں سنسان ہو جاتیں جس دن میر
ڈرامے کی قسط آن ائیر ہوتی، خواتین بچوں
منہ پر سلوشن ٹیپ چپکا کر پورے انہماک
ڈرامہ دیکھتیں اس دن کھانا بنانا اور کھانا کھانا
بھول جاتیں۔" وہ جاگتی آنکھوں اور بھی بہ
سے سپنے سجانے کا ارادہ رکھتی تھی کہ یشف
بھابی کے تھپڑ کا بدلہ لینے کے لئے اس کے بالو
کو اتنی زور سے کھینچا تھا کہ اس کی سسکی نکل گئی۔

"مما گندی...... مما بھیا کو ماری۔"
مسلسل گردان کیے جا رہی تھی اور ستارہ نے ا
آنسوؤں کو پیتی ایک جھٹکے سے اپنے بالوں کو چ
کر واش روم میں گھس گئی، ٹھنڈے ٹھنڈے پ
کے چھینٹے چہرے پر پڑے تو آنکھیں دماغ
کچھ کھل گیا، وہ معروف ڈرامہ و ناول نگار
اپنے نگار خانے میں واپس آ چکی تھی۔

☆☆☆

ہیپی نیو ائیر

ثنا کنول



برستی بارش زمین کو نہلا رہی تھی جب پردے کھسکاتی وہ عجلت سے چلتیں اس کے قریب آئیں۔

''زیب اٹھو بیٹا، دیکھو تو کتنا پیارا موسم ہو رہا ہے۔'' محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

''امی! صبح ہو گئی۔'' مندی مندی آنکھیں کھولتے کہا۔

براؤن آنکھیں نیند کے خمار میں ڈوبی کچھ اور براؤن ہو رہی تھیں۔

''صبح کے دس بج چکے ہیں، آسمان سے پانی برستا زمین کے سینے پہ فخر سے گرتا تمسخر اڑا رہا ہے تمہارا۔'' وہ شرارت سے کہتیں اب بیڈ پہ بکھرے کشن سمیٹ رہی تھیں۔

''کیوں؟'' آنکھیں ملتا وہ بیٹھتا حیرت سے بولا۔

''کیونکہ تم دنیا کے پہلے ایسے انسان ہو جو اپنی منگنی کے دن دس بجے اٹھ رہے ہو، شام کو وہاں بھی پہنچنا ہے صبح سے کئی بار تمہاری جولیٹ تمہیں کال کر چکی ہے اور سب سے اہم خبر۔'' وہ الماری سے اس کے کپڑے نکالتیں بولیں۔

''کون سی خبر۔'' وہ اٹھ کر تاول لیتا واش روم کی طرف بڑھنے لگا۔

''تمہارے بابا کا موڈ اب تک اچھا خاصا خراب ہو چکا ہے۔''

''یہ اہم نہیں انتہائی بری خبر ہے امی۔'' وہ اس کے لفظوں کی تردید کرتا واش روم سے چلایا۔

''اتنی بھی نہیں، تم سے بھلا کب تک ناراض رہ سکتے ہیں وہ۔'' آخری نظر کمرے کی تسلی سے دیکھتیں ہوئیں بولیں تو جواب میں اورنگ زیب چلایا۔

''یہ تو ہے آخر اکلوتی اولاد جو ہوں ان کی۔'' وہ مسکرائیں پھر مڑ کر گلاس ونڈو سے باہر برستی بارش کو دیکھا۔

بھیگا موسم بھیگا من وہ خیالوں کی دنیا میں
سی گئیں۔

''قسمت۔''

وہ قسمت ہمیشہ کچھ اچھا ہونے کو ہی کہ
تھیں اور اس کا یہ سمجھنا صحیح بھی تھا کیونکہ بچپن
اب تک ان کی زندگی میں اچھے سے اچھا ہی
تھا، گھر میں سب سے چھوٹی تھیں تو سب کا بھ
پیار ملا توجہ ملی اور جب بڑی ہوئی تو محبت بھی
گئی۔

ان کے چچازاد کزن زیب علی کی، زیب
بچپن سے ہی ان کے گھر آتے جاتے رہتے
سب ساتھ میں بیٹھتے لطائف سناتے کہانیوں
باتیں ہوتیں فلسفہ بولا جائے اور سب سے ا
چیز ان کی محفل کی شاعری ہوتی۔

کہتے ہیں شاعری کی زبان ہوتی ہے اور
سچ ہی کہتے ہیں اسی لئے زیب علی اپنے دل
کی بات اس تک شاعری کے ذریعے پہنچا
جسے وہ تو نہیں ہاں البتہ باقی سب بخوبی سمجھ
تھے۔

وقت گزرنے لگا، اپنی مخصوص رفتار
طرح کھلکھلاتے مسکراتے، مگر پھر اچانک سے
کچھ بدل گیا۔

کون کہتا ہے کہ کہانیاں جھوٹ ہوتی ہیں
بلکہ کہانی میں جھوٹ کے سوا سب کچھ ہوتا ہے۔

اچانک نور فاطمہ یعنی اس کے والد حیات
وفات پا گئے، خوشیوں بھرا آشیانہ بکھر کر رہ گیا،
اداسی کی مکڑیوں نے جال بننا شروع کر دیا، تنہائی
اپنے پر پھیلانے لگی ایسے وقت میں اسے سہا
دیا، زیب علی نے، وہ اکثر اداس ہوتی تو وہ کہتا۔

''زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں
نور، ہمیں ان سے ڈر کر ہمت ہار کر چھپ نہیں جا

چاہیے بلکہ ہمیں ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ ہی زندگی ہے۔"

وہ نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر رہ جاتی۔

"میری تو ہی وہی تھے زیب اب جب وہ ہی نہیں تو میری ہمت ختم ہو گئی۔"

"تم بہادر ہو۔" وہ یقین سے کہتا۔

"نہیں۔" وہ سر انکار میں ہلاتی۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں۔" وہ زور دیتا۔

"میری محبت کبھی بزدل نہیں ہو سکتی۔" مسکرا کر کہتا اور وہ اسے دیکھ کر رہ جاتی۔

"محبت بزدل ہی تو ہوتی ہے علی، اسی لئے تو اقرار کرنے سے ڈرتی ہے۔" وہ کہہ نہ پاتی بس سوچ کر رہ جاتی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اسے محبت کا دعویٰ کرنے والا اس کی سوچ کو نہ پڑھ پاتا۔

"محبت بزدل نہیں ہوتی یہ بہت طاقت ور ہوتی ہے اسی لئے تو انسان اپنی تمام عمر صرف محبوب کے انتظار میں گزار دینے پر رضا مند ہو جاتا ہے۔" وہ اسے لفظ محبت سمجھاتا اسے بتاتا کہ زندگی ختم نہیں ہوئی اسے احساس دلاتا کہ اس کی خوشیاں صرف اس کی خوشیاں نہیں بلکہ اس بکھرے گھر کو جوڑنے کا باعث ہیں۔

وہ کہتا جاتا وہ سنتی رہتی، کبھی سر جھکا کر کبھی اسے دیکھ کر اور کبھی زمین پہ اس کا نام لکھتے لکھتے اور پھر آہستہ آہستہ اس کی باتوں کا اثر ہونے لگا وہ مسکرانے لگی۔

ان کا بکھرا آشیانہ جڑنے لگا، وقت بدلنے لگا لمحے سرکتے اک الگ داستان لکھنے لگے اور زندگی خوبصورت لگنے لگی۔

وہ اب ہنستی تھی باتیں کرتی تو چپ نہ ہوتی اس کے قہقہے روشنی ولا میں گونجنے لگے، وہ محبت کا اقرار کرنے لگی۔

محبت کی پریوں کا ہاتھ تھامے زندگی کی لمبی رہ گزار پہ چلتی وہ مسکرانے لگی۔

اس کا رواں رواں محبت محبت گنگنانے لگا، گھر والوں نے دونوں کی محبت کو دیکھتے ہوئے انہیں نکاح جیسے مضبوط بندھن میں بندھنے کا فیصلہ کر لیا، وہ دونوں خوش تھے اتنے کہ حد نہیں، زندگی ان پہ مہربان تھی جیسے اور وہ خوشیوں کی راجدھانی پہ بیٹھے فخر سے مسکرانے لگے۔

فسٹ جنوری کا نکاح کرنے کا فیصلہ ہوا، وہ خوش تھی سرخ جوڑا پہنے ہاتھوں پہ مہندی لگائے چوڑیوں سے کلائیاں سجائے، محبت اس کے سنگ بیٹھی مسکرا رہی تھی، چاہت لہراتی گنگنا رہی تھی اور عشق باقاعدہ جھوم جھوم کر دھمال ڈال رہا تھا۔

کچھ دیر میں مولوی صاحب آنے والے تھے جب دولہا بنے زیب علی کے دل میں اک خیال آیا۔

زندگی کے اس خوبصورت موقع پہ وہ کیسے خالی ہاتھ اس کے پاس جاتا، اس نے کچھ سوچا اور کار کی چابیاں اٹھائے باہر نکل آیا۔

کار میں بیٹھتے اس نے میسج کیا، نور فاطمہ کے موبائل پہ میسج ٹون بجی وہ ان باکس کھولتی مسکرائی۔

"میں آ رہا ہوں عمر بھر کے لئے تمہیں اپنانے بس تھوڑا سا انتظار اور کر لو۔"

"میں تمہارے لئے تمام عمر انتظار کر سکتی ہوں علی، کیونکہ یہ طاقت مجھے تمہاری محبت نے دی ہے۔" اس نے اقرار کیا دھیرے سے میسج سینڈ کیا کچھ ہی دیر بعد شور مچا مولوی آ گیا ہے، گہری سانس بھرتی مسکراتی وہ شرمانے لگی اور قسمت اس کی نادانی پہ مسکرا دی۔

صبح علی کو گئے چار گھنٹے ہو گئے تھے وہ لوٹا نہیں تھا وقت گزرنے لگا مہمان جانے لگے مگر

زیب علی کا کہیں پتہ نہیں تھا، اس کا موبائل بند جا رہا تھا، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی نہیں تھا، ہر کوئی بھاگ دوڑ رہا تھا، کہیں مہمانوں سے معذرت کرتے کبھی زیب علی کو ڈھونڈنے کے لئے اور کبھی مڑ کر بے ہوش پڑی نور فاطمہ کو سنبھالنے کے لئے۔

سارا دن گزر گیا مگر وہ نہیں آیا اور پھر تین بجے رات کے ایک خبر آئی۔

وہ کار میں مارکیٹ گیا تھا مگر راستے میں ہوتی فائرنگ نے اس کی سانسیں چھین لیں اور یہ فائرنگ کچھ لڑکے نیو ائیر پارٹی میں خوشی کا اظہار کرنے کے لئے کر رہے تھے ہوائی فائرنگ اس کا سب کچھ لے گئی، اسے لگا جیسے زندگی ختم ہو گئی۔

محبت نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور چاہت بلک کر رونے لگی، عشق ٹوٹ کر ہزار ٹکڑوں میں بٹا ریزہ ریزہ ہو کر مرنے لگا، وہ ساکت سی بیٹھی رہی، تو کیا اب اسے تمام عمر اس کا انتظار کرنا تھا، وہ کر بھی لیتی تو کیا وہ آ جاتا، مر کر کون واپس آتا ہے، کاش نئے سال کی خوشی میں لوگ اتنے گم نہ ہوتے کہ کسی کی زندگی چھین لیتے، جس نے زندگی دی ہے مارنے کا حق تو صرف اسے ہے، پھر چاہے کوئی اچھا ہو یا پھر برا۔

تو پھر ہم انسان کیوں کسی سے اس کی زندگی چھین لیتے ہیں کبھی عید پر کبھی شب برات پر کبھی چاندرات تو کبھی نئے سال کی خوشی میں گم ہو کر کی جانے والی ہوائی فائرنگ جو نجانے کتنی ہی نور فاطمہ کو اجاڑ دیتے ہیں، نجانے کتنی ماؤں کے لخت جگر ٹکڑوں میں بٹے گھر آتے ہیں، نجانے کتنی دولہنوں کے سہاگ بننے سے پہلے مر جاتے ہیں، وہ سوچے جاتی۔

روئے جاتی، چیخ چیخ کر سوال کرتی پاگل ہونے لگتی، اس کے سوالوں سے گزرتا وقت نظریں چرا لیتا، محبت شرمندہ ہو جاتی اور انسانیت تڑپ اٹھتی۔

وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے، جس نے بھی کہا سو فیصد درست کہا۔

اب گزرتا وقت اسے تسلی دینے لگا تھا، وہ دوسری بار موت سے گلے مل کر زندگی سے آملی، پہلی بار اس کا موت سے سامنا اس وقت ہوا تھا جو اس کے جان سے پیارے بابا اچانک ہارٹ اٹیک سے فوت ہوئے تھے اور دوسری بار موت سے اس وقت سامنا ہوا جب اس کی جان زیب علی اسے تنہا کر گیا تھا۔

وہ دوبارہ کالج جانے لگی، یونیفارم پہنے اسکارف لئے بیگ اٹھائے سنجیدہ سی نور فاطمہ۔

اب ہنستی تھی تو لب کھلنے سے انکاری ہو جاتے قہقہہ لگانے کی کوشش کرتی تو آواز حلق میں دب کر رہ جاتی اور جب زندگی کی طرف بڑھتی زیب علی کی آواز اسے پاگل کرنے لگتی اور تبھی اس کی زندگی میں وہ آیا۔

یاسر دیوان!

یاسر اس کا کلاس فیلو تھا انتہائی ذہین پڑھائی میں سب سے آگے۔

اس کی ذہانت کا پورے کالج میں چرچا تھا، وہ سنجیدہ سا کم بولنے والا براؤن آنکھوں کا سر... مائل رنگت کا خوبصورت لڑکا تھا، پہلی بار یاسر نے اسے کینٹین میں مخاطب کیا۔

''السلام علیکم میں یاسر دیوان ہوں۔'' ہاتھ بڑھا کر تعارف کرواتے یاسر کو اس نے صرف ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور دوبارہ چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

''نور میں آپ سے مخاطب ہوں۔'' کر... دھکیل کر سکون سے بیٹھتے ہوئے کہا اور اس...

چائے چھلک گئی، گرم گرم چائے ہاتھ اور اس کی سفید جلد کو سرخ کر گئی۔

زیب علی اکثر اسے نور کہتا تھا، دل سے اک ٹیس سی اٹھی آنکھیں بے اختیار نم ہوئیں۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ بے اختیار ٹیبل پہ جھکتا بولا۔

اس کے آنسو رخسار بھگونے لگے وہ اٹھی تاکہ وہاں سے دور جا سکے مگر رک گئی مڑ کر پریشان سے بیٹھے یاسر دیوان کو دیکھا۔

''دوبارہ کبھی مجھے نور نہ کہنا۔'' وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ التجا تھی فرمائش یا پھر وارننگ، بس چپ چاپ سا سرمئی آنکھوں میں بسے رنگ کو دیکھ کر رہ گیا۔

اور ان کی دوسری ملاقات اگلے دن سر سید حیدر کے پیریڈ سے فارغ ہو کر کلاس سے نکلتے ہوئی۔

''کیسی ہو؟'' اس کے قریب قدم سے قدم ملا کر چلتے کہا وہ انجان بنتی آگے نکل گئی۔

''فاطمہ!'' اس نے لفظ نور استعمال کیے بنا اسے مخاطب کیا وہ رک گئی مڑ کر اسے دیکھا نہیں، دیکھتی بھی کیسے کہ اس کی ہر عادت اسے زیب علی کی یاد دلاتی تھی اور اس میں مزید ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی اور گھاؤ برداشت کرتی۔

''ناراض ہو مجھ سے۔'' اس کے مقابل آ کر پوچھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ ہمارا ایسا کوئی رشتہ ہے۔'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو رشتہ بنتے دیر ہی کتنی لگتی ہے صرف تین بار قبول ہے ہی تو کہنا پڑتا ہے۔''

''اور میں یہ رشتہ بنانے کے لئے تیار ہوں۔'' وہ آہستہ سے کہتا وہاں سے نکلتا چلا گیا، وہ ساکت سی اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی، کتنی آسانی سے وہ کتنی بڑی بات کہہ کر اسے ساکت کر گیا تھا۔

اور پھر تھوڑی سی مشکل کے بعد وہ راضی ہو گئی، اسے راضی تو ہونا ہی تھا آخر یاسر دیوان میں اسے زیب علی جو ملا تھا۔

محبت کی دیوی اس پہ پھر سے مہربان ہو گئی چاہت آہستہ آہستہ دوبارہ اپنی جگہ بنانے لگی اور عشق دھیرے دھیرے جڑنے لگا۔

☆☆☆

''جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تب ہی میرے دل نے کہا تھا کہ فاطمہ ہی تمہاری زندگی کا وہ حصہ ہے جس کی تمہیں تلاش ہے۔'' وہ پریگنینٹ تھی جب یاسر نے اعتراف کیا وہ بند پلکوں سے مسکرائی۔

''محبت لفظ تو بہت سنا تھا مگر جب تم سے ملا تو مجھے محبت کا مطلب سمجھ میں آنے لگا، تمہیں پتہ ہے کہ محبت کا مطلب کیا ہے؟'' وہ اس کے چہرے پہ جھکا بولا۔

''کیا ہے؟'' سرخ ہوتی وہ سرشاری سے مسکرائی۔

اس کی چاہت پہ ''فاطمہ!'' اس نے دھیرے سے سرگوشی کی اور وہ کھلکھلا اٹھی، زندگی سے بھرپور کھلکھلاہٹ تھی اس کی اور پھر اس کا بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام اس نے زیب رکھا، اورنگ زیب، ان دونوں کا اکلوتا بیٹا ان کا لخت جگر۔

اور آج بیس سال بعد وہ اس کی من پسند لڑکی سے اس کی منگنی کر رہے تھے۔

بارش برس برس کر اب رک چکی تھی، وہ گہری سانس بھرتیں مڑیں نم پلکوں کو صاف کیا اور کمرے سے نکلتی ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

''اٹھ گیا تمہارا لاڈلا۔'' اس کے اتنی دیر

تک سونے کی وجہ سے ناراض یاسر دیوان نے اخبار سے نظریں اٹھا کر اپنی محبوب بیوی سے پوچھا۔

''جی آرہا ہے ابھی۔'' وہ برتن ٹیبل پہ سیٹ کرتی آہستہ سے بولیں۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے۔'' تبھی لاؤنج میں داخل ہوتا زیب مسکرایا، پھر ان کے قریب جا کھڑا ہوا وہ ہنوز اخبار پہ نظریں جمائے بیٹھے رہے ان کی محبت دیکھتی فاطمہ مسکرائیں۔

''معاف نہیں کریں گے۔'' معصومیت سے پوچھا۔

''آج کے دن بھی کوئی اتنا لیٹ اٹھتا ہے کیا۔'' خفگی سے کہہ کر دوبارہ اخبار سامنے کر لیا۔

''آپ معاف نہیں کریں گے تو پھر ناراض ہو جاؤں گا میں۔'' وہ منہ بناتا بولا۔

''ارے نہیں، تم ناراض نہ ہونا، اک تم ہی تو زندگی ہو ہماری۔'' وہ بے قراری سے بولے، زیب مسکراتا ان کے سینے سے آلگا۔

''کہتے ہیں محبت میں انسان ساری زندگی انتظار کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اگر میں ناراض ہو جاؤں تو کیا آپ تمام عمر میرا انتظار کریں گے۔'' اس نے فاطمہ کے قریب بیٹھتے کہا۔

وہ چونکیں بیس سال پہلے کی رات نظروں میں گھومی۔

''اللہ نہ کرے زیب۔ اب اگر ایسا ہوا تو میں مر جاؤں گی۔'' نم لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

''اب کا مطلب۔'' زیب حیرت و ناسمجھی سے بولا۔

''کچھ نہیں، تم ناشتہ کرو پھر اپنی اسی جولیٹ کے ساتھ منگنی کے لئے رنگ بھی تو لینے جانا ہے نا پتا نہیں یہ کیا ضد ہے تمہاری کہ رنگ تم منگنی کے

دن ہی خرید و گے۔'' یاسر نے یکدم بات
اور انتہائی دکھ سے اداس بیٹھیں فاطمہ کو دیکھا
اس دن کے بعد سے انہوں نے کبھی نور نہیں
تھا۔

''کون کہتا ہے کہ گزرا وقت واپس نہیں
بعض دفعہ گزرا وقت واپس آتا ہے اور ا
ساتھ بہت بڑی تباہی لے آتا ہے۔''

بیس سال بعد گزرا وقت دوبارہ واپس
تھا، دولہن بنی جولیٹ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔
مہمان چلے گئے ہر سو خاموشی چھا گئی خبر
تو صرف اتنی کہ آج بیس سال بعد بھی انسان
مر چکی تھی، شاپنگ سے واپسی پہ مال روڈ
دھماکہ ہوا جس میں زیب نجانے کتنے ہی ٹکڑ
میں بٹ گیا اور یہ خبر سنتی نور فاطمہ ساکت ہو
اس کی ہمت ختم ہو گئی موت سے تیسری بار سا
ہوا تو وہ جی نہ سکی۔

دھماکے میں بے شمار لوگ مرے
انسانیت بھی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

مگر نہ تو کہیں ایف آئی آر کٹی اور نہ عدال
لگی، آخر اس کا ذمہ دار کون تھا۔

وقت، قسمت، نصیب، یا پھر ہماری بڑ
ہوئی بے رہ روی، سوال کل بھی تھا سوال آج
تھا مگر جواب ندارد، انسانیت نے حسرت
بے حسی کو دیکھا اور دم توڑ گئی۔

☆☆☆

وہ ہمسفر تھا

رمشا احمد



ہوائی جہاز کی کھڑکی پر پڑنے والی بوندیں سامنے دکھائی دینے والے شفاف منظر کو دھندلانے لگی ہیں، JFK (جان ایف کینیڈی) ائیر پورٹ کی نظر آنے والی عمارت اب نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے، جہاز Taxi کو رہا ہے، بزنس کلاس کی جیب اوڑھے جامد فضا میں، میں اعصام بخاری ابھی اسی منظر میں گم ہوں، کچھ منظر دھندلا جاتے ہیں، کچھ آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے بسیرا کر لیتے ہیں اور کچھ منظر زندگی میں شامل ہو کر اس کا رخ ہی موڑ دیا کرتے ہیں اتنے اہم ہو جاتے ہیں کہ پھر زندگی اس ایک منظر کے گرد چکر کاٹنے لگتی ہے۔

میں نے آنکھوں سے چشمہ اتارا اور اپنی انگلیوں سے آنکھوں کو مسلنے لگا، آنکھوں کی جلن ہنوز برقرار رہی JFK ائیر پورٹ نیو یارک پر نومبر میں پیشتر پیش آنے والا ایک عام سا منظر میری زندگی کا رخ موڑ گیا ہے، مجھے سا کن کو گیا ہے، میں نے اپنی جیب سے والٹ نکالا اور اس ٹشو پیپر کو نکال کر ایک بار پھر دیکھنے لگا جو پچھلے نو سالوں سے یونہی میرے والٹ کی اندرونی جیب میں موجود ہے اور اس پر لکھا وہ مختصری تحریر اب بھی روز اول کی طرح روشن۔

'A 22 May 2009. an memorable travel unforgettable companion'

☆☆☆

JFK ائیر پورٹ نیو یارک دنیا کے چند معروف ترین ہوائی اڈوں میں سے ایک، میں اپنی کمپنی کی ایک اہم اسٹریٹجک میٹنگ میں شرکت کے لئے لندن روانہ ہو رہا تھا، KLM ائیر لائنز کے کاؤنٹر پر بورڈنگ پاس حاصل کرنے کے لئے ایک طویل قطار موجود تھی، فلائٹ میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا اور میرح طرح شاید اس کافی لوگ دیر سے پہنچ پائے تھے، میرے آگے کوئی خاتون مسلسل فون پر گفتگو میں مص تھیں، ساتھ ساتھ وہ ائیر پورٹ کی صورتحا تبصرہ بھی کیے چلی جا رہی تھیں، میں نہ چ ہوئے بھی اس گفتگو میں شامل ہو چکا تھا محترمہ میرے بالکل آگے موجود تھیں، مجھے سے بہت بولنے والے لوگ شدید کوفت میں کر دیتے تھے، سو میں کوفت میں مبتلا ہو گیٹ نمبر بائیس سے جہاز میں داخل ہو میں آخری مسافر تھا، میرے آنے کے بعد ج داخلی دروازہ بند کر دیا گیا، اپنی مخصوص نشـ پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ میری ساتھ والی نش پر وہی Chatter Box براجمان ہے بلیو اور چاکلیٹ براؤن چیک کی ٹاپ چاکلیٹ براؤن لانگ اسکرٹ میں بلاشبہ د تھی، مجھے اس کا لباس پہلی نظر میں یاد رہ گ بعض لوگ خوش لباس ہوتے ہیں، بعض وہ ہیں جو بے شک بہت خوش لباس نہ ہوں، مگر کچھ پہن لیں ان پر خوب جچتا ہے وہ اس د قسم سے تعلق رکھتی تھی، وہ ابھی Cellphone پر گفتگو میں مصروف تھی انتہائی کوفت زدہ محسوس کرتے ہوئے سیٹ باندھنے لگا، فلائٹ اسٹیورڈ کے کوئی تیسری ٹوکنے پر اس نے اپنی ٹیلیفونک گفتگو کا اختتام

"ہیلو، کیا ہم ایک دوسرے سے متعا ہو سکتے ہیں؟" اس نے انگریزی میں کہا۔

میں نے رخ موڑ کر اس کی جانب د وہ مجھ سے ہی مخاطب تھی۔

"میں اینجلین اظہر ہوں، انٹیریئر ڈیز فری لانس کام کرتی ہوں، ong island میری مستقل رہائش ہے اور آپ؟" وہ خود

مخالف کروانے لگی۔

"اعصام بخاری، مارکیٹنگ ایگزیکٹو، Ford میں نیویارک ہوں۔"

"آپ لندن چھٹیوں پر جا رہے ہیں؟"

"نہیں ایک میٹنگ کے سلسلے میں۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔

"میں ایک جاب کے سلسلے میں انٹرویو دینے لندن جا رہی ہوں۔" میں نے جواباً سر ہلایا اور خاموش رہا وہ بے شک ایک خوش مزاج اور خوبصورت لڑکی تھی مگر بولتی بہت تھی اور میں اتنی طویل پرواز میں اس کا اس قدر بولنا ہر گز برداشت نہیں کر سکتا تھا، سو میں نے اسے یہی تاثر دینے کی کوشش کی کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

"آپ پاکستانی ہیں؟" مجھے انجلینا اظہر کی آواز نے چونکایا۔

"جی ہاں، مگر بہت عرصہ ہوا نیویارک میں رہائش پذیر ہوں۔"

"میں بھی پاکستانی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی، اس کی اردو کافی شفاف تھی۔

"اچھا؟" اس بار میں کچھ حیرت زدہ ہوا، اس لڑکی کی سنہری زلفیں نیلگوں آنکھیں اور دودھ میں گھلی گلابی رنگت اسے کسی انگریز نسل سے ظاہر کراتی تھی۔

"مگر آپ تو بالکل امریکن دکھائی دیتی ہیں۔"

"بالکل،" "میری امی امریکن ہیں اور والد

"اوہ تو یہ سلسلہ ہے۔" میں نے سوچا۔

"پاکستان میں کس جگہ سے تعلق ہے آپ کا؟" وہ پرشوق لہجے میں پوچھنے لگی۔

"پشاور۔"

"اچھا تو آپ پٹھان ہیں۔"

"آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں پاکستان کے بارے میں۔" میں مسکرایا۔

"ہاں بہت کچھ، مجھے پاکستان بہت پسند ہے چند ایک بار وہاں جا کر چکی ہوں، میرے والد کا تعلق ملتان سے ہے، میں نے پاکستان کے تمام بڑے شہر دیکھ رکھے ہیں، مجھے پاکستانی لباس، جیولری اور خاص طور پر پاکستانی کھانے بہت پسند ہے، میں جب بھی جاتی ہوں خوب شاپنگ کرتی ہوں وہاں اور میرے رشتہ دار جو وہاں رہتے ہیں، وہ بھی وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں میرے لیے۔" اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا اور کلائی میں موجود نیلے پتھروں سے مزین خوبصورت بریسلٹ مجھے دکھانے لگی۔

"یہ میں نے کراچی سے لیا تھا، زینب مارکیٹ سے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بتانے لگی۔

"Very nice" میں نے مختصراً جواب دیا۔

کھانا سرو ہونے لگا تھا، وہ کچھ دیر کو خاموش ہو چکی تھی، مجھے وائن پیتے ہوئے دیکھ کر وہ صرف ایک لحظہ کو حیرت زدہ ہوئی تھی۔

"اوہ تو آپ بھی ان مسلمانوں میں سے ہیں جو کھانا تو حلال کھاتے ہیں مگر شراب کو برا نہیں سمجھتے، حلال فوڈ اور وائن؟"

"نہیں میں عادتاً Alcohlic نہیں ہوں بس کبھی کبھار شغل کر لیتا ہوں، جس سوسائٹی میں ہم موو کرتے ہیں، جس ماحول میں ہم کام کرتے ہیں اگر اس کا طرز زندگی اپنا لیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کا ہی نہیں، ماڈرن اور ترقی یافتہ

معاشرے کے ہر تیسرے مسلمان نوجوان کا خیال ہے۔"

"اور آپ کا اپنا ذاتی خیال کیا ہے؟"

"رہنے دیجئے، میرے نقطہ نظر سے آپ کو اتفاق نہیں ہوگا۔" پھر اس نے گفتگو کا رخ موڑا اور کہنے لگی۔

"سفر کرنا کیسا لگتا ہے آپ کو؟"

"اچھا لگتا ہے، زیادہ تر مجھے اپنی جاب کے سلسلے میں ہی سفر کرنا پڑا ہے، یورپ، ایشیا، افریقہ کافی سارے براعظم گھوم چکا ہوں، سفر خود ایک ذریعہ علم ہے، مختلف تہذیبوں، زبانوں اور ماحول سے آشنائی ہوتی ہے، مختلف مکتبہ فکر کے لوگوں سے جان پہچان ہو جاتی ہے، زندگی کا تجربہ وسیع ہونے لگتا ہے، اس لئے یہ سب اچھا لگتا ہے۔"

"اور تسکین؟ کیا سفر تسکین کا سبب بھی بنتا ہے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگی، اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائی تھی۔

"یہ تو منحصر ہے اس بات پر کہ جس مقصد کے لئے آپ سفر کر رہے ہیں آیا وہ تکمیل پاتا ہے کہ نہیں۔"

"ہم...... کتنا سچ کہا ہے آپ نے، آپ بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"اور آپ باتیں بہت کرتی ہیں۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"ہاں میں Talkative (باتونی) ہوں مجھے بولتے رہنا اچھا لگتا ہے، جب ہم بہت بولتے ہیں تو اتنا سوچتے نہیں ہیں، زیادہ سوچنے سے خوف بڑھنے لگتا ہے؟" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد پھر گویا ہوئی۔

"مجھے سمندر سے بہت خوف آتا ہے، اس وقت بھی میں یہ بھلانے کی کوشش کر رہی ہوں ہم Atlantic کراس کر رہے ہیں اور پتہ کتنے گھنٹے ہم Atlantic پر ہی محو پرواز ر[illegible] گے۔" وہ بولی تو اس کے لہجے میں خوف تھ[illegible] آنکھوں میں وحشت۔

"پتہ نہیں، میں نے بہت بار اٹلا[illegible] اویشن کراس کیا ہے مگر کبھی اس کے متعلق [illegible] نہیں، کسی چیز کے خوف سے آزاد ہو[illegible] بہترین حل یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے بارے [illegible] سوچیں ہی نہیں۔"

"میں جب تک بولتی رہوں، نہیں سوچتی [illegible] جب خاموش ہو جاؤں تو پھر میرے اندر سوچ[illegible] خیال اور وسوسے ہی پلتے رہتے ہیں۔"

فلائٹ کے ٹیک آف کرنے کے بعد [illegible] میں نے اپنے بیگ سے Lap top نکال [illegible] اور ان رپورٹس کا مطالعہ کر رہا تھا جو میٹنگ [illegible] بورڈ کے سامنے مجھے پیش کرنا تھیں، وہ کا[illegible] خاموش رہی اور مجھے کام کرتا دیکھتی رہی۔

"کیا اتنی طویل فلائٹ میں آپ سارا [illegible] اپنے Lap top پر کام ہی کرتے رہیں [illegible] کچھ دیر بعد وہ گویا ہوئی۔

میں نے غور سے اس کے چہرے کی [illegible] دیکھا، اس کے چہرے پر عجیب سی معصومیت [illegible] اور اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال، میں [illegible] نظریں پھیر لیں، میں تقریباً دس گھنٹے طویل [illegible] پرواز میں مستقل اس سے گفتگو تو نہیں کر [illegible] اس لئے میں نے اسے یہی ظاہر کیا کہ مجھے [illegible] کام کرنا ہے۔

"آپ سو کیوں نہیں جاتیں؟ دیکھئے [illegible] اب تو لائٹس بھی ہلکی کر دی گئی ہیں، اس سے [illegible] کیا طریقہ ہوگا وقت گزاری کا؟"

"شکریہ آپ کے مشورے کا۔" [illegible]

مگراہٹ میں کسی حد تک شکوہ چھپا ہوا تھا، مجھے لگا شاید وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی اور میرے روکھے پھیکے رویہ سے کچھ نالاں تھی۔

اس نے ایئر ہوسٹس سے تکیہ اور Blanket لیا اور سیٹ کو کچھ پیچھے کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی، کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی، مجھے لگا وہ صرف سونے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ اسے نیند نہیں آ رہی، میری ساری حسیات اس کی طرف متوجہ تھیں، ایسا میرے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا میری توجہ سامنے موجود اسکرین کے بجائے پہلو میں موجود اس لڑکی کی طرف تھیں جس نے مجھ پر اپنا پہلا امپریشن ہی یہ بنایا تھا کہ وہ باتونی ہے اور بلاوجہ بولتی رہتی ہے، میرے نزدیک خواتین کی یہ سب سے بری عادت تھی، لیکن انجلین اظہر عام سی باتونی لڑکی نہیں تھی، وہ ایک سلجھی ہوئی اور سمجھ دار لڑکی تھی، اس کی گفتگو بے تکی اور بے وزن نہ تھی، اس کے پاس ایک گہری سوچ اور حساس ذہن بھی تھا اور یہ بات اس سے گفتگو کرنے کے چند ہی لمحوں میں جان گیا تھا میں۔

میں نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا، وہ شاید سو چکی تھی، میں بغور اسے دیکھنے لگا، تکیہ پر اس کی سنہری زلفیں پھیلی تھیں، بیضوی چہرہ، ستواں ناک، دلکش ہونٹ، شاید میں زندگی میں پہلی بار اس قدر فرصت سے کسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

آنکھیں موندے اس کے چہرے پر سکون [illegible] تھا، وہ اس خوف سے نجات پا چکی تھی، جس کی پرچھائی کچھ دیر پہلے تک اس کے چہرے پر [illegible]

میری Reports سامنے موجود کمپیوٹر [illegible] سب موجود ہوتے ہوئے بھی غائب

ہونے لگے، نظروں میں انجلین کا سراپا تھا اور خیالوں میں اس کی باتیں، مجھے خود پر حیرت ہونے لگی، میں جو خواتین سے قربت کے تعلقات قائم کرنے سے پہلے ہزار بار سوچا کرتا تھا، اس وقت اس لڑکی کو سوچ رہا تھا جسے میں نے پہلی نظر میں ناپسندیدہ قرار دے دیا تھا اس کے چہرے پر ایسا کچھ تھا جو دوسروں سے مختلف تھا، کوئی کشش، کوئی سحر یا پھر کوئی ایسی بات جو کرتی تھی اس کی آنکھوں میں جہاں مسکراہٹ کے دیئے جگمگاتے تھے وہاں اگلے لمحہ کوئی یاسیت کا عنصر بھی جھلکنے لگتا تھا، وہ بولتی تھی تو بے تکان مگر اس کی خاموشی میں بھی کوئی اسرار تھا، جو کچھ بھی تھا، اعصام بخاری کو کوئی کمزور لمحہ آ کر جکڑ چکا تھا، ورنہ اس سے زیادہ طرحدار اور خوبصورت عورتیں، زندگی میں آئی تھیں مگر میں انہیں اپنا وقت تک نہ دے پایا تھا، بائیس سال کی تاریخ میرے لئے کوئی رعایت لے کر نہیں آئی تھی، میں مسکرا دیا۔

میری بند پلکوں کو کچھ جنبش ہوئی، وہ ایئر ہوسٹس جو میرے پیروں پر موجود بلینکٹ کو درست کر رہی تھی 180 ڈگری کو Recline کردہ سیٹ اس وقت میرا بستر بن چکی ہے، بہت کوشش کی سونے کی مگر سفر میں اب نیند تو خود ایک خواب بن چکی ہے، بائیں جانب کھڑکی سے نظر آنے والا بادلوں سے بھی اوپر آکاش سیاہ ہے، دائیں جانب کوئی نشست نہیں ہے کوئی ہم سفر نہیں ہے۔

بزنس کلاس کی خاموشی، پرائیویسی اور تنہائی میرے ہر سفر کے ساتھی ہیں، میری یادیں لوٹ آیا کرتی ہیں، جب ہم خاموش ہوتے ہیں تو سوچ رہے ہوتے ہیں، جب سفر میں ہوں اور

خاموش ہوں تو سوچ کے سفر میں احساس بھی شامل ہو جاتا ہے، کوئی ہمارے ساتھ چلنے لگتا ہے، خاموشی سے چپ چاپ دبے پاؤں۔

میں نے ائیر ہوسٹس سے سافٹ ڈرنک لانے کو کہا ہے، انجلین اظہر کو میرا ڈرنک کرنا پسند نہیں، جس دن مجھے یہ علم ہوا میں Alcobel کے نزدیک نہیں گیا، حالانکہ ایسے بے شمار لمحے آئے جب خود کو ہوش کی دنیا سے غافل کرنے کے لئے مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی مگر ہر بار اس کی آواز مجھے روک دیا کرتی ہے۔

ایکبار پھر میں اٹلانٹک اوشن کراس کر رہا ہوں ایک بار پھر وہ خوفزدہ، خوبصورت نیلگوں آنکھیں میرے سامنے ہیں یہ سب شاید کوئی سراب ہے، وہ نہیں ہے، اس کی باتیں ہیں، اس کی پسند ناپسند کا خیال ہے، اس کی کھلکھلاہٹ اور اس کی نگاہوں میں موجود دکھ کی پرچھائی ہے، کون سی شے ہے جو پاس نہیں ہے، بس وہ نہیں ہے۔

☆☆☆

KLM ائیر لائنز کی پرواز ایمسٹرڈم شیفول ائیر پورٹ پر لینڈنگ کے لئے تیاری کر رہی تھی، انجلین سو کر اٹھنے کے بعد تر و تازہ اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی، ہنوز اس کی گفتگو برقرار تھی، اٹلانٹک اوشن گزر جانے کے بعد اس کا خوف اب دور ہو چکا تھا، وہ نئے سرے سے چہک رہی تھی۔

''کیا آپ ائیر پورٹ پر بھی لیپ ٹاپ پر کام کرتے رہیں گے؟'' میں اس کی بات سن کر مسکرایا۔

مجھے لگا اسے میرے لیپ ٹاپ سے کوئی بیر ہو گیا ہے۔

''نہیں اگر آپ منع کریں گی تو ہرگز نہیں۔''

اس کی آنکھوں میں حیرت آمیز خوشی کا تاثر مجھے اندر تک سرشار کر گیا۔

''واقعی؟'' وہ آنکھیں ٹمٹما کر بولی۔

''شکریہ اس عزت افزائی کا، بہت اچھا ہو گا اگر آپ یہ چند گھنٹے میرے ساتھ گزار لیں گے، یقین کیجئے یہ وقت آپ کو ہمیشہ یاد رہے گا۔'' وہ شرارت سے کہنے لگی۔

''چلیے آزما کر دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا اور اسے بیگ میں ڈالنے لگا۔

ہماری پرواز کو چند گھنٹے ایمسٹرڈم ائیر پورٹ پر قیام کرنا تھا اور پھر وہاں سے لندن کے لئے روانگی ہونا تھی۔

شیفول ایمسٹرڈم ائیر پورٹ یورپ کے چند مصروف ترین ائیر پورٹس میں سے ہے، بیشتر پروازیں یہاں آتی ہیں قیام کرتی ہیں، گزر جاتی ہیں، یورپ کا سب سے زیادہ Cangs ریسیو کرنے والا ائیر پورٹ بھی شیفول ائیر پورٹ ہی ہے۔

ہم اپنے ہینڈ کیری لے کر ائیر پورٹ کے اندرونی لاؤنج میں آ چکے تھے، یہاں دو ڈپارچر لاؤنجز تھے، ڈپارچر لاؤنج دو اوپر کی منزل پر تھا، ہم ایلیویٹرز کے ذریعہ وہاں آ چکے تھے، یہاں مختلف ریستوران اور اسنیک بار تھے، میں انجلین سے پوچھ کر اس کے منتخب کردہ اسنیک بار کی طرف چل دیا، یہ Balcony ban یہاں سے ائیر پورٹ پر آنے اور جانے والی پروازوں کو دیکھا جا سکتا تھا اور ساتھ ہی اشیاء خورد و نوش بھی تھیں، ابھی ہمارے آس پاس میں سکون تھا، ہم اپنی منتخب کردہ اسنیکس ٹرے میں لے کر ایک کونے والی میز پر بیٹھ گئے۔

''مسافروں کی بھی کیا زندگی ہے؟ ائیر پورٹ بھی جیسے کوئی سرائے ہو، جہاں لوگ

آتے ہیں، قیام کرتے ہیں اور پھر نئی منزل کی جانب گامزن ہو جاتے ہیں۔" وہ ایک ٹیکسی کرتے ہوئے جہاز کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"ہاں سب کے راستے مختلف، سب کی منزلیں جدا۔" میں نے کافی کا سیپ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کم بولتے ہیں مگر خوب بولتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"کم بولنے والے لوگ سوچ سمجھ کر گفتگو کرنے کے قائل ہوتے ہیں، شاید اسی لئے ان کی بات میں وزن ہوا کرتا ہے۔"

"لیکن آپ تو مسکراتے بھی سوچ سمجھ کر ہیں۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"میں مسکراتا ضرور ہوں، بلاوجہ نہیں، اپنے دوستوں، احباب اور عزیزوں میں، میں اتنا ریزروڈ نہیں ہوں، ہاں ان لوگوں کے ساتھ کافی محتاط ہو کر ملتا ہوں جو اجنبی ہوں، خاص طور پہ اجنبی خواتین۔"

"یہ تو بڑی ہی نئی بات معلوم ہوئی میں نے تو ایسے مرد دیکھے ہیں جو کہیں نہیں مسکرائیں، خواتین کو کمپنی میں بلا ضرورت بھی ہنسلاتے رہتے ہیں، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کی خواتین دوستوں کو تعداد کم ہوگی۔"

"نہیں اتنی بھی کم نہیں، مگر اچھی خواتین دوستیں واقعی کم ہیں، زیادہ تر وہ ہیں جن سے آفس میں رابطہ رہا کرتا ہے یا پھر پرانے کلاس فیلوز۔"

"What about marriage" اس نے اچانک پوچھا۔

"کیا آپ شادی شدہ ہیں؟"

"نہیں۔"

"اور Comitted بھی نہیں ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اچھا سوال ہے۔" میں نے اپنی ٹرے میں رکھے فروٹ ٹرائفل سے لطف اندوز ہونے لگا۔

"مگر یہ مرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"ہمم...... دراصل کبھی اس بارے میں غور ہی نہیں کیا، شاید فرصت نہیں ملی، مری زندگی Routines بہت ٹائٹ ہیں، تلی بندھی طے شدہ زندگی ہے اور میں اسی میں خوش بھی ہوں، کبھی کسی ساتھی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔"

"یا پھر کبھی کوئی ایسا ملا نہیں جس کے جانے کے بعد آپ نے اس کی کمی محسوس کی ہو؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

"جس کے بارے میں یہ سوچا ہو کہ اس کی موجودگی سے زندگی کس قدر خوبصورت ہو سکتی ہے، کیا کبھی محبت کی ہے آپ نے؟"

"محبت، شاید نہیں، کیا کسی کا اچھا لگنا محبت ہے؟ کیا کسی کا Attract کرنا محبت ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہاں، مجھے کچھ خواتین ایسی ملیں جو مجھے بہت اچھی لگیں اور جن کے ساتھ وقت گزارنا ہمیشہ خوبصورت یادیں دے گیا۔" کافی ختم کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"پتہ نہیں محبت کیا ہے میرے خیال میں تو اپنا اپنا تجربہ ہے، مجھے تو لگتا ہے کہ کبھی کوئی شخص اتنا اچھا لگنے لگے کہ اس سے مل کر ہمیشہ اپنائیت کا احساس جاگے یا پھر یہ خواہش ہونے لگے کہ اس کا خیال رکھا جائے، اس کی پسند ناپسند کو فوقیت دی جائے، اس کے ساتھ اپنی زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی شیئر کر لی جائے، اس کی ہمراہی کے خواب دیکھے جائیں، اسے اپنانے کی تگ و دو کی جائے، اس کے بغیر زندگی بے معنی لگنے لگے، تب شاید محبت اپنے ہونے کا احساس دلانے لگتی ہے۔" جس وقت وہ یہ سب کہہ رہی تھی، میں اسے بغور دیکھ رہا تھا، اس کی نیلگوں آنکھوں میں کتنے ہی ستارے جھلملا اٹھے تھے، اس کی پلکوں پر نمی تھی، ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ اور نگاہوں میں کہیں بہت گہرائی میں کچھ کی کوئی پرچھائی، یہ وہ لمحہ تھا جب اعصام بخاری کو اپنے آس پاس کی دنیا تحلیل ہوتی محسوس ہوئی، وہ ایک پل تھا جب مجھے لگا اگر اس زمین پر کوئی مکمل وجود ہے تو وہ اینجلین اظہر ہے، اگر کہیں محبت ہے اس کی روح میں ہے، کہیں کوئی خوبصورت خیال ہے تو اس کا وجود ہے، کہیں نرمی کی چھاؤں ہے تو اس کی ذات ہے، کہیں احساس کا دریا ہے تو اس کا دل ہے۔

یہ ادراک کا وہ لمحہ تھا جب اعصام بخاری کو علم ہوا کہ اینجلین اظہر عام سی سطحی سی لڑکی نہیں ہے، وہ بلاوجہ بے تکان بولنے والی عام گفتگو کرنے والی خواہ مخواہ مسکرانے والی لڑکی جس کا کم ازکم پہلا تاثر مجھ پر یہی پڑا تھا، کس قدر مختلف اور گہری لگی تھی، اسے انسانوں کی پرکھ تھی، اسے جذبوں کا ادراک تھا، اسے رشتوں کی قدر کا احساس تھا۔

اس لمحہ میرا جی چاہا اس کا ہاتھ تھام کر ایک بار ہی یہ پوچھ سکوں کہ اچھی لڑکی وہ کون سا دکھ ہے جو تمہاری آنکھوں کو کھل کر مسکرانے نہیں دیتا، مگر ابھی ہمارے درمیان اجنبیت کا پردہ حائل تھا میں تو اس سے یہ بھی نہیں پوچھ پایا کہ کہیں وہ شادی شدہ یا کمیٹڈ تو نہیں کوئی جھجک تھی جو آڑے آتی رہی اور مجھے اتنی ذاتی نوعیت کے سوال کرنے سے روکتی رہی، میں نے اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کی طرف دیکھا، وہاں تین انگوٹھیاں موجود تھیں، میں یہ اندازہ بھی نہیں لگا پایا کہ ان

...ں سے کوئی ایک Engagement رنگ تو ...یں۔

"لندن میں آپ کہاں Stay کر رہے ...ں؟"

"Hilton Hotel"۔

"واؤ" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"میں آپ سے ملنے ضرور آؤں گی، اسی ...نے ہوٹل کی سیر ہو جائے گی۔"

"شیور" میں مسکرایا۔

"اور آپ کہاں ٹھہریں گی؟"

"کچھ رشتہ دار ہیں لندن میں انہی کے ہاں ...روں گی۔"

"کون لینے آئے گا آپ کو ایئر پورٹ ..."

"پہلی بار تو نہیں جا رہی میں۔" اس نے ...ے ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"فلائٹ میں اب زیادہ وقت نہیں ہے ایسا ...ریں نیچے چل کر کچھ Window shoppi... کر لیں۔"

"آپ کی مرضی میڈم I'm at your dispos..."

"اف اس قدر Courtesy" وہ کھلکھلا ...ہنس دی۔

☆☆☆

فلائٹ میں کھانا سرو ہونے کے بعد اس ...ایئر لائن کی جانب سے دیا گیا ٹشو پیپر اٹھایا ...اس پر کچھ لکھنے لگی، میرے پوچھنے پر وہ مسکرا کر ...نے لگی کہ وہ کچھ سنبھال کر اپنے پاس رکھنا ...تی ہے، تاکہ اسے یہ سفر ہمیشہ یاد رہے پھر اس ...اپنی تحریر مجھے دکھائی۔

22 may 2010 A onemoreble hanred, ...

unforgettable companion

میرے بے حد اصرار پر اس نے وہ ٹشو پیپر مجھے دیا تھا۔

لینڈنگ سے کافی دیر پہلے ہم اپنے فون نمبرز اور ای میل ایڈریس کا تبادلہ کر چکے تھے، پھر میں نے نوٹ کیا وہ کچھ خاموش ہو گئی ہے، گم صم ہو گئی ہے، میں نے اسے بولنے پر اکسانے کی کافی کوشش کی مگر وہ چپ ہی رہی، سنجیدہ سا اس کا یہ روپ اس اینجلین اظہر سے بہت مختلف تھا جو اب تک اس سفر میں میرے ساتھ تھی۔

☆☆☆

فرسٹ کلاس کے مسافر جہاز سے سب سے پہلے Exit کیا کرتے ہیں، ان کے ڈپارچر لاؤنج بھی عام مسافروں سے مختلف ہوتے ہیں، لندن ہیتھرو ایئر پورٹ پر جب بھی قدم رکھوں بہت سی یادیں گھیر لیتی ہیں، بہت سے منظر نگاہوں میں روز اول کی طرح روشن ہونے لگتے ہیں میں چاہوں بھی تو ان سے منہ نہیں پھیر سکتا، شاید اس لیے کہ میں خود کو اب بھی اس منظر کا ایک حصہ سمجھتا ہوں، اس سے باہر نہیں آنا چاہتا، سامنے ایک بچھڑے ہوئے جوڑے کو دوبارہ ملتے

ہوئے دیکھ رہا ہوں، آنکھوں میں آنسو، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، دنیا کے ہر ہوائی اڈے پر یہ مناظر آپ کو دیکھنے کو ملیں گے، چہرے بدل جاتے ہیں کردار وہی رہتے ہیں۔

☆☆☆

ہیتھرو ائیرپورٹ پر سامان اکٹھا کرنے سے لے کر باہر آنے تک اینجلین اظہر بدستور کھوئی کھوئی سی تھی، شاید وہ پریشان ہو رہی تھی کہ اگر اس کے رشتہ دار اسے لینے نہ آ سکے تو پھر وہ کیا کرے گی، میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی [illegible] لینے نہ بھی آیا تو میں اسے چھوڑنے چلوں گا، وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی، دفعتاً کسی نے دور سے پکارا۔

''اینجی۔'' وہ تیزی سے پلٹی اور پھر میں نے اسے زور سے چلاتے سنا۔

''کیون۔''

وہ اپنا سامان ہینڈ کیری یہاں تک کہ ہینڈ بیگ تک چھوڑ کر اس کی جانب بھاگی تھی اور اگلے لمحے وہ اس کی بانہوں میں تھی، میں نے اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، وہ بچوں کی طرح اس کے بازوؤں میں بلک رہی تھی اور خود اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

میں نے بچھڑے ہوؤں کے ملاپ کے بہت سے مناظر دیکھے تھے لیکن یہ ایک منظر مجھے ساکن کر گیا تھا اور پھر بہت سا وقت گزر جانے کتنا وقت جب میں نے اسے پھر مسکراتے ہوئے دیکھا، وہ اب بھی اس کے بازو سے لگی تھی اور بے تکان بول رہی تھی، کیا؟ یہ میں نہیں سن پایا، کیونکہ وہ دونوں مجھ سے کافی فاصلہ پر تھے اگر نزدیک ہوتے تو بھی یہ ممکن نہ ہوتا کہ میں تو جامد ہو چکا تھا، کافی دیر بعد وہ اس کے ساتھ میری جانب پلٹی۔

''کیون ان سے ملو، اعصام بخاری ان کے ساتھ بہت اچھا سفر گزرا، انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔''

''Thank you so meuh''۔ اس نے میری جانب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''اور اعصام بخاری آپ ان سے ملیں، ڈاکٹر کیون ایفلرڈ میرے فیانسی۔'' میرا مصافحہ کرتا ہوا ہاتھ اچانک ٹھہر گیا، صرف ہاتھ نہیں ٹھہرا تھا، سانس نگاہیں اور دھڑکن سب ایک لخت تھم گئی تھی۔

میں نے ایک اجنبی کے ساتھ سفر کیا تھا، آشنائی کی منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی سفر کا اختتام ہو گیا تھا۔

ہم اجنبی ہی رہ گئے تھے۔

☆☆☆

لندن بلٹن ہوٹل کا جانا پہچانا کمرہ میں اور میری تنہائی۔

زندگی میں صرف ایک بار کوئی ایسا ملا تھا جس کے چلے جانے کے بعد میں نے اس کی بے انتہا کمی محسوس کی، مگر اس سے کبھی یہ کہہ نہیں سکا، وہ میرے لئے ایک منظر ہے، جو مجھے ساکن کر گیا ہے، وقت کے ڈائل پر ٹک ٹک بھاگتی سوئیاں Freeze ہو گئی ہیں، وہ ایک ایسا منتر پھونک گئی ہے جس کے سحر سے میں کبھی آزاد نہیں ہو سکوں گا۔

میں اس ایک منظر میں زندہ ہوں وہ زندگی کے اس سفر میں اک اجنبی ہمسفر ہے۔

ہمیں خبر تھی کہ منزل کبھی نہ آئے گی
تمہارے نام سفر انتساب کرتے ہوئے

☆☆☆

نئے راستے

سویرا فلک



دروازے پر دستک کی آواز کیا ہوئی، گھر میں گویا بھونچال آ گیا، نمرہ کچن میں لپکی اور سدرہ غسل خانے میں جا گھسی، لبنیٰ کو اور کوئی پناہ گاہ نہ ملی تو اس نے وائپر کو اپنی ڈھال بنالیا ساتھ ہی گہرا سانس لے کر دروازے کی کنڈی کھول دی۔

''سلام اماں۔'' سامنے کھڑی عفت نے جھٹ تابعداری کا ثبوت دیا مگر اماں تو اماں تھیں، ان تابع گزاریوں کے جھانسوں میں آنے والی ہرگز نہ تھیں، اسے حتی المقدور گھوریوں سے نواتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے۔

''اماں پانی۔'' یہ فردا تھی، جو کانوں میں اڑسے ہیڈ فون کے باعث طوفان کی آمد سے بے خبر رہ گئی تھی مگر جب سوئے اتفاق کمرے کی کھڑکی سے اس نے من دعن دیدار کرلیا تو وہ بھی چوکسی ہو گئی تھی۔

''ارے یہ تو خالی وائپر کیوں سوکھی زمین پر پھیرے جا رہی ہے۔'' بازار سے آئی اماں کے پانی پی کر حواس مکمل طور پر جاگ گئے تھے تو انہوں نے اپنی اولاد کے ڈرامے کی ایڈیٹنگ کرنا شروع کردی تھی، اب وہ سبزی کا تھیلا تخت پر رکھ کر چادر اتار کر گھر کا راؤنڈ لینا شروع ہو چکی تھیں۔

''اے سدرہ یہ تو کیوں سادے پانی میں بھگوئے کپڑوں کو بے وجہ زور و شور سے رگڑے جا رہی ہے۔'' اماں کی گرج دار آواز نے سدرہ کے اعصاب مکمل طور پر الرٹ کردیئے۔

اسے یاد آیا کہ وہ پانی میں سرف ڈالنا بھول گئی ہے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

''جلدی کا کام شیطان کا۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو سنگین غلطی کے لئے کوسا تھا، اب ... پہنچ ...

''یہ تو کس کے لئے روٹیاں ڈال رہی ہے۔'' اماں نے توے پر روٹی ڈالتی نمرہ سے کڑک لہجے میں پوچھا۔

''وہ اماں دوپہر کے کھانے کے لئے، میں نے سوچا تم تھکی ہوئی آؤ گی تو جلدی سے گرما گرم روٹیاں تیار کرلوں تاکہ فٹافٹ تمہیں کھانا دے سکوں، ہمیں بھی بھوک لگ رہی تھی۔''

''اچھا جی کیا بات ہے بڑا خیال ہے تجھے ماں کا، ادھر لا میری بچی، تو کہاں ہلکان ہو گی، میں ڈال دیتی ہوں روٹیاں اور یہ جو چاول بھگو کر رکھ کر گئی تھی کہ پلاؤ کا دم دے دینا یہ چھجے میں پھینک دیتے ہیں، کیونکہ اب یہ آدھا درجن روٹیاں جو اتنی محنت سے پکائی ہیں ضائع تو نہیں کی جا سکتیں نا۔'' اماں نے چمٹا اس کے ہاتھ سے لیا اور چاولوں سے بھری پتیلی کا ڈھکن اس کے آگے کر کے جیسے ہی اپنے قدم اس کی جانب بڑھائے نمرہ ''ہائے اماں بھول ہو گئی معاف کردو۔'' کہہ کر بھاگ نکلی اور اب چاروں کمرے میں بند اماں کی جاہ و جلال سے بچنے کے لئے دعائیں مانگ رہی تھیں، مگر فردا ہمیشہ کی طرح صرف دھیمی آواز میں روئے جا رہی تھی اور لبنیٰ ہر بار کی طرح اس کی درد بھری سسکیوں کی آواز دل پر آرے کی طرح چلتی محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

خوش تو اماں خیر پہلی بیٹی لبنیٰ کی آمد پر بھی نہ ہوئی تھیں، مگر لبنیٰ کے بعد سدرہ کو جیسے تیسے بھگتا کر فردا کی دفعہ وہ بالکل ہی بدمزہ ہو کر اس سے منہ پھیر بیٹھی تھیں، جب تک لبنیٰ کچھ سمجھدار تھی، سدرہ تھی بھی بہت پیاری گول مٹول سرخ سفید گڑیا جیسی، گڑیوں سے کھیلنے کی عمر میں جب لبنیٰ کو اماں نے گھر گرہستی ... دل میں الجھانا شروع کر

دیا تو لبنیٰ خود بخود سدرہ کو اپنی بیٹی اور گڑیا جان کر اس کی ماں بھی بن گئی، اماں اسے صرف دودھ پلا کر تخت پر یوں ڈال دیتیں گویا ان کو سدرہ کی رضاعت کے پیسے دیئے جاتے اس کے بعد لبنیٰ ہی اسے سنبھالتی، اس کے کپڑے بدلنا، دھونا، اسے نہلانا دھلانا، بہلانا پھسلانا اور سلانا سب وہی کرتی اور شاید اسی لئے لبنیٰ کو بہنوں میں سدرہ سے اس قدر انسیت اور محبت تھی کہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نکلتا تو وہ تڑپ کر رہ جاتی، نمرہ گو کہ سب سے چھوٹی تھی مگر کیوں کہ اس کے بعد اماں پتھر ہو گئیں تھیں اور بیٹے کی آس پر صبر کر لیا تو انہوں نے نمرہ پر کوئی غصہ نہ اتارا اور اسے [illegible] سے پال لیا، مگر بیٹیوں کی گنتی میں [illegible]

ان کے لاڈلے [illegible] بوجھ ہیں، وہ ہرگز ان کی خوشی نہیں، کیونکہ ان کی آمد سے جہاں اماں سے بیٹے کی ماں ہونے کے فخر کا تاج چھین گیا تھا وہیں ان کے باپ کے کندھے مزید جھک گئے، ابا پہلے ہی دن بھر فیکٹری میں کام کر کے تھکا ہارا آتا تھا اب تو اماں نے بیٹیوں کے جہیز کی تیاری کے ڈراوے دے دے کر اسے اوور ٹائم لگانے پر بھی مجبور کر دیا تھا، ابا مزاج اپنے آپ میں گم رہنے والا بندہ تھا وہ بیوی کے ساتھ وقت نہیں گزارتا تھا تو بیٹیوں کو بھی اس نے اماں کے فرمودات سن سن کر کہ بیٹیوں کو زیادہ منہ نہ لگانا دوسرے گھر بھیجنا [illegible] بیٹیاں تو ہوتی ہی سمجھدار ہیں، اس لئے وہ چاروں بنا اعتراض کیے اسی [illegible] چلی گئیں، جیسا اماں چاہتی تھیں البتہ ماں کو خوش کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت لگی رہتی تھیں یہ الگ بات تھی کہ قسمت ان کا ساتھ کم دیتی تھی یا ان کی حکمت عملی کمزور ہوتی تھی سو اکثر ناکام ہو جاتی تھیں کہ اماں اور ان کے درمیان

دوریاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں اور ماں اور بیٹی کا رشتہ کمزور ہو جائے تو گھر کی رونق اور برکت سب ختم ہونے لگتی ہے، اسی لئے اس گھر میں بھی اداسی و مایوسیت کا دور دورہ ہر سمے لگا تھا اور جب گھر کے مکینوں کا دل گھر میں نہ لگے تو وہ باہر کی طرف بھاگتے ہیں، [illegible] عادت [illegible] پڑوس بھاگنے کی [illegible] ماں کی طرف [illegible] راہ فرار تلی، وہ بھی [illegible] روابط استوار کرنے کی [illegible] کی شوقین اور چلی گئیں [illegible] ماہر اور شوقین ہوتی رفعت باجی اپنی اماں کے [illegible] پڑوس کا مکان بکا اور تو [illegible] کے ہمراہ وہاں رہنے آ گئیں پہلے [illegible] یہاں سے سب سے [illegible]

[illegible]

[illegible] نے دل دروازہ [illegible] ہی سب کی نیند [illegible] دہلا دیئے، نمرہ [illegible] نے فروا کو جگایا، دستک کی سب سے پہلے آنکھ کھلی اس [illegible] گویا کوئی دروازہ توڑ کر اندر کہ اتنا زور پکڑ رہی تھی داخل ہو جائے گا، نمرہ ڈرتے ڈرتے ابا کے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگی تب رفعت باجی کی امی کی آواز نے اسے بری طرح چونکا کر اپنا رخ موڑنے پر مجبور کر دیا۔

''ارے کوئی ہے جلدی دروازہ کھولو۔'' تب فروا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی اور دروازہ کھول دیا، تب تک ابا بھی صحن میں آ چکے تھے۔

''ارے بیٹا رفعت سیڑھی سے گر گئی ہے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے، میں اکیلی اسے اٹھا نہیں پا رہی۔''

''ارے بہن آپ کہاں جائیں گی اس وقت، آپ یہیں رکیں میں اور فروا لے جاتے ہیں رفعت کو، پھر نمرہ رفعت باجی کی امی کو اماں کے پاس لے آئیں، لبنیٰ اور فروا نے سہارے سے رفعت باجی کو اٹھایا اور ابا کے ساتھ ایمبولینس میں ہاسپٹل لے گئیں، دو گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی تو رفعت باجی کے ہاتھ پر دباؤ آ جانے کے باعث پلاسٹر بندھا تھا۔''

سدرہ جا کر تیزی سے ان کے لیے یخنی بنا کر لائی اور نمرہ نے سب کے لیے چائے چڑھائی، رفعت باجی بڑی ہمت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں ... ان کی امی بیٹی کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں اور زیرِ لب پڑھ پڑھ کر ان پر دم کر رہی تھیں، وہ ذرا بھی جنبش کرتیں تو ان کی امی بے چین ہو اٹھتیں۔

''کیا ہوا بیٹا درد ہو رہا ہے، تم زیادہ ہو نہیں آرام سے بیٹھو اور رفعت باجی مسکرا دیتیں۔''

''امی خدانخواستہ فریکچر نہیں ذرا سی چوٹ ہے آپ تو یوں کر رہی ہیں جیسے میں چھوٹی بچی ہوں۔'' اتنے میں اماں بھی آ گئیں، اور زبردستی رفعت باجی کی امی کو اپنے کمرے میں لے گئیں کہ ''بہن تم بھی کچھ آرام کر لو، ورنہ یہ نہ ہو کہ تیمار داری کرتے کرتے تم خود بیمار پڑ جاؤ، بچیاں ہیں رفعت کے پاس اور رفعت بیٹا، نمرہ دلیہ بنا رہی ہے تمہارے لیے، وہ کھا کر دوا کھا لو اور پھر تھوڑا سو جاؤ ...''

''جی اچھا آنٹی، آپ کا بہت شکریہ، آپ لوگوں نے تو سگوں سے بڑھ کر ساتھ دیا ہمارا۔''

''لو بھلا کیا غیروں والی بات کر دی بیٹی تم نے، پڑوسی کا بڑا حق ہوتا ہے، چلو خیر باتیں ہوتی رہیں گی تم آرام کرو۔'' یہ کہہ کر اماں اور رفعت باجی کی امی آرام کرنے چلی گئیں، نمرہ رفعت باجی کے لیے دلیہ لے کر آ گئی اور تھوڑا تھوڑا کھلانا شروع کر دیا۔

''رفعت باجی آپ کی امی کس قدر پیار کرتی ہیں آپ سے، میں دیکھ رہی تھی کہ وہ کیسے آپ کی ایک سانس اور حرکت پر بے چین ہو رہی تھیں کہ کہیں آپ کو تکلیف تو نہیں ہو رہی۔''

''ہاں فروا ماں ... تو ... مائیں تو یونہی اولاد کی ... محبت میں ... تڑپ جاتی ہیں اس کی تکلیف پر ...'' رفعت باجی نے سادگی سے کہا۔

''مگر ہماری اماں تو ایسی نہیں ہیں، وہ تو ایسی محبت نہیں کرتی ہم سے ...'' فروا کے لہجے میں ... حسرت ... تھوڑا مگر اس بے ... کوئی ... کیا کیا بھری بیٹھی تھی اپنے دل میں۔

''یا پھر شاید انہوں نے ہمیں اولاد مانا ہی نہیں، وہ تو ہمیں ایک پتھر نما بوجھ سمجھتی ہیں مگر شاید وہ یہ بھول گئی ہیں کہ ہم واقعی پتھر کی نہیں بنی ہوئی ہیں ہمارے سینے میں بھی دل دھڑکتے ہیں۔''

''ہاں رفعت باجی پہلے ہمیں لگتا تھا کہ شاید ساری مائیں بیٹیوں کو اسی نظر سے دیکھتی ہیں مگر آج آنٹی کی نظروں میں ہم نے جو محبت آپ کے لیے دیکھی ہے وہ پھر سے ہمیں خود سے سوال کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔'' اس بار نمرہ نے بھی دل کی بات کر ہی دی، لبنیٰ خاموش تھی مگر اس کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں، سدرہ بھی افسردہ چہرے سے بہنوں کو دیکھ رہی تھی، تب رفعت باجی نے فروا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا اور نرمی سے بولیں۔

''فروا تم نے کبھی سوچا ہے کہ لڑکیاں بوجھ کیوں تصور کی جاتی ہیں؟'' فروا نے حیرانی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس لیے فروا کہ ہمارا لڑکیاں، لڑکوں کی

[illegible] ماں باپ کا سہارا نہیں بن پاتیں، میرا مطلب ہے معاشی طور پر ان کی مدد نہیں کر پاتیں اور پھر ان کو بیاہنا بھی ایک بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، جس میں زیادہ پیسوں کا مسئلہ ہی درپیش ہوتا ہے، فروا معاشی تنگی ایک ایسا مسئلہ ہے جو عموماً ہر گھر کا ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے، میاں بیوی کے جھگڑوں کی زیادہ تر وجہ یہی پیسہ ہوتا ہے، ہم تم جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں بھی بنیادی مسئلہ پیسہ کی کمی ہے، گو کہ دنیا بدل گئی ہے لیکن کچھ رواج جیسے شادی بیاہ کے معاملات اتنے ہی بلکہ پہلے سے بھی پیچیدہ ہیں، دکھاوے کی دوڑ نے سب کا ستیاناس مارا ہوا ہے مگر دیکھو ہم دوسروں کو نہیں بدل سکتے ہمیں خود کو بدلنا ہوتا ہے حالت پر روتے رہنے کی بجائے اس کے سدھار کی کوشش کرنا ہی دانش مندی اور ہمت کا تقاضا ہوتا ہے [illegible] یہ کیوں نہیں کرتیں کہ کسی طرح اماں [illegible]

''ہم کیا کریں گے رفعت باجی، اماں نے ہمیں پڑھایا نہیں کیونکہ ان کے نزدیک لڑکیوں کو پڑھانا پیسے کا ضیاع تھا ورنہ ہم کسی اسکول میں نوکری کر لیتے یا ٹیوشن پڑھا لیتے۔'' ثمرہ نے تلخی سے کہا تو رفعت باجی نے بھی ہونٹ بھینچ لئے۔

''ہاں اسی طرح کی سوچیں تو ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹے جا رہی ہیں، تعلیم کا مقصد شعور دینا ہوتا ہے نہ کہ پیسے کمانا اگر تعلیم پیسے کمانے کے لئے حاصل کی جاتی تو کبھی ڈگری ہولڈر بے روزگار نہ ہوتا۔''

''آنٹی نے آپ کو پڑھایا بھی، پارلر کا کورس بھی کرایا، اماں نے ہمیں کوئی ہنر بھی نہیں [illegible] سلائی کڑھائی سیکھنے کا بے حد [illegible] نے افسردگی سے کہا تو رفعت باجی [illegible] اس کی نم آنکھوں کے گوشے صاف کیے اور بولیں۔

''اللہ ایک راستہ بند کرتا ہے تو دس کھولتا ہے، لبنیٰ تم اتنے اچھے کھانے بناتی ہو تو آڈر پر یہ کام کیوں نہیں شروع کر دیتیں میں اپنی دوست کے میاں سے کہہ کر آفس کے لنچ کا آڈر کرا دیتی ہوں لوگ آج کل ہوٹلوں کے بجائے سادہ کھانا کھانے کو ترجیح دیتے ہیں، تم چاروں بہنیں مل کر یہ کام بہت آسانی سے کر سکتی ہو۔'' لبنیٰ باجی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو فروا چونکتے ہوئے بولی۔

''مگر ابتداء میں تو کچھ نہ کچھ سرمایہ درکار ہو گا۔''

''میری کچھ سیونگز ہیں وہ تم لوگ بطور قرض لے لو، آہستہ آہستہ اتار دینا، بس حامی بھرو، میں ابھی اسے فون کرتی ہوں۔'' اور پھر چاروں کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے موبائل اٹھا کر کال ملا دی اور چاروں اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے فرشتہ صفت رفعت باجی کو دیکھتی چلی گئیں۔

زندگی میں کوئی ایسا رہنما مل جائے یا ایسا دوست مل جائے تو آپ کو خلوص دل سے نہ صرف راستہ دکھا دے بلکہ آپ کی گاڑی کو ہمت اور کوشش کرتے رہنے کا دھکا لگا دے تو واقعی زندگی سنور ہی جاتی ہے، ان چاروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، رفعت باجی نے ان کی زندگی کی گاڑی کو ٹریک پر ڈال دیا اور وہ مسلسل ان کی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پر داد کا پیٹرول بھی فراہم کرتی جا رہی تھی جس سے ان کی کامیابی کا انجن دھواں دار طریقے سے چل رہا تھا، آنے والی بھرپور کمائی سے چھ ماہ بعد ہی اوپر کے پورشن پر ایک کمرہ کچن اور باتھ روم بنا کر کرایہ پہ چڑھا دیا گیا تا کہ پیسہ انویسٹ ہو کر دوگنا ہونے لگے،

خوش بختی نے دروازے پر ایسی دستک دی کہ بہت سے بعد ایک اچھی خبر سننے میں آنے لگی، آفس سے جو لڑکا ڈلیوری وصول کرنے آتا تھا، اس نے لیلیٰ کے لئے رشتہ بھجوا دیا، احسن خوش شکل اور خوش مزاج لڑکا تھا، مختصر سا گھرانہ تھا، اماں ابا نے شکرانے کے نفل پڑھے تو اللہ کی نعمتیں اور بڑھیں، فروا کے لئے کرایہ دار کے رشتے داروں میں سے رشتہ آ گیا، یہ رشتہ بھی ہر حال سے مناسب تھا، دونوں کا نکاح سادگی سے کر کے رخصتی سال بھر بعد طے پا گئی، اتنے میں رفعت باجی کا تین سال سے رکا امریکہ کا ویزا آ گیا، جو لوگ دوسروں کے لئے آسانیاں ڈھونڈتے ہیں اللہ ان کی زندگی میں بھی آسانیاں کر دیا ہے۔

نکاح کے بعد سے اب اتنے عرصے بعد شوہر کے پاس جانے کے تصور نے رفعت باجی کے چہرے پر خوشی کی بہار اتار دی تھی، امی پریشان تھیں کہ اکیلے سب کیسے کریں گی کیونکہ ان دونوں ماں بیٹی کا دنیا میں ایک دوسرے کے سوا کوئی نہیں، والد رفعت باجی کے نکاح کے کچھ روز بعد ہی رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے تھے، ایسے میں جب رفعت باجی اور ان کی امی خود کو بے حد اکیلا محسوس کر رہی تھیں اماں اور چاروں بہنوں نے ایک پھر ہمسائیگی کا حق بھرپور طریقے سے ادا کر دیا تھا اور جب رفعت باجی کی فلائٹ والے دن چاروں بری طرح رو رہی تھیں اور فروا ان کے ہاتھ چوم کر کہہ رہی تھیں کہ اللہ نے آپ کو ہمارے لئے راہبر بنا کر بھیجا آپ کی بدولت ہم نے جینے کا نیا راستہ پایا تو رفعت باجی نے چاروں کے ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم لوگ آج مجھ سے وعدہ کرو کہ اب تم لوگ بھی دیئے سے دیئے جلانے کا یہ عمل ہمیشہ جاری و ساری رکھو اور کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کے لئے مشعل بن کر اس کی منزل کی کھوج اور رہنمائی میں مدد کرو گے۔" چاروں نے اثبات میں سر ہلا کر رفعت باجی کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر دی اور سب کے چہروں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی کیونکہ خوشیاں بانٹنے سے ہی دل مسرور ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆

"انتقال پر ملال"

آپ کی پسندیدہ مصنفہ "قرۃ العین رائے" کے سر محترم گزشتہ ماہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حنا غم کی اس گھڑی میں قرۃ العین رائے کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

1) اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹،۱۰)

1) اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن ۴۸،۴۹)

1) یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ جبار، ملتان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند

کنا پسند چیز دیکھ کر الحمد للہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے۔ ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

"اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟"

"میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔" یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔ "میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔"

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔ "مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقت میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔" ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔ "تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔"

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوائے پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے

اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔

☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

نازیہ کمال، حیدر آباد

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجیے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مریم رباب، خانیوال

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اپنے ٹنک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

ثناء حیدر، سرگودھا

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

درثمن، میاں چنوں ☆☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

سعدیہ عمر ---- سرگودھا

ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کر کے امید ثواب رکھتے ہیں

آسیہ وحیدر ---- لاہور

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے

عابدہ سعید ---- گجرات

نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی

نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کس انداز کا رشتہ

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعا میں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
رمشہ ظفر ---- بہاول پور

اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور رو کے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
عاصمہ سرور ---- وہاڑی

تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یوں ہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
سعدیہ جبار ---- ملتان

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رو نے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

جبار ---- ملتان

س: کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟
ج: جب کمخواب پھٹ جائے۔
س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟
ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔
س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟
ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

ممتاز ---- رحیم یار خان

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟
ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔
س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟
ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔
س: شعر کا جواب دیں۔
کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تجھے اپنے خدا سے
ج: شعر کا جواب شعر میں حاضر ہے۔
میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟
ج: کسی ہمراز سے۔
س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟
ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔
س: اس نے کہا "یہ دل آپ کا ہوا" کیا یہ سچ ہے؟
ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم....؟
س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟
ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔
س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟
ج: جو تم پکا سکو گی۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟
ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔
س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟
ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔
س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟
ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔
س: اگر سب انسان الگ ہوتے تو......؟
ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟
ج: خیال۔
س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟
ج: ٹافیاں اور چاکلیٹ اپنے پاس رکھا کرو۔
س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟
ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو، تو پاگل ہے؟

ج: کبھی کبھی بچوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

اُم حدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ؟

ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟

ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارک باد دے ہی دوں؟

ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔

س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟

ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔

س: پکی دوستی کی پہچان بتایئے؟

ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

فرح عامر ---- جہلم

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟

ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھو لو تاکہ کہیں اور کام آ جائے۔

س: آپ بڑے وہ ہیں؟

ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔

س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟

ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟

ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔

س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟

ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔

س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟

ج: کب نہیں کیا؟

نعیم امین ---- کراچی

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟

ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔

س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟

ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔

س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟

ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔

س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟

ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

حمارائے ---- کراچی

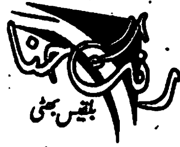
س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔

ج: نہیں ابھی دنیا میں آپ جیسے خوش فہم بہت ہیں۔

س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟

ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆



بلقیس بھٹی

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''
''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''
کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

عابدہ سعید، گجرات

عجلت

ایک صاحب نے ایک ہوٹل کے قریب ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔
''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''
ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔
ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔
''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

فرح عامر، جہلم

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔
انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، زوفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔
''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''
ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔
''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔
''پتہ نہیں۔''

رابعہ قاسم، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں

بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

نعیم امین، کراچی

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

ہما رائے، کراچی

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبا اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

نبیہ آصف، قصور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال یمین نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔''

فرح ظفر، بہاول پور ☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

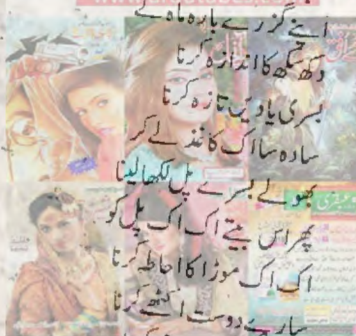
...یہ کمال: کی ڈائری سے ایک نظم

"بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے"

...ں گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
...ں انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
...سن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
...ی ہے بھنور سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
...سافر انجمن اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
...ے یاد ہے چھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
...ی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
...ہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

مریم ارباب: کی ڈائری سے ایک غزل

آئے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان پہ شوق سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا



ام خدیجہ: کی ڈائری سے ایک نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری صبحیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا

پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
فرح عامر: کی ڈائری سے ایک نظم
''اب کے برس''
اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے
رابعہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل

اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیئے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خیر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے
نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم
مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کی ڈھل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا
ہمارا ئے: کی ڈائری سے ایک غزل
یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

چکن اینڈ کارن سوپ

اشیاء

چکن لیگ پیس	دو عدد (صاف کر کے دھولیں)
مکھن	چوتھائی کپ
تیل	دو چائے کے چمچے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد (چھوٹے سائز کی)
مرغی کی یخنی	ڈھائی کپ
شملہ مرچ	ایک عدد (چھوٹے سائز کی) بیج نکال کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر	دو عدد (بڑے سائز کے) چھلکا اتار کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر پیسٹ	دو چائے کے چمچے
مکئی کے دانے	ایک کپ (ابلے ہوئے)
اوریگانو پاؤڈر	ایک چٹکی
دھنیا پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب پسند (چوپ کیا ہوا)

ترکیب

سوس پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد اس میں چکن پیس ڈال کر چمچہ چلائی اور گوشت کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں، میدہ ڈال کر چمچہ چلائیں اور دو منٹ تک فرائی کریں، فرائی کرنے کے بعد مرغی کی یخنی ڈال کر ایک مرتبہ ابالیں، اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، شملہ مرچ، ٹماٹر، ٹماٹو پیسٹ، مکئی کے دانے اور یگانو پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر مزید بیس منٹ تک پکائیں، گوشت جب اچھی طرح گل جائے تو اسے سوس پین سے نکال کر ہڈی الگ کر کے باریک ریشے کرلیں اور اسے سوس پین میں ڈال کر آمیزے کے ساتھ مکس کریں، ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر تین منٹ تک پکائیں، مزے دار چکن کارن سوپ تیار ہے، سرونگ باول میں نکال کر ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

چکن پی نٹس اینڈ چلی سوپ

اشیاء

مرغی	آدھا کلو (بون لیس کیوبز میں کاٹ لیں)
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	دس بارہ عدد
مونگ پھلی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ

(دو کھانے کے چمچے پانی ملا کر آمیز بنالیں)

نمک — حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے گوشت میں سرکہ، سویا ساس اور نمک لگا کر تیس منٹ تک کے لئے رکھ دیں، ایک سوس پین میں تیل گرم کر کے مونگ پھلی فرائی کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

اس کے بعد اسی تیل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں اور اس میں ادرک، مرغی کا گوشت ڈال کر فرائی کریں، گولڈن ہو جائے تو یخنی، چلی ساس، لال مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب مرغی کا گوشت گل جائے تو کارن فلور کا آمیزہ ڈال دیں، ساتھ ہی شملہ مرچ اور فرائی کی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر مسلسل چمچہ چلاتی رہیں، گاڑھا ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

مونگ پھلی سے گارنش کر کے نوڈلز یا فرائیڈ رائس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

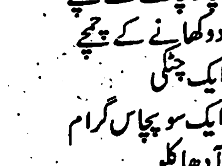
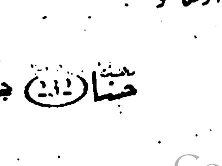
اشیاء

مرغی کی ہڈیاں — دو کلو
مرغی — ایک کلو
(ابال کر ریشے کر لیں)
جھینگے — ڈیڑھ کلو
(ابال کر چوپ کر لیں)
چینی — ایک سو پچاس گرام
نمک — حسب ذائقہ
چائنیز نمک — چار چائے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر — دو کھانے کے چمچے
نارنجی یا سرخ رنگ — ایک چٹکی
مشروم (سلائس کیے ہوئے) — ایک سو پچاس گرام
بند گوبھی — آدھا کلو
(باریک کاٹ لیں)
گاجر — آدھا کلو
(قاشیں کاٹ لیں)
چلی ساس — ایک کپ
لیموں کا رس — ایک کپ
سرکہ — آدھا کپ
کارن فلور — ڈیڑھ کپ
ہری پیاز — ایک عدد
(سلائس کاٹ لیں)
گوبھی — تین کھانے کے چمچے
انڈے (پھینٹ لیں) — دس عدد

ترکیب

سوپ بنانے کی تیاری میں اہم مرحلہ مرغی کی یخنی بنانے کا ہے، یخنی پانچ گھنٹوں میں تیار ہو گی، اس کے لئے ایک برتن میں سات کپ پانی ڈالیں اور ہڈیاں ڈال کر یخنی تیار کرنے کے لئے رکھ دیں، پانچ گھنٹے تک پکنے دیں، اس کے بعد ہڈیاں الگ کر کے یخنی چھان لیں، اس میں نمک، چائنیز نمک، چینی، چلی ساس، سفید مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر دیں، پندرہ منٹ تک پکائیں، ایک پیالے میں کارن فلور میں پانی شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں، کچھ دیر بعد مشروم، گاجر، بند گوبھی، مرغی، جھینگے اور پھینٹے ہوئے انڈے آہستہ آہستہ سوپ میں شامل کر کے چمچہ چلائیں اور چولہا بجھا دیں، مزے دار ہاٹ اینڈ ساور سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر بند گوبھی اور ہری پیاز کے سلائسز سے گارنش کر کے چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔



کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

سحر کے سورج کو ڈھونڈتے ہوئے دن رات، رات کے اندھیروں میں غروب ہوتے چلے گئے، ایک اور سال کی مسافت تمام ہوئی، زندگی کی برق رفتاری نے وقت کی رفتار بھی تیز کر دی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ انسانی ترجیحات بھی بدلتی جا رہی ہیں، تبدیلی کی خواہش انسانی فطرت کا حصہ ہے اور زندگی کا لازمی امر بھی، وقت کا ساتھ دینے والے، وقت کے ساتھ چلنے والے ہی کامیاب ٹھہرتے ہیں، تبدیلی اگر راست فکر اور مثبت سوچ کے ساتھ ہو تو خیر ہے ورنہ بلاشبہ انسان تو ہے ہی خسارے میں، راست نیت اور اچھی سوچ کے ساتھ نیک اعمال ہمارے راستوں کے وہ چراغ ہیں جو تاریک راہوں میں اجالے بکھیرتے ہیں۔

ہم دعا گو ہیں کہ آنے والا سال ہم سب ... خوشیوں کا پیامبر ہو اور وطن عزیز میں امن، سکون اور خوشیوں کی فضا لے کر آئے آمین۔

آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔

آپ کے خطوط کی محفل میں چلنے سے پہلے ایک بار پھر اس بات کا عہد کریں کہ درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کو ہم نے ہر پل ہر لمحہ ورد زبان کرنا ہے کیونکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں پنہاں ہے۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں رائحہ خوشبو کا فیصل آباد سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

میں ماہنامہ حنا کی مستقل قاریہ ہوں پہلی بار لکھنے کی ہمت کی ہے، دسمبر کا شمارہ کافی تاخیر سے ملا۔

سرورق پہ میری فیورٹ علیزے شاہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی اسی طرح ہمیشہ سرورق اچھا ہی دیا کریں، بشیر بدر اور داغ دہلوی کی حمد و نعت بہت پسند آئی اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہوا، اب آتے ہیں اپنے فیورٹ ناول "بی رقصم" کی جانب بشریٰ سیال آپی مجھے لگتا ہے کہ جس عورت کی طلاق ہوئی ہے وہ عروبہ ہے اور کچھ بھی کر کے زین اور فروا کو ملا دیں اور جلدی فارقلیط اور عروبہ کی طلاق کروا دیں، عیسیٰ اور عروبہ کی شادی کروا دیں۔

"تم میرے پاس رہو" ثمن آپی شادی کوئی مذاق نہیں ہے پریشے کو دوبارہ سمیر کے جھانسے میں نہیں آنا چاہیے اور ازک کو قبول کر لینا چاہیے، انوش اور شاویز کو ملا دیں اس طرح ماہین بھی اپنوں سے مل جائے گی ذوریز آفندی کو مت ماریئے گا، اتنے سالوں بعد انہیں اپنی بیٹی ملی ہے، ام مریم آپی میں نے آپ کے بہت ناول پڑھے ہیں اور سبھی ناول اچھے تھے "تم

آخری جزیرہ ہو" بیسٹ تھا" دل گزیدہ" انتہائی طویل ہے جلدی ختم کریں اور کوئی زیادہ اچھا ناول لکھیں، حمدان اور قدر کی نوک جھوک اچھی لگتی ہے۔ جلدی سے اویس کو عبرت ناک سزا دیں اس نے عمر اور حجاب کی زندگی برباد کر دی اور ایزد کو جلدی قدر سے ملائیں "پربت کے اس پار کہیں" کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے مگر پھر بھی وہیں ہے جلدی ختم کریں اور سندس جبیں کا سلسلے وار ناول شروع کریں اور ناولٹ ٹھیک تھے اور افسانے بھی اچھے تھے۔

رائحہ خوشبو خوش آمدید دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے آپ کو لکھنے کا شوق ہے تو یوں کریں پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں اور پھر اس طرف آیئے گا شکریہ۔

سحر تبسم سحری: مغل پورہ لاہور سے لکھتی ہیں۔

حنا 2011ء سے زیر مطالعہ ہے پر خط لکھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ پتا نہیں لگے یا نہیں، مجھے کچھ سوال بھی پوچھنے ہیں امید ہے کہ ضرور جواب ملے گا، پہلے ذرا تبصرہ ہو جائے ٹائٹل بہت پیارا تھا، اس کے بعد" کچھ باتیں ہماریاں" میں سردار طاہر محمود سے سو فیصد اتفاق کیا، حمد و نعت بہت خوبصورت، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں، اتنی میٹھی کہ دل کرتا ہے بس پڑھتے ہی جاؤ۔

ام مریم کا ناول تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اب تو اختتام ہونے والا ہے ام مریم آپی نوٹ کریں کہ اس کے بعد ایک اور ناول لکھتے ہوئے اس میں ایک کردار کا نام "سحر" بھی رکھنا (آہم)

نایاب جیلانی نے تو ناول کو ایک ہی جگہ روک دیا ہے اب ختم بھی کریں پلیز، دیگر قارئین کی طرح میری بھی شکایت ہے کہ ہر کہانی آئندہ ماہ مت کریں، بشریٰ سیال کا "می رقصم" تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے، بیسویں قسط ہو گئی پر اختتام نظر ہی نہیں آ رہا ہے، تہمین نے بھی ناول کا حسن طوالت دے دے کر ختم کر رکھا ہے، درشمن کا ناول میں نے ابھی اسٹارٹ نہیں کیا، مکمل ہو جائے پھر پڑھوں گی۔

"ہجر کا استعارہ اور ہے" مکمل ناول پڑھ کر مزہ آ گیا، فری گندرا ایک خیر سے نام کی چاہ" ایمان قاسمی کی اسٹوری ہر دفعہ کی طرح لاجواب رہی "پہلی بارش" تمثیلہ زاہد کا ہلکا پھلکا ناولٹ پسند آیا، افسانے سبھی اچھے تھے، اب ذرا میں وہ سوال کرلوں جو مجھے کرنے ہیں پلیز جواب لازمی دیجئے گا، فوزیہ غزل آپ کی کیا بات ہے کوئی اور ہے، یہاں میں ایک بات کی نشاندہی کر دوں "ستمبر" کے شمارے میں ایک افسانہ "قرض حسنہ" لگا تھا، ڈیئر اپیا یہ افسانہ پچھلے سال بھی لگا تھا، ستمبر میں ہی، میرے پاس شمارہ بھی پڑا ہے، اب آخری سوال کہ درشمن نے اپنے ناول میں ایک لفظ "حلالہ" یوز کیا ہے میں نے یہ لفظ پہلے بھی کئی بار سنا ہے پر مطلب کا علم نہیں ہے پلیز فوزیہ آپی مجھے اس کا تفصیل سے بتا دیں تاکہ میرے نالج میں اضافہ ہو، مجھے بتانے کی تنقید بھرا میرا یہ خط لگنے والا تو ہے نہیں۔

سحر تبسم سحری، خوش آمدید اس محفل میں سب سے پہلے تو خوش ہو جائیں کہ ہم نے آپ کا خط شائع کر دیا، اب آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ تعریف و تنقید دونوں ہی ہمارے لئے اہم ہیں، قرض حسنہ فوزیہ سرور کا افسانہ غلطی سے دوسری بار شائع ہو گیا جس کے لئے ہم معذرت خواں ہیں، درشمن کا ناول پڑھنے بنا اسی میں سے ایک پوائنٹ کے متعلق سوال کیا آپ نے، لفظ حلالہ کا مطلب

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے
پھر اسے دوبارہ اپنی زندگی میں لانا چاہے تو
کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت پہلے کسی اور
نکاح کرے کچھ عرصہ اس کے ساتھ گزارے
پھر وہ شخص اپنی مرضی سے اس عورت کو طلاق
ے اور وہ عورت دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی حق
جیت میں آ جائے، مطلب اس طرح وہ اپنے
شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی، اسے حلالہ
تے ہیں۔

بحہ گل: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔
دسمبر کا شمارہ دس تاریخ کو ملا سرورق پہ ایک
صورت دلہن مسکرا رہی تھی، سرورق کے بعد حمد
ت سے فیض یاب ہوئے، پیارے نبی صلی اللہ
یہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں پڑھ کر اپنے فیورٹ
ل ''پربت کے اس پار کہیں'' کی جانب
لانگ لگائی لوپو میچ کے ملتوی ہونے کی خوشی
ئی نایاب آپی اب بغیر خون خرابے کے سب
یک ہو جانا چاہیے جہاندار اور نیل بر کا رومانس
نے کا شکریہ اور آپی مورے کو سچائی کا علم ہو گیا
رے نشرہ کو بہو تسلیم کر لیں اور اگر مورے نے
انہیں کیا تو ہیام کو بہادر بن کر نشرہ کے لئے
سٹینڈ لینا چاہیے، آخر بیوی ہے وہ اس کی کوئی غیر
نہیں، ''تم میرے پاس رہو'' درشمن آپی ماہین کا
موم کر دیں وہ ذوریز کو معاف کر دے اور
رش اور شاہ ویز کی شادی کے لئے بھی راضی ہو
ئیں اور آپی آپ نے پری اور انزک کا نکاح
کروا کر انزک کو دودھ میں پڑی مکھی کی طرح
نکال دیا آخر وہ اس کا شوہر ہے آپی انزک اور
ی کی طلاق مت کروائیے گا انوش اور شاہ ویز کی
شوری مجھے بہت پسند ہے ان کی نوک جھونک
ھ کر کہانی میں بہار آ جاتی ہے۔
''دل گزیدہ'' اختتام کی جانب تھا مگر ختم
نہیں ہوا ام مریم آپی حجاب اور عمر کی مشکلات ختم
کر دیں، ''شہر دل کا راستہ'' وانیہ اور موحد کے بیچ
سب ٹھیک کر دیں آپی اور وانیہ کو اس کے ماں
باپ سے ملوا دیں اور حریم اور نہال کی جلدی
شادی کروا دیں اور آپی یہ مریم کس راہ پر چل نکلی
ہے منصور سے شادی کا فیصلہ اس کا اپنا تھا پھر اب
اس حر عباس کی جانب کیوں کھنچی جا رہی ہے آپی
آپ اسے بھٹکنے سے بچائیں۔
''می رقصم'' اچھا جا رہا ہے آپی موسیٰ علی مر
جانا چاہیے اور زین اور فروا کا کپل بننا چاہیے،
''اک تیرے نام کی چاہ'' بہت پسند آیا بے شک
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے
عائشہ کو بھی اپنی آزمائش کا صلہ مل گیا واقعی مرد اتنا
اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا مگر غنی نے عائشہ کو اپنے گھر
واپس لا کر اسے سائبان تو دیا نا۔
''ہجر کا استعارہ اور ہے'' بہت عجیب ناول
تھا کچھ خاص پسند نہیں آیا معذرت کے ساتھ،
''پہلی بارش'' میں اینڈ میں اس نے متین کو قبول کر
لیا، افسانہ ''نیس بک'' میں زندگی کی عقل پہ ماتم
کرنے کو جی چاہا مگر اچھا تھا ہمارے معاشرے
میں جو ہو رہا ہے اس کی عکاسی کرتا ہوا، ''دسمبر بلا
رہا ہے'' اختتام کچھ بھایا نہیں، ''سدا مسکرائے اس
کا گھر'' اچھا لگا، اب آتی ہوں اپنی تحریروں کی
جانب آپی یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ میری
تحریروں کے لئے آپ نے معذرت کر لی ہے مگر
آپی میں پیچھے نہیں ہٹوں گی، آپی پلیز پلیز پلیز
مجھے بتا دیجئے کہ آخر میری تحریروں میں کمی کیا
ہے تاکہ میں اپنی کمی کو دور کر کے اچھی لکھاری بن
سکوں اس خط کے ساتھ اپنی ایک اور تحریر بھیج رہی
ہوں ''کیسے کہوں'' ضرور پڑھیئے گا۔

ربحہ گل چندا پہلے ذرا اپنے نام کا مطلب
بتاؤ، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ

کی رائے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے ارے یہ کیا؟ زین اور فروا کا کپل بنانے کے لئے موی کو کیوں مارنا چاہتی ہے ہر بندے کو جینے کا حق ہے بہرحال آپ کی رائے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے آپ کے ساتھ ساتھ ہم بھی دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہیں آپ کی تحریر ناقابل اشاعت ہے اس لئے ہوئیں کہ ان میں کوئی کہانی ہی نہیں محض ڈائیلاگ لکھنے سے تو کہانی نہیں بنتی نا، کوشش جاری رکھیں اور اپنا مطالعہ وسیع کریں، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

اقرا الیاس: مرید کے سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے تو میں مصنفہ ثنا کنول صاحبہ کی دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اتنے اچھے لفظوں یاد کیا، مجھے دوست جیسے قیمتی موتی کا اعزاز بخشا بے شک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے اور یہی عزت نوازنے کے لئے اس نے آپ کے ہاتھ میں قلم تھما کر اتنا بڑا فریضہ سونپا کہ آپ اپنے لفظوں کا سحر پھونک کر اس کے بندوں کو اندھیری رات کی مسافت سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کرنے کی کوشش کر سکیں اللہ تعالیٰ آپ کی سوچ میں اور وسعت عطا فرمائے آمین، اب آیئے شمارے کی جانب تو ٹائٹل بیسٹ آف ائیر تھا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفظ و امان میں اور دستگار رہے ہوئے شیطان سے آمین، ابن انشاء کی غزل دل کو بھائی، گزیدہ" اس بار پڑھ کر سوچ فقط یہی آ کر اٹک گئی کہ اب حجاب کا کیا بنے گا، جتنا بڑا اس پر پہاڑ ٹوٹا کیا وہ اتنا بڑا صبر کر پائے گی بلکہ اس سے دگنا صبر اور شانزے کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھی کیا کچھ ہو سکتا ہے

"شہر دل کا راستہ" حریم کی بہادری چھا گئی تہمین اختر صاحبہ ہر کردار کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں، "می رقصم" بشریٰ سیال میرا آپ سے شکوہ اب بھی برقرار ہے اتنے کردار آ کر بھی گزر گئے انتیا بیگ کا کردار بالکل سمجھ نہیں آئی ہوا کا جھونکا لگی۔

افسانوں کی جانب تو سیما بنت عاصم نے ہمیں ہنسا ہنسا کر دوہرا کیا شکر ہے کہ ساس بہو والی پالیسی بدلی اور بات ماں اور بیٹی تک آئی، "فیس بک" ثناء کنول آپ نے پھر سے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا ہے یہاں پاؤں نہیں ڈگمگایا وہاں انسان آسمان کی وسعتوں سے گر کر پاتال میں جا گرتا ہے اسی لئے اگر آپ دوسروں کے تجربات سے سیکھ لیں تو زیادہ بہتر رہ جاتا ہے، نادیہ جہانگیر آپ نے بھی خوب لکھا، "میری ڈائری سے" شاعری کا چناؤ بہترین تھا، خوش رہیں آباد رہیں آمین۔

اقرا الیاس خوش رہو حنا کی تحریروں پر آپ کا تبصرہ ہمیشہ کی طرح بہترین رہا، کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ سروے کے جوابات بھی بھجوا دیتی، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ اس محفل کی رونق بڑھاتی رہیے گی شکریہ۔

منحہ رمشا: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کی ٹھٹھرتی شام کو حنا ڈائجسٹ ملا، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دل کو فیض یاب کیا، حمد بہت پسند آئی مجھے، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح پیاری تھیں، آج دنیا میں واقعی فتنوں کا نزول ہے، اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

اب میری فیورٹ رائٹر ام مریم کے سلسلے وار ناول "دل گزیدہ" کی بات ہو جائے، حجاب

رعمر کو سب کچھ بھلا کر نئی زندگی کی شروعات کر لی
یے، ویسے حجاب کا ری ایکشن فطری ہے لیکن
بیچارے کا کوئی قصور نہیں واقعی اس نے ٹھیک
نہا کہ اس پہ آزمائشیں شروع سے ہی آتی رہی
ں، کافی عرصے بعد حمدان اپنے پرانے شوخ
وپ میں کافی پسند آیا، قدر کا بات بات پہ رونا کم
ریں آپی، شمائزے کا غرور بھی اویس کو توڑنا
بیے۔ ہمیشہ کی طرح یہ بھی بہت اچھا ناول ہے
پ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ اس کے ختم
ونے کے بعد غائب مت ہو جایئے گا اور نیکسٹ
ول میں معاذ حسن جیسا شوخ کھلنڈرا ہیرو لے
کر آیئے گا، درثمین بلال کا ''تم میرے پاس رہو''
چھا جا رہا ہے لیکن یہ انزک آفاق کی پھپھو کی
سٹوری کیوں شروع ہو گئی ہے، ذوریز آفندی اور
ہین کی نوک جھونک اچھی جا رہی ہے، ذوریز کو
چا لیجیے گا آپی، ماہین اور ذوریز نے اٹھارہ برس
جدائی کاٹی ہے اب انہیں جدا مت کیجیے گا، شاہ
یز اور انوش کی اسٹوری زیادہ لکھا کریں۔ محبت
یسے شوخ کھلنڈرے ہیرو، ہیروئن بہت پسند
یں، نایاب جیلانی کا ''پربت کے اس پار کہیں''
یں نشرہ تو واپس ہیام کے گھر آ گئی، مورے
عروفہ نے سب بتا دیا ہے، یقیناً مورے نشرہ کو بہو
تسلیم کر ہی لے گی، آپی ہیام اور نشرہ کی اسٹوری
زیادہ لکھا کریں، گلالئی کے لئے تو اثر ہی ہے،
مام نے تصویریں دیکھ لیں وہ جہاندار کا بھتیجا ہے
ور ہاں آپی کیا پولو میچ آخری قسط میں ہوگا۔
بشریٰ سیال کے ناولٹ ''می رقصم'' میں فردا
کی دعائیں موسیٰ کو موت کے منہ سے واپس لے
آئیں لیکن بشریٰ سیال آپی آپ نے زین کی بھی
طلاق کروا دی تو پھر زین کی ہیروئن آخر کون ہو
گی، انیتا بیگ جیسی بد چلن لڑکی تو اسے سوٹ بھی
نہیں کرتی تھی، فارقلیط اور عروبہ کے درمیان
سب ٹھیک ہونا چاہیے، تحسین اختر کا ناولٹ ''شہر
دل کا راستہ'' بھی اچھا جا رہا ہے، آنٹی نے وانیہ
سے بالکل ٹھیک کہا کہ اسے بھی موحد کو سمجھنا
چاہیے، مریم کو ٹھوکر کھانے سے پہلے سنبھل جانا
چاہیے، نہال اور حریم کو شادی کر لینی چاہیے،
مشائم کا ہیرو فواد تنویر ہی ہے، اب بات ہو جائے
افسانوں کی۔ شبانہ کنول کا افسانہ ''فیک''
معاشرے کی برائی کو اجاگر کرتا اچھا افسانہ تھا،
''زندگی کے انجام پہ رونا آیا'' سیما بنت عاصم کا
''سدا مسکرائے اس کا گھر'' عورت کی گھریلو
زندگی کی مصروفیات پہ اچھا تھا، ''دسمبر بلا رہا ہے''
نادیہ جہانگیر نے جن عورتوں کے شوہر بیرون
ملک ہوتے ہیں ان کی تنہائی پہ اچھا افسانہ تھا،
تمثیلہ زاہد کے ناولٹ ''پہلی بارش'' میں الفت کا
کردار ایک نفسیاتی مریض کا سا تھا، پلیز آپی لڑکی
کو اتنا چیخنا چلانا چیزیں توڑنا سوٹ نہیں کرتا،
فلک تنویر کا مکمل ناول ''ہجر کا استعارہ اور ہے''
تمام پسند آئے،
امید ہے نیا سال میرے لئے میری تحریریں
''محبت کے رنگ نرالے، صورت یا سیرت'' شائع
ہونے کی خوشیاں لائے گا، پڑھنے کے بعد آپ کو
پسند آئیں گی انشاء اللہ تعالیٰ،
۔۔۔ دستی ہوئی ناول بے حد پسند آئی۔
منحہ رمشا دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا
شکریہ واہ کیا بات ہے آپ نے تو نایاب کے
ناول کو مکمل کر دیا اب دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی
نایاب بھی وہی سب کچھ ناول میں دکھائیں گی
جو آپ نے لکھا لیکن ایک بات تو پکی ہے کہ آپ
کے اندر لکھنے کی صلاحیت ہے آپ کی تحریر سب
مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے
اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆

احتراز حسن پندرہ سال کا
نوجوان جس نے اپنی جان دے کر بہت سی جانیں بچائیں یہی ہیں وہ چمکتے ستارے جو پاکستان کے افق پر بے حد نمایاں ہیں اور چمکتے رہیں گے۔

۶۔ مصروفیت ہی مصروفیت ہے مشاغل تو کچھ نہیں اور اس مصروفیت کا نام مستعجاب بن خرم ہے الحمدللہ۔

جاتے وقت اپنے تمام قارئین کے لئے نیک تمنائیں اور بے حد ممنون کہ جب بھی میں نے لکھا آپ نے سراہا اور لکھنے کے عمل کو متحرک رکھا بہت شکریہ اور اللہ حافظ۔

وجیہہ بخاری............ شیخوپورہ

۱۔ گیا سال میرے لئے خوش ترین سال رہا الحمدللہ، میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کیونکہ اس سال اللہ نے مجھے اتنا نوازا اور ایسا نوازا کہ میں جب بھی سوچتی ہوں تو انگشت بدنداں رہ جاتی ہوں، گیا سال مجھے بس خوشیاں ہی خوشیاں دے کر گیا اور بہت خوبصورت رشتے بھی، گیا سال جو سب سے بڑی خوشی دے کر گیا وہ میرا صاحب کتاب بننا تھا الحمدللہ ثم الحمدللہ گئے سال میں میری پہلی کتاب "بہاروں سے موسم" پیش ہوئی جو کہ شعری مجموعہ ہے۔

۲۔ سچ کہوں تو میں ایسی بندی ہوں جو کہ بڑے بڑے پلانز نہیں بناتی، ہمیشہ حال میں جیتی ہوں، کیونکہ جس اللہ کی ذات پر یقین رکھتی ہوں کہ اس پاک ذات نے میرے لئے جو سوچا ہوگا وہ یقیناً سب سے بہتر ہوگا کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان نہ جانے کیا کچھ سوچ لیتا ہے خود سے بڑے بڑے وعدے کرتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے ہمارے لئے کچھ اور بہتر سوچ رکھا ہوتا ہے حضرت علی کا ایک مشہور قول ہے جو سب نے سن رکھا ہوگا کہ میں نے اللہ کی ذات کو اپنے پختہ ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، لہٰذا میں خود سے کوئی زیادہ وعدے نہیں کرتی، بس اللہ کی رضا میں راضی ہونے کی کوشش کرتی ہوں۔

۳۔ میرا یہ سال الحمدللہ میری سوچ سے بھی زیادہ اچھا گزرا، اس سال کی تین خوبصورت یادیں ایسی ہیں جو کہ میں کبھی بھی نہیں بھول سکتی، پہلی یاد وہ تھی جب وزیراعظم عمران خان نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا، وہ لمحہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی کہ اس ایک پل میں نے کتنی بے قراری اور بے چینی سے انتظار کیا میرے لئے وہ دن بے حد حسین تھا، دوسرا وہ دن جب ماہنامہ حنا میں میری پہلی تحریر شائع ہوئی وہ دن بھی میری زندگی کا اہم دن تھا کیونکہ کسی ڈائجسٹ میں اپنا نام دیکھنے کے لئے مجھے بے حد محنت کرنی پڑی بہت مرتبہ ریجیکٹ ہونے جانے کا سامنا کیا یہ ایک لمبی کہانی ہے، لہٰذا وہ دن بھی ایک یادگار دن تھا اور تیسرا وہی جس دن میری کتاب شائع ہوئی۔

۴۔ اس سال بہت سی شخصیات نمایاں رہیں وہ بھی مختلف شعبوں میں لیکن میں یہاں بس سیاسی شخصیت کی بات کروں تو اس سال جبکہ بہت پہلے سے میری پسندیدہ سیاسی شخصیت وزیراعظم عمران خان ہی ہیں مجھے انہوں نے بے حد متاثر کیا میں نے ان سے ہی سیکھا کہ زندگی میں اتنی محنت کرو کہ ایک

قت آئے لوگ آپ کو مان جائیں میں
عمران خان سے سیکھا کہ اگر نیت اچھی تو
راستے میں چاہے جتنی مرضی مشکلات آ
جائیں ہار نہیں ماننی۔

۔ اس سال کی مصروفیت میں اہم ماسٹر کی
ڈگری مکمل کرنا رہا الحمدللہ وہ پوری ہوئی اس
کے علاوہ اس سال لکھنا لکھانا بھی اہم رہا، دو
ہزار اٹھارہ تقریباً میری پسندیدہ تحریریں
مختلف ماہناموں میں شائع ہوئیں، جہاں
تک بات ہے نئی سوچ کی ہاں اس سال
بہت کچھ نیا سیکھا پہلے کی نسبت میں اب
بہت میچور ہوگئی اب میں ہر معاملات کو ایک
الگ اور بہتر انداز میں دیکھنے کی کوشش کرتی
ہوں۔

بحہ گل .... فیصل آباد

۔ گیا سال میرے لئے کچھ اچھا نہیں رہا
کیونکہ میں اس سال اپنی گریجویشن کمپلیٹ
کرنے والی تھی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا وجہ میں
بتانا نہیں چاہتی اس کے علاوہ میری دادی کا
انتقال ہو گیا تھا اسی سال اس بنا پر میں
گزرے سال 2018ء سے خوش نہیں
ہوں یا آئندہ سال بہت امیدیں لئے
ہوئے ہے خوشی اور مسرت کی امیدیں اس
کے علاوہ میری فیورٹ رائٹر سندس جبیں بھی
اس سال میں اپنا کوئی ناول یا سلسلے وار ناول
لے کر حاضر نہیں ہوئیں، مجھے امید ہے کہ
2019ء میں وہ میرے لئے اپنا ایک سلسلے
وار ناول لے کر ضرور حاضر ہونگیں۔

۔ 2018ء میں، میں نے کافی رقم جمع کی تھی
مگر پھر کسی چھوٹی موٹی فضول شے کے لئے
خرچ کر دی مجھے اس کا بہت افسوس ہے
کیونکہ میں نے جس مقصد کے لئے اسے جمع
کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا اور یہ سال میرے
لئے اس لئے بھی برا تھا کہ ابھی پچھلے دنوں
میری نانی امی کی برسی تھی اس لئے میں اداس
رہی ویسے تو میری نانو امی کو گزرے اس بار
تین سال ہونے کو آئے تھے مگر ہر سال یوں
ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کل کی ہی بات ہے
خیر اس کے علاوہ میرے لئے یہ سال یہ خوشی
لایا کہ میری آپی کا گریجویشن کمپلیٹ ہوا اور
میرے بھائی کو ایک بہت اچھی جاب آفر
ہوئی میں بھی جاب کرنا چاہتی تھی مگر مجھے
ابھی جاب نہیں ملی تو اگلے سال کے ساتھ
بہت امیدیں وابستہ ہیں میری۔

۳۔ مجموعی طور پر میرے لئے اس سال میں
خوشیاں ہی تھیں میں اپنی فیملی کے ساتھ
چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں بھی بہت آسودگی
محسوس کرتی ہوں کیونکہ میرے گھر والے مجھ
سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں ان سے
بہت پیار کرتی ہوں اور ہاں اس سال میں
نے خود سے عہد کیا تھا کہ میں رائٹر بنوں گی
مگر ابھی یہ خواب پورا نہیں ہوا مگر میری
کوشش جاری ہے انشاء اللہ 2019ء
میرے لئے کوئی خوش خبری ضرور لائے گا۔

۴۔ رائٹرز میں اس سال ام مریم آپی نے متاثر
کیا وہ بہت اچھا لکھتی ہیں اور سیاسی شخصیت
میں، میں میاں محمد نواز شریف کی فین ہوں
مگر یہ سال ان کے لئے اچھا نہیں گزرا پہلے
انہیں نااہل کر دیا گیا اور پھر جیل بھی بھیج دیا
گیا اور سب سے زیادہ بری بات کہ جس
عمران خان اب ہمارے وزیراعظم ہیں اس
لئے ان سے بھی 2019ء کے لئے اچھی
امیدیں وابستہ ہیں۔

۵۔ ویسے تو انسان کی زندگی بہت مصروف ہوتی ہے اگر نا بھی ہو تو کوئی نا کوئی کام اس کا ٹائم پاس کرا ہی دیتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے آپ کو بتایا کہ میں نے اپنا گریجویشن کمپلیٹ نہیں کیا اس لئے اس سال میں نے دو مشاغل کو اپنایا ایک تو رائٹر بننے کا عزم دوسرا میں نے اپنے بھائی سے کمپیوٹر کا ڈپلومہ کیا کیونکہ میرے بھائی کمپیوٹر میں ایکسپرٹ ہیں، اب اجازت چاہوں گی اس امید کے ساتھ کہ آپ کو میری رائے پسند آئی ہوگی شکریہ۔

رمشا غنی .... فیصل آباد

۱۔ گئے سال میں مجھے میرا گریجویشن کمپلیٹ ہونے کی خوشی ملی پھر حنا ڈائجسٹ میں لگاتار میرے مننس شائع ہونے کی خوشی ملی، دو بڑے ڈائجسٹ میں میری شمولیت اور خاص کر کہ حنا ڈائجسٹ میں میرے لئے بہت بڑی خوشی اور خوبصورت احساس ہے۔

۲۔ 2018ء میں، میں نے خود سے بھی عہد و پیماں کئے ان میں سے بد قسمتی سے کوئی بھی پورا نہ ہوا۔

۳۔ مجموعی طور پر یہ سال میرے لئے کافی اچھا رہا، اس سال کی خوش کن یاد وہ تھی جب 14 اگست برتھ ڈے کے دن میرا رزلٹ اناؤنس ہوا اور میں نے سیکنڈ ڈویژن سے گریجویشن کمپلیٹ کر لیا، اس کے علاوہ ستمبر 2018ء کے حنا ڈائجسٹ میں جب میرا مننس شائع ہوا تھا، ان دو موقعوں پہ میرے والدین کا میرے لئے فخریہ انداز میرے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔

۴۔ مجھے جس شخصیت نے متاثر کیا وہ ام مریم ہیں، جن کی تحریریں مجھے بے حد پسند ہیں اس کے بعد سیاست سے مجھے سابق وزیراعظم نواز شریف نے متاثر کیا، جو چاہتے تو بیرون ملک بھاگ جاتے لیکن وہ اور ان کی بیٹی مریم نواز نہ صرف واپس پاکستان آئے بلکہ خود کو گرفتاری کے لئے بھی پیش کیا، ان کی سچائی اور ثابت قدمی مجھے اچھی لگی۔

۵۔ اس سال پہلے تو ایگزام کی تیاری اور پھر ایگزامز کی مصروفیات رہیں پھر مننس اور ناول لکھنے کی مصروفیات رہیں، اس سال مجھے نئی سوچ اور فکر ملی ہے کہ مجھے اپنا نام بنانا ہے، ساری دنیا مجھے پہچانے اور سراہے، میں رائٹرز کی دنیا میں اپنا نام بناؤں گی انشاء اللہ تعالیٰ اور آگہی یہ کہ مایوسی کفر ہے کسی بھی حال میں اللہ سے مایوس نہیں ہونا۔

صدف آصف .... میلبورن آسٹریلیا

۱۔ گزرے سال نے بہت سا سبق سکھایا جینے کا نئے طور طریقے سیکھے ہیں۔

۲۔ 2018ء میں کچھ ضروری کام ادھورے رہ گئے انشاء اللہ 2019ء میں اللہ سے جیسی امید ہے وہ پوری ہو جائے گی۔

۳۔ آسٹریلیا میں شفٹ ہونے کے بعد نئے تجربات کا مزہ آیا۔

۴۔ اس سال مجھے صائمہ اکرم چوہدری کا ڈرامہ ''سنو چندا'' دیکھ کر بہت مزہ آیا۔

۵۔ ملبورن میں نئے نئے کام کرنے کا مزہ آیا ہے۔

ماہنامہ حنا کے تمام اسٹاف سپیشلی فوزیہ شفیق کو سال نو کی مبارک کباد۔

قرۃ العین سکندر .... لاہور سے

۵۔ ویسے تو انسان کی زندگی بہت مصروف ہوتی ہے اگر نا بھی ہو تو کوئی نا کوئی کام اس کا ٹائم پاس کرا ہی دیتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے آپ کو بتایا کہ میں نے اپنا گریجویشن کمپلیٹ نہیں کیا اس لئے اس سال میں نے دو مشاغل کو اپنایا ایک تو رائٹر بننے کا عزم دوسرا میں نے اپنے بھائی سے کمپیوٹر کا ڈپلومہ کیا کیونکہ میرے بھائی کمپیوٹر میں ایکسپرٹ ہیں، اب اجازت چاہوں گی اس امید کے ساتھ کہ آپ کو میری رائے پسند آئی ہو گی شکریہ۔

رمشاہنی .... فیصل آباد

ا۔ گئے سال میں مجھے میرا گریجویشن کمپلیٹ ہونے کی خوشی ملی پھر حنا ڈائجسٹ میں لگاتار میرے کمنٹس شائع ہونے کی خوشی ملی، دو بڑے ڈائجسٹ میں میری شمولیت اور خاص کر کہ حنا ڈائجسٹ میں میرے لئے بہت بڑی خوشی اور خوبصورت احساس ہے۔

۲۔ 2018ء میں، میں نے خود سے بھی عہد و پیماں کئے ان میں سے بدقسمتی سے کوئی بھی پورا نہ ہوا۔

۳۔ مجموعی طور پر یہ سال میرے لئے کافی اچھا رہا، اس سال کی خوش کن یاد وہ تھی جب 14 اگست برتھ ڈے کے دن میرا رزلٹ اناؤنس ہوا اور میں نے سیکنڈ ڈویژن سے گریجویشن کمپلیٹ کر لیا، اس کے علاوہ ستمبر 2018ء کے حنا ڈائجسٹ میں جب میرا کمنٹس شائع ہوا تھا، ان دو موقعوں پہ میرے والدین کا میرے لئے فخریہ انداز میرے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔

۴۔ مجھے جس شخصیت نے متاثر کیا وہ ام مریم ہیں، جن کی تحریریں مجھے بے حد پسند ہیں اس کے بعد سیاست سے مجھے سابق وزیراعظم نواز شریف نے متاثر کیا، جو چاہتے تو بیرون ملک بھاگ جاتے لیکن وہ اور ان کی بیٹی مریم نواز نہ صرف واپس پاکستان آئے بلکہ خود کو گرفتاری کے لئے بھی پیش کیا، ان کی سچائی اور ثابت قدمی مجھے اچھی لگی۔

۵۔ اس سال پہلے تو ایگزام کی تیاری اور پھر ایگزامز کی مصروفیات رہیں پھر کمنٹس اور ناول لکھنے کی مصروفیات رہیں، اس سال مجھے یہ نئی سوچ اور فکر ملی ہے کہ مجھے اپنا نام بنانا ہے، ساری دنیا مجھے پہچانے اور سراہے، میں رائٹرز کی دنیا میں اپنا نام بناؤں گی انشاء اللہ تعالیٰ اور آگہی یہ کہ مایوسی کفر ہے کسی بھی حال میں اللہ سے مایوس نہیں ہونا۔

صدف آصف .... میلبورن آسٹریلیا

ا۔ گزرے سال نے بہت سا سبق سکھایا جینے کا نئے طور طریقے سیکھے ہیں۔

۲۔ 2018ء میں کچھ ضروری کام ادھورے رہ گئے انشاء اللہ 2019ء میں اللہ سے جیسی امید ہے وہ پوری ہو جائے گی۔

۳۔ آسٹریلیا میں شفٹ ہونے کے بعد نئے تجربات کا مزہ آیا۔

۴۔ اس سال مجھے صائمہ اکرم چوہدری کا ڈرامہ ''سنو چندا'' دیکھ کر بہت مزہ آیا۔

۵۔ ملبورن میں نئے نئے کام کرنے کا مزہ آیا ہے۔

ماہنامہ حنا کے تمام سٹاف سپیشلی فوزیہ شفیق کو سال نو کی مبارک کباد۔

قرۃ العین سکندر .... لاہور سے

١۔ اگر لکھنے کے حوالے سے بات کی جائے تو گزرا سال مجھے صاحب کتاب بنا گیا میری پہلی کتاب ''میرا اعتبار رکھنا'' شائع ہوئی الحمدللہ، اس کے علاوہ میری بیٹی زینب نے مجھے پہلی مرتبہ ماما کہہ کر پکارا اور قدم بہ قدم چلنے لگی یہ ایک ممتا بھرا خوش کن احساس ہے۔

٢۔ 2018ء میں نے خود سے بہت سے وعدے کیے تھے جن میں ایک افسانہ نگاری میں نام پیدا کرنا تھا اور پھر اس کے بعد طویل تحریروں میں بھی اپنی جگہ بناؤں گی الحمدللہ اب میری تحریر مختلف ماہناموں میں شائع ہو رہی ہیں جن میں قسط وار ناولز بھی شامل ہیں۔

٣۔ مجموعی طور پہ یہ سال میرے لئے بہت ہی خوشگوار سال رہا، میری بیٹی کی مسکراہٹ ہی میری زیست کا حاصل ہے۔

٤۔ میں پسند تو بہت سے لوگوں کو کرتی ہوں مگر بہت زیادہ متاثر نہیں ہوتی، مگر صائمہ اکرم چوہدری کی ٹی وی ڈراموں میں کامیابی مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، ان کی انتھک محنت میرے لئے بھی مشعل راہ ہے، مجھے محنتی لوگ بے حد پسند ہیں۔

٥۔ بچوں اور گھر گھرہستی کے بعد جتنا وقت ملتا ہے میں لکھنے میں یا پھر پڑھنے میں گزارتی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ اچھی تحریروں کا مطالعہ ایک خوش کن احساس ہے اور لکھے ہوئے سے سبق حاصل کرنا اور پھر اس پہ عمل پیرا ہونا ایک خوبصورت احساس ہے، مگر لکھنا ایک ذمہ داری ہے، آپ اپنے لکھے ہوئے ایک ایک حرف پاس دار ہوتے ہیں، جوابدہ ہوتے ہیں، اس لئے جب بھی قلم اٹھائیں معاشرے کی بھلائی اس تحریر میں چھپی ہو، جو تحریک کا سبب بنے اور انسان کو باطنی حسن بخشے۔
... شفیق صاحبہ کی شکر گزار ...

جنہوں نے اس محفل میں مجھے ...

سباس گل .... رحیم یار خان

السلام علیکم! ڈیئر قارئین اینڈ مصنفین اور معزز ایڈیٹرز سب سے پہلے آپ سب کو ''حنا'' کی چالیسویں سالگرہ مبارک ہو، میرا حنا سے تعلق بہت پرانا ہے دعا ہے کہ حنا کامیابی کے مزید زینے چڑھے آمین۔

١۔ گئے برس نے جو خوشی دی کہ میں نے اپنا ناول ''محبت خواب اور آنسو'' مکمل کیا جو برما میں ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام پر لکھا گیا، یہ ایک تاریخی ناول ہے جو میری ایک نئی پہچان بنے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔ بہت سی باتوں سے آگاہی حاصل ہوئی، دکھ، خوشی اور درد بھی احساسات ہمرکاب رہے۔

٢۔ ادھورے ناولز مکمل کرنے کا عہد کیا تھا جو خرابی صحت اور دیگر گھریلو مصروفیت کے باعث پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔

٣۔ میری پیاری بھتیجی مریم جو پونے دو سال کی ہے اس کی باتیں اور شرارتیں ہمیشہ خوشی دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ اسے صحت والی لمبی زندگی عطا کرے اور اس کا نصیب اچھا کرے آمین۔

٤۔ کھیل میں راجر فیڈرز، سیاست میں عمران خان، جواب وزیر اعظم پاکستان ہیں، تحریر و تخلیق میں مصباح نوشین، صائمہ اکرم، شگفتہ بھٹی کے ڈراموں نے لطف دیا، نیوز چینل اے آروائے اور دنیا نیوز دی۔

٥۔ مشاغل تو اب رہے ہی نہیں، مصروفیات ہی رہیں، گھر شفٹ کیا، گھریلو مصروفیات زیادہ تھیں، جس سے صحت خاصی متاثر ہوئی جو ... ''تندرستی ہزار نعمت ہے''۔

☆☆☆

اب ہر دن خوبصورت





GIRL TALK

Butterfly
BREATHABLES